سیرت
ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مُصنّف

حضرت مولانا ابو القاسم رفیق دلاوری

الناشر

کتب خانہ محمدیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

...ی الیہ من یشآء ویہدی الیہ من ینیب

سیرت ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مُصنّف

حضرت مولانا ابوالقاسم صاحب رفیق دلاوری رح

الناشر

کتب خانہ صدیقیہ ملتان

MASOOD FAISAL JHANDIR LIBRARY
Acc No 94648
MAILSI
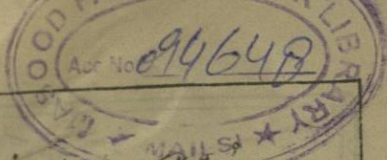
(جملہ حقوق بحق مالکان کتب خانہ صدیقیہ ملتان محفوظ ہیں)

طبع اوّل ———— محرم الحرام ۱۳۸۹ھ ۱۹۶۹ء

طبع دوم ———— محرم الحرام ۱۴۰۱ھ نومبر ۱۹۸۰ء

نام کتاب ———— سیرتِ ذی النورین (رضی اللہ عنہ)

مُصنّف ———— مولانا ابو القاسم رفیق دلاوریؒ

طباعت ———— حسینیہ پرنٹنگ پریس ملتان

نوٹ :- ایک ضروری تصحیح آخر میں ملاحظہ فرمادیں

TECHNICAL SUPPORT BY
CHUGHTAI
PUBLIC LIBRARY
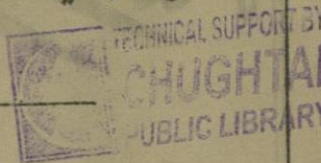
ناشر

Masood Faisal Jhandir Library

کتبخانہ صدیقیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

عرضِ ناشر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ ★ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

اَمّا بَعْد ! برادرانِ اسلام ! زیرِ نظر کتاب "سیرۃ ذی النورین" ایک ایسے بزرگ کی تصنیف ہے جو اس وقت ہمارے اندر موجود نہیں ہیں۔ اُن کی رُوح ایک عرصہ ہُوا کہ علّیین میں اللہ تعالیٰ کے مقرب اور نیک بندوں کے ساتھ انشاء اللہ تعالیٰ واصل ہو چکی ہے۔ یہ بزرگ جن کا نامِ نامی مولانا **ابوالقاسم رفیق دلاوری** ہے حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذۂ خصوصی میں سے تھے۔ ان کے تصنیفی کارنامے "سیرۃ کبریٰ"[1] دو جلدوں میں اور "رئیسِ قادیان" "عماد الدین"، "ائمہ تلبیس" علمی دُنیا سے خراجِ تحسین وصول کر چکے ہیں۔

مولانا ابوالقاسم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تمام تر زندگی تصنیف و تالیف اور مطالعہ میں گذار دی۔ ۱۸۔ فلیمنگ روڈ لاہور میں آپ کی رہائش تھی۔ دہلی مسلم ہوٹل کی مسجد میں اکثر و بلشتر ان سے میری ملاقاتیں ہوتی تھیں محبت فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت ! آخری ملاقات بھی اسی ہوٹل میں ہُوئی۔ انہوں نے میرے کھانے کی دعوت کی میں نے بھی پانچ روپے ہدیۃً نذرانہ پیش کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد وفات کی

---

[1] یہ کتاب نایاب ہے —— لیکن کتب خانہ صدلقیہ ملتان سے مل سکتی ہے۔

اطلاع موصول ہوئی۔ مولانا نے "سیرۃ ذی النورین" کا مسودہ مکتبہ صدیقیہ کو فروخت فرمایا تھا۔ اور ایک دوسری کتاب "مدعیان مذبوح" کا مسودہ بھی فروخت فرمایا۔ اسی "مدعیان مذبوح" میں انہوں نے ان جھوٹے مدعیان کے حالات تحریر فرمائے جنہیں اسلامی حکومتوں نے قتل کرکے واصل جہنم کیا یہ کتاب قسط وار ماہنامہ "الصدیق" ملتان میں شائع ہونے کے بعد کتابی شکل میں بھی طبع ہو چکی ہے۔ ہم نے مدعیان مذبوح کے ثقیل نام کے بدل میں "ایمان کے ڈاکو" نام تجویز کیا ہے یہ کتاب مکتبہ صدیقیہ ملتان سے ۷/۵۰ روپے میں مل سکتی ہے' ایمان کے ڈاکو" کا دوسرا حصہ زیر تصنیف ہے جو صرف مرزا غلام احمد قادیانی کے حالات پر مشتمل ہوگا۔ احباب دعا فرمادیں اللہ تعالیٰ جلد از جلد تکمیل کی توفیق دے۔ آمین !

الحمدللہ ! یہ نایاب اور قیمتی مسودہ جو کہ سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حالات وسوانح پر مشتمل ہے تقریباً ۱۵ سال تک عوارض وعوائق کے مراحل طے کرنے کے بعد اب بفضلہ تعالیٰ منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو رہا ہے۔ ناظرین کرام اس کے مندرجات کا اندازہ فہرست مضامین سے بھی کر سکتے ہیں۔ یہ کتاب مولانا ابو القاسمؒ نے شبلی نعمانیؒ کے "الفاروق" کے طرز پر تحریر فرمائی ہے۔ انشاء اللہ اسلامی تاریخ میں اس کے ذریعہ سے ایک سنہری باب کا اضافہ ہوگا۔

یہ کتاب درحقیقت اس قابل ہے کہ اسے سکولوں، کالجوں اور لائبریریوں میں داخل کیا جائے۔ ہماری اسلامی مملکت میں نوجوان جب تک خلفاء راشدینؓ

کے کارنامے اور حالات سے واقف نہ ہوں گے۔ ملک میں اسلامی حکومت کا خواب ہرگز شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ قائدِ اعظم محمد علی جناح مرحوم اور علامہ محمد اقبال مرحوم کے توقعات پاکستان کے اندر پورے نہیں ہو سکتے۔ اس لئے ہر مسلمان اور بہی خواہ ملک کے لئے لازم ہے کہ وہ ان حالات میں جبکہ مسلمان موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا ہیں، پوری سعی اور انتہائی جدوجہد کو اسلامی تقاضوں کی تکمیل کے لئے صَرف کر دے۔ اس کِتاب کا خود بھی مطالعہ کرے اور احباب کو بھی متوجہ کرے۔ اور نوجوان طبقہ کے اندر اس کتاب کا حتی الامکان تعارف کرائے ـــــــــــــــــــ

علاوہ ازیں یہ کتاب اس وقت تصنیف ہوئی تھی جبکہ ملک میں "خلافت و ملوکیت" کے مندرجہ اعتراضات اور فضول شبہات سے فضا مکدر نہیں ہوئی تھی۔ اگر مصنّف علام کو ان چیزوں کا علم ہوتا۔ تو وہ مزید تحقیقات اور تدقیقات سے ان شبہات کا رَد فرماتے۔ مگر میں اس کے باوجود ان کی کرامت تصور کرتا ہوں کہ ـــــــ "خلافت وملوکیت" اور شیعہ لوگوں کے بہت سے پادر ہوا شبہات کا مسکت جواب اس کتاب میں آگیا ہے۔ اس اعتبار سے اس کی اشاعت یوں بھی ضروری ہوگئی ہے کہ اس کے ذریعہ صحابۂ کرامؓ کی توقیر وتعظیم ہوتی ہے۔ اللّٰہ تعالیٰ مصنّف علام کو جزائے خیر دے۔ آمین! ـــــــــــــــــــ

تقریباً نو سو صفحات کی یہ کتاب بمع جلد وغیرہ عمدہ کتابت وطباعت وکاغذ صرف چھتیس ۳۶/ روپے میں ناظرین گرامی کی خدمت میں پیش ہے۔

اس دفعہ سہولت کے پیشِ نظر اس کتاب کو دو جلدوں میں بنایا گیا ہے —
تاکہ پڑھنے میں سہولت ہو

والسلام

نیاز مند محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

سنہ ۱۵۰۱ھ
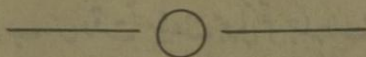
فہرست مضامین سیرت ذو النورین رضؓ

فصل ۱

حضرت ذوالنورینؓ کا خاندان

قریش امیر المومنین حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا خاندان بنو اُمیّہ قریش کی ایک شاخ ہے جس کا بانی فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ تھا۔ قریش اسی فہر کا خطاب تھا۔ چونکہ آلِ فہر کا ذریعۂ معاش تجارت تھا اور تقرش تجارت کے معنیٰ میں آتا ہے۔ اِس بناپر فہر کا خاندان قریش کے لقب سے مشہور ہوگیا۔ علاوہ ازیں قریش ایک بڑی قسم کی مچھلی کو بھی کہتے ہیں جو تمام دریائی جانوروں کو کھا جاتی ہے، اس لیے یہ لوگ اپنی قوت اور غلبہ کے اظہار کے لیے بھی اپنے آپ کو قریش کہنے لگے۔ (ابن خلدون)

بعثت نبوی کے وقت مکّہ معظمہ اور اس کے مضافات میں قریش کے یہ خاندان پائے جاتے تھے:۔

(۱) حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان بنو ہاشم جس میں حضرت حمزہ، حضرت عباس اور حضرت علی (رضی اللہ عنہم) داخل ہیں

(۲) امیر المومنین عثمان ذوالنورین، ابو سفیان بن حرب، امیر معاویہؓ

اور اُمّ المومنین حضرت اُمّ حبیبہ (رضی اللہ عنہم) کا خاندان بنو اُمیّہ۔

(۳) امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت طلحہ بن عُبید اللہ رضی اللہ عنہما کا خاندان بنو تَیم۔

(۴) امیر المومنین حضرت عمر فاروق اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہما کا خاندان بنو عدِی۔

(۵) حضرت مُصعب بن عُمیر اور حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہما کا خاندان بنو عبد الدار۔

(۶) حضرت زُبیر بن عوام، حضرت وَرقہ بن نوفل اور اُمّ المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہم کا خاندان بنو اَسد۔

(۷) سیف اللہ حضرت خالد بن ولید، حضرت ابو سَلمہ، حضرت اُمّ المومنین اُمّ سَلمہ رضی اللہ عنہم اور ابو جہل کا خاندان بنو مخزوم۔

(۸) حضرت آمنہ مادرِ محترمہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عبد الرحمٰن بن عَوف اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم کا خاندان بنو زُہرہ۔

(۹) فاتح مصر حضرت عَمرو بن عاص رض کا خاندان بنو سہم۔

(۱۰) حضرت عثمان بن مظعون اور ابو محذورہ موذّن رضی اللہ عنہما کا خاندان بنو جمح۔

(۱۱) سیّدہ زینب سلام اللہ علیہا بنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شوہر حضرت ابو العاص رض کا خاندان بنو عبد العُزّیٰ۔ (ابن خلدون)

بنو اُمیّہ

اِن متذکرۂ صدر گیارہ خانوادوں میں بنو ہاشم اور بنو اُمیہ جنھیں ہاشمی اور اُموی بھی کہتے ہیں، اقتدار اور دُنیاوی وجاہت کے لحاظ سے ممتاز تھے۔ اِن دونوں خاندانوں کے مُورث اعلیٰ کا نام عبد مناف تھا۔ عبد مناف کے بیٹوں میں حضور سید الاولین و الآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا ہاشم اور ابوسفیان رضؓ کے پردادا عبد شمس زیادہ نام ور تھے۔ انھی دو بھائیوں سے دونوں خاندان ہاشمی اور اُموی چلے خاندانِ بنی اُمیہ ریاست، عزت اور شرافت کے لحاظ سے تمام عرب میں امتیازی حیثیت رکھتا تھا اور بنو ہاشم کے سوا کسی دوسرے قُرشی خاندان کو اس سے ہمسری کا دعویٰ نہ تھا۔ بنو اُمیہ کا مورث اُمیّہ بن عبد شمس قریش کے رئیسوں میں تھا۔ خلفائے بنو اُمیہ اِسی اُمیّہ کی طرف منسوب ہو کر اُموی یا بنو اُمیّہ کہلاتے ہیں۔ عُکاظ، فجار اول و دوم اور ذات نکیف کی جنگوں میں جو بعثت سے پیشتر قریش اور دوسرے قبایل میں ہوئیں، اِس خاندان کا نام ور سردار حرب بن اُمیہ سپہ سالار اعظم کی حیثیت رکھتا تھا۔ عُقاب یعنی قریش کا قومی عَلم اسی خاندان کے قبضہ میں تھا۔ حرب بن عبد الشمس کے بعد امیر معاویہ رضؓ کے والد ابوسفیان بن حرب بن اُمیہ سپہ سالاری کے عہدہ پر سرفراز ہوئے۔

عہدِ رسالت میں ابوسفیان بن حرب ہی قریش کے قائد اعظم تھے۔
کُفار قریش اور مسلمانوں کی پہلی جنگ غزوہ بدر کے نام سے مشہور ہے۔ اِس جنگ کے وقت ابوسفیان مکہ کے تجارتی قافلہ کے ساتھ شام گئے ہوئے تھے۔

اس لیے ان کے خسر عُتبہ بن ربیعہ نے قریش کی سپہ سالاری کے فرائض انجام دیے۔ عُتبہ بن ربیعہ غزوہ بدر میں جنگ کی بھینٹ چڑھ گیا۔ اس کے غزوہ اُحد اور غزوہ خندق میں ابو سفیان رض ہی قریش کے قائد اعظم تھے۔

بعثت نبوی کے ایام میں بنو اُمیہ اور بنو ہاشم دونوں ہمسر تھے لیکن جب واہب کردگار کی نصرت بخشیوں نے حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو بنو ہاشم میں پیدا کر کے اس خاندان کو نوازا، تو ہاشمیوں کا پلّہ بہت بھاری ہو گیا۔ دعوتِ اسلام کے بعد داعیٔ حق صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک اور بت پرستی کی برملا مذمت شروع کر دی تھی۔ اس بنا پر ہر بت پرست ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیروؤں کا دشمن ہو گیا۔ اس سلسلہ میں معدودہ چند اُمویوں کے سوا جو دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے، تمام بنو اُمیہ غلبۂ اسلام تک برابر داعیٔ اسلام علیہ التحیۃ والسلام اور آپ کے پیروؤں کے خلاف رہے کیونکہ وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت و برتری کو اس گمان بد خوف اور حسد کی نگاہ سے دیکھتے تھے کہ اس سے عرب کی عنانِ سیادت اُمویوں کے ہاتھ سے نکل کر ہاشمیوں کے دستِ اقتدار میں چلی جائے گی۔ لیکن انجام کار جب فتح مکہ کے دن کفر کا زور ٹوٹا تو اس وقت بنو اُمیہ بھی عامۂ قریش کے ساتھ مشرف بایمان ہو گئے۔

ابو سفیان رض کا اعزاز

فتح مکہ کے دن حضور خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے قائدِ اعظم اور امیر معاویہ رض کے والد ابو سفیان بن حرب کا اعزاز بڑھانے کے لیے اعلان فرمایا تھا کہ جو کوئی ابو سفیان کے گھر میں

داخل ہو جائے گا وہ مامون ہے۔ (بخاری وغیرہ)

وصالِ نبوی کے بعد خلیفۂ رسول اللہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے بھی بنو اُمیہ کا امتیاز و اعزاز ملحوظ رکھا۔ چنانچہ شام کی لشکر کشی میں ابوسفیان رضؓ کے بیٹے یزید کو فوج دے کر صوبۂ دمشق فتح کرنے پر متعین فرمایا۔ ان لڑائیوں میں خود ابوسفیان اور ان کی بیوی ہند اور ان کے دونوں بیٹے یزید اور معاویہ اور ان کی بیٹی تک شریکِ کارزار تھے۔ ان معرکوں میں آل ابوسفیان رضؓ نے بڑے بڑے کارنامے انجام دے کر اپنی گزشتہ کفر پروری اور اسلام دشمنی کی قرار واقعی تلافی کر دی۔

غرض بنو اُمیہ کا خاندان عرب کے اندر ہر دور میں عظمت و ریاست کے لحاظ سے ممتاز رہا۔ شاہانِ بنو اُمیہ کا دار السلطنت دمشق تھا۔ یہ سلاطین خلفائے راشدین رضؓ کی دیکھا دیکھی خلفاء کہلاتے تھے۔ دمشق کی اُموی حکومت قریباً ایک صدی تک قائم رہی۔ شاہانِ اُندلس (اسپین) بھی اسی خاندان سے تھے۔

امیر معاویہ رضؓ

خاندان بنو امیہ کے رُکن رکین، حضرت عثمان رضؓ کے قریبی رشتہ دار اور سلطنت اُموی کے بانیٔ اول امیر ابو عبد الرحمن معاویہ رضؓ جو مسلمانوں کے سب سے پہلے بادشاہ گزرے ہیں بڑے با اقبال حکمران تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابوسفیان صخر رضؓ بن حرب بن اُمیہ بن عبد شمس بن عبد مناف کا سلسلۂ نسب پانچویں پشت پر سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ حضرت معاویہ رضؓ کا دادا حرب وہ امیر المومنین

حضرت عثمان ذوالنورینؓ کا دادا ابوالعاص دونوں حقیقی بھائی تھے۔ امیر معاویہؓ کا ناناہالی شجرہ یہ ہے۔ معاویہ بن ہند بنت عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔ معاویہؓ اور ان کے والدین اور بھائی بہن فتح مکہ کے دن حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔

گو مشرف باسلام ہونے سے پیشتر معاویہؓ کے والد ابوسفیانؓ معاندینِ اسلام کے سرغنہ تھے اور اس لیے قریش مکہ اور مسلمانوں کی مصاف آرائی میں ہمیشہ پیش پیش رہے لیکن قبول اسلام سے پہلے خود معاویہ رضی اللہ عنہ سے اسلام دشمنی کا کوئی ادنیٰ ثبوت نہیں ملتا۔ مشرف باایمان ہونے کے بعد حضرت معاویہؓ حنین اور طائف کے غزوں میں شریک ہوئے۔ حضور سید موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حنین کے مال غنیمت میں سے سو اونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی مرحمت فرمائی تھی۔ اس کے بعد انہیں کتابت وحی کا جلیل القدر منصب بھی عطا ہوا۔ (طبقات ابن سعد و تہذیب الاسماء والصفات)

فصل ۲

لقب، کنیت اور شکل و شباہت

لقب تیسرے خلیفۂ راشد امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان بن ابو العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف کا لقب اس بنا پر ذوالنورین، مشہور ہو گیا تھا کہ یکے بعد دگرے سرورِ دوجہان صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحب زادیاں سیدہ رُقیہ اور سیدہ اُمّ کلثوم سلام اللہ علیہما ان کے حبالۂ نکاح میں آئی تھیں۔ خیثمہ نے فضائل میں اور دار قطنی نے افراد میں روایت کی ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضؓ کے سامنے جناب عثمان بن عفان کا ذکرِ خیر آیا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ آسمان میں بھی ذوالنورین کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں (فتح الباری)

کُنیت زُہری سے منقول ہے کہ حضرت عثمان رضؓ کی کُنیت ابو عبداللہ تھی۔ عبداللہ سیدہ رُقیہ سلام اللہ علیہا بنت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بطن مبارک سے پیدا ہوئے۔ مشہور ہے کہ عبداللہ خورد سالی میں جب کہ ہنوز ان کی عمر چھ ہی سال کی تھی انتقال فرما گئے۔ لیکن

ابن سعد کا بیان ہے کہ وہ ۳ھ میں رحلت فرما ہوئے اور اُن کی والدہ سیدہ رُقیہ رضی اللہ عنہا ان سے دو سال پہلے اُس وقت رہ گزینِ عالمِ جاوداں ہوئی تھیں جب کہ حضور فخرِ کونین علیہ التحیۃ والسلام بدر کے میدان حرب میں کفر سے معرکہ آرا تھے (فتح الباری)

سرکارِ رسالت سے دوہری قرابت

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ عالی نسب، نجیب الطرفین تھے۔ انہیں سرکارِ رسالتؐ کے ساتھ باپ اور ماں دونوں کی طرف سے قرابت داری کا شرف حاصل تھا۔ اِن کا سلسلۂ نسب پانچویں ہی پشت میں فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ مزید براں وہ آپؐ کی پھوپی زاد بہن، اَروی بنت کُریز (بن ربیعہ بن حبیب بن عبد شمس بن عبد مناف) کے فرزند تھے۔ ان کی نانی اُمّ الحکیم بیضا بنت عبد المطّلب حضور خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی پھوپی تھیں جو آپؐ کے والدِ محترم جناب عبد اللہ کے ساتھ توام پیدا ہوئی تھیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ واقعۂ فیل کے چھ سال بعد متولّد ہوئے۔ ہجرتِ نبوی کے وقت عمر کی چھیالیس منزلیں طے کر چکے تھے (ابن سعد وغیرہ) بچپن اور ایامِ رُشد کے حالات پردۂ خفا میں مستور ہیں۔

حُسن و جمال

جناب ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو حُسن و جمال ظاہری سے بھی بہرۂ کامل ملا تھا۔ عبد اللہ بن حزم مازنی کہتے ہیں کہ میری آنکھوں نے کسی مرد یا عورت کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے زیادہ خوب رُو نہیں دیکھا۔ اسی طرح موسٰی بن طلحہ کا قول ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ابنائے زمانہ میں سب سے زیادہ،

حسین تھے (تاریخ الخلفاء)

لوگوں نے اُن کے حُسن وجمال کو اپنے اپنے خیال کے مطابق دنیا کی حسین ترین ہستیوں کے حُسن سے تشبیہ دینے کی کوشش کی ہے۔ صاحبِ روضۃ الاحباب لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا جمالِ صورت ان کے کمالِ سیرت کے ساتھ جمع تھا اور ہیئت بڑی پُر شکوہ تھی۔ باوجودیکہ چہرۂ مبارک پر چیچک کے خفیف سے داغ تھے تاہم حُسن میں اپنی نظیر آپ تھے۔ ایک روایت میں جبریلِ امین علیہ السلام نے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ اگر چاہو کہ تمہاری نظرِ انور کسی ایسے چہرے پر پڑے جو حُسن وجمال میں یوسف علیہ السلام کے مشابہ ہو تو عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان کو دیکھو ؎

یوسفِ ثانی بقولِ مصطفیٰ
بحرِ احسان وحیا کانِ وفا (روضۃ الاحباب)

سیوطی نے جمالِ مبارک کی تعریف میں لکھا ہے کہ جناب ذوالنورین رضی اللہ عنہ حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام اور حضور سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم شکل تھے۔ چنانچہ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی سے فرمایا کہ میں تمہارے شوہر کو تمہارے دادا ابراہیم (علیہ السلام) اور تمہارے باپ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مماثل پاتا ہوں (تاریخ الخلفاء)

حضرت ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا قد میانہ اور ریش مبارک خوب بڑی اور بہت گھنی تھی۔ دانتوں کو جو بہت خوبصورت تھے مضبوطی کے لیے سونے کے

تار سے بندھوا رکھا تھا (تاریخ الخلفاء) کہتے ہیں کہ کبھی سیاہ قمیص اور کبھی مطرف خز پہنتے اور چاندی کی انگوٹھی خنصر میں پہنتے تھے۔ محاسنِ مبارک پر ورس اور زعفران سے خضاب کرتے تھے۔ (روضۃ الاحباب)

نوشت وخواند حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اہلِ عرب کی عام روش کے خلاف نوشت وخواند سے بہرہ مند تھے۔ آغازِ شباب ہی میں اپنے آبائی پیشہ یعنی تجارتی کاروبار میں مشغول ہوگئے اور اپنی راست بازی اور امانت کی بدولت بہت جلد مالدار ہوگئے۔

فصل ۳

قبولِ اسلام

حضرت عثمان رض نے اپنی عمر کی چونتیس منزلیں طے کی تھیں کہ مرغانِ حرم نے توحید کی نغمہ سرائی شروع کی اور رسول ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کی تشنگی سعادت کو سیراب کرنے کے لیے وحیٔ الٰہی سے مؤید ہوئے۔ اس وقت تک بنو ہاشم اور بنو اُمیہ میں جو چشمک اور رقابت چلی آتی تھی وہ کسی، ہاشمی قیادت کو بمشکل قبول کر سکتی تھی۔ اس کے علاوہ جزیرۂ عرب کی عام مذہبی فضا کے لحاظ سے حضرت عثمان رض کے لیے توحید کی دعوت ایک غیر مانوس صدا تھی اس کے باوجود وہ معاً اس دعوت کو لبیک کہنے کے لیے آمادہ ہوگئے۔

اس کی وجہ قبول حق کی فطری استعداد کے علاوہ یہ تھی کہ شام کے سفر میں جب ایک مرتبہ معان اور زرقاء کے درمیان استراحت فرما تھے تو غنودگی کی حالت میں کان میں یہ آواز پڑی کہ سونے والو! اُٹھو اور جلد ہی کرو کہ احمد نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) مکہ میں ظاہر ہوئے ہیں۔" جب مراجعت فرمائے مکہ معظمہ ہوئے تو سنا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لوگوں کو اسلام کی طرف بلا رہے ہیں (ابن سعد)

ایام جاہلیت میں حضرت ابوبکرؓ سے بڑا ارتباط تھا۔ واپسی کے بعد ان سے ملنے کو گئے تو انہوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا تذکرہ کر کے ان کو اسلام کی طرف بلایا۔ حضرت عثمانؓ نے معاً اس دعوت کو بسر و چشم قبول کیا چنانچہ دونوں حضرات بارگاہ نبوت میں حاضر ہونے کے لیے تیار ہوئے۔ اتنے میں خود حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم وہاں قدوم فرما ہوئے اور حضرت عثمان کو دیکھ کر فرمایا عثمان! میں تمام خلق کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوا ہوں۔ خدا کی اس نعمت کو قبول کرو۔" حضرت عثمانؓ نے فی الفور بیعت کی اور حلقہ بگوش اسلام ہو گئے (اصابہ) اب انہوں نے وہ واقعہ حضورؐ کے گوش گزار کیا جو سفر شام میں پیش آیا تھا (ابن سعد)

حضرت عثمانؓ سب سے پہلے اُموی تھے جو اپنی خاندانی مخالفت کی پروا نہ کرتے ہوئے شمع نبوت کے پروانہ بنے اور سابقین اولین کے زمرہ میں داخل ہونے کا شرف سعادت حاصل کیا۔ اس وقت ان کے والد عفان سفر آخرت کر چکے تھے مگر چچا حَکم بن ابو العاص بن اُمیہ زندہ تھا جب اُس نے ان کے قبول اسلام کی خبر سنی تو اس کا دریائے خشم سخت متلاطم ہوا اور وہ طرح طرح کی تہدید و تخویف سے کام لینے لگا۔ اور باوجودیکہ ۳۴ سال کی عمر تھی اور شہر کے سر برآوردہ تاجر تھے، تاہم مغلوب الغضب چچا نے ان کو پکڑ کر رسی سے باندھ دیا اور کہا تو اپنے بزرگوں کے دین سے منحرف ہو گیا ہے۔ بہتر ہی کہ اس نئے مذہب کو چھوڑ دے ورنہ خدا کی قسم تمہیں کبھی نہ کھولوں گا۔"

حضرت عثمانؓ انتہا درجہ کے باادب، حیادار اور بُردبار تھے۔

اس لیے مقابلہ کرنا تو درکنار چچا کے سامنے آنکھ تک نہ اٹھائی اور اس کے تشدد اور سخت گیری کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ آخر جب اس کی ڈانٹ ڈپٹ بہت زیادہ شدت اختیار کر گئی تو اتنا فرمایا کہ واللہ! میرے جسم کے ٹکڑے کر دیے جائیں تو بھی میں اسلام سے کبھی منہ نہ موڑوں گا" ؎

خوباں ہزار۔ و از ہمہ مقصودِ من یکے است
صد پارہ گر کنند بہ تیغم سخن یکے است

حکم ان کی استقامت اور صلابت سے بہت متاثر ہوا اور ان کو آزاد کر دینے کے سوا کوئی چارۂ کار نظر نہ آیا (ابن سعد وغیرہ)

فصل ۴

پیغمبر زادی سے شادی

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں تھیں سیدہ زینب، سیدہ رُقیہ، سیدہ اُمّ کلثوم اور سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہن یہ صاحبزادیاں اپنی والدۂ محترمہ اُمّ المومنین حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کے ساتھ اوائل دعوت ہی میں شرف باسلام ہو چکی تھیں۔ سب سے بڑی صاحبزادی محترمہ زینب سلام اللہ علیہا اپنی خالہ ہالہ بنت خویلد کے فرزند جناب ابو العاصؓ سے بیاہی تھیں۔ منجھلی شاہزادیاں رُقیہ اور اُمّ کلثوم سلام اللہ علیہما آغاز اسلام میں جب کہ ہنوز عقد تزویج کے بارہ میں مسلم اور غیر مسلم کی شرعاً کوئی تمیز نہیں تھی، صغر سنی میں ابولہب کے بیٹوں عُتبہ اور عُتیبہ سے بیاہی گئی تھیں۔

لیکن ابھی سن بلوغ تک پہنچنے اور سسرال جانے کی نوبت نہیں آئی تھی کہ داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو برملا تبلیغ اسلام کا حکم ہوا اور بت پرستی کی مذمت پر قریش آپؐ کے دشمن ہو گئے۔ اس مخالفت میں آپؐ کے چچا ابولہب اور اس کی بیوی نے امتیازی حیثیت حاصل کر لی اس لیے ان

دونوں کی مذمت میں سورۂ لہب نازل ہوئی۔ ابولہب نے ازراہ انتقام جوئی و کینہ پروری اپنے لڑکوں سے کہا کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹیوں کو طلاق دے دو ورنہ تم سے میرا تعلق بالکل منقطع ہے۔ اسی طرح ابولہب کی جورو حمالۃ الحطب نے بھی عتبہ اور عتیبہ پر زور ڈالا کہ وہ اپنی بیویوں کو جو ابھی کم سن ہیں چھوڑ دیں۔ چنانچہ دونوں صاحب زادیوں کو طلاق دے دی گئی (اصابہ وغیرہ)

حضرت عثمان رضؓ اس فارغخلی سے پیشتر مشرف بایمان ہو چکے تھے۔ تھوڑے دنوں کے بعد انہیں وہ سعادتِ کبریٰ نصیب ہوئی جو ان کی دستارِ فضیلت کا درخشاں گوہر ہے یعنی سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی فرزندی میں قبول فرما کر جناب رقیہ سلام اللہ علیہا سے ان کا نکاح کر دیا (ابن سعد وغیرہ)

سیدہ رقیہ رضؓ کے بطن مبارک سے حضرت عثمان رضؓ کے مشکوئے معلٰی میں ایک فرزند گرامی متولد ہوا جس کا نام عبداللہ رکھا گیا۔ اسی عبداللہ کی نسبت سے ان کی کنیت ابوعبداللہ مشہور ہوئی۔ یہ بچہ ابھی چھ ہی سال کا تھا کہ مرغ نے آنکھ میں چونچ ماردی جس سے چہرہ متورم ہو گیا اور وہ اسی صدمہ سے سنہ ۴ھ میں دار الخلد کو چلا گیا (فتح الباری، اصابہ)

فصل ۵

ہجرت

مکہ معظمہ میں اسلام کی روز افزوں ترقی کو دیکھ کر قریش کا طوفانِ معاندت جس شدت سے اٹھ رہا تھا اور اہلِ ایمان جس بے دردی سے مشرکوں کے تیرِ جفا کا نشانہ بنے ہوئے تھے، اُس کی المناک تفصیل کتاب "سیرتِ کبریٰ"[۵] میں جو حضور سرورِ انام صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمری ہے، قارئینِ کرام کے ملاحظہ سے گزری ہوگی۔ حضرت عثمان رضؓ بھی اپنی ذاتی وجاہت اور خاندانی اقتدار کے باوجود اعدائے دین کی ستم رانیوں کا آماج گاہ بنے ہوئے تھے۔ خصوصًا اپنے خویش و اقارب کی طرف سے جور و ستم کا جو سلسلہ جاری تھا جب وہ حدِ برداشت سے بڑھ گیا تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اور دوسرے بلاکشانِ محبتِ ایمانی کو حکم دیا کہ وہ حبشہ چلے جائیں، وہاں کا بادشاہ عادل ہے۔ اُس جگہ ہر طرح سے مامون رہیں گے۔" اس فرمان کے بموجب حضرت عثمان رضؓ نے نبوت کے پانچویں سال ماہِ رجب میں حبشہ کی راہ لی۔ سیدہ رُقیہ سلام اللہ علیہا بھی ساتھ تھیں۔ یہ اظہارِ دعوت کا دوسرا سال تھا۔ (ابن اثیر)

---

۵ یہ کتاب مکتبہ صدیقیہ میں طبع ہو چکی ہے اور مبلغ میں مل سکتی ہے صفحات

ان کی روانگی کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت دن تک ان کا کچھ حال نہ معلوم ہو سکا، اس لیے آپ متفکر اور پریشان خاطر تھے۔ آخر ایک دن ایک عورت مکہ معظمہ آئی جس نے بتایا کہ میں نے دونوں کو فلاں مقام پر جاتے دیکھا تھا یہ سن کر آپ مطمئن ہوئے اور فرمایا کہ عثمان (میری امت میں) سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے اہل و عیال کے ساتھ فی سبیل اللہ ہجرت کی ہے (اصابہ) آپؐ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ عثمان ان لوگوں میں سب سے اول ہیں جنہوں نے لوط علیہ السلام کے بعد اپنے اہل کے ساتھ ہجرت الی اللہ کی (طبرانی فی الکبیر عن انس)

اسلام میں یہ سب سے پہلی ہجرت تھی۔ اس میں امیر معاویہ رضؓ کے حقیقی ماموں حضرت ابوحذیفہ بن عُتبہ بن ربیعہ اُموی، حضرت زُبیر بن عوام حضرت عثمان بن مظعون، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت مصعب بن عُمیر، حضرت ابوسلمہ اور چند دوسرے حضرات بھی ان کے شریک سفر تھے۔ ایک مرتبہ حبشہ میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ قریش رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے حلقۂ اطاعت میں داخل ہو چکے ہیں۔ اس بنا پر یہ مہاجرین عظام جو مرد و زن ملا کر سولہ تھے ماہ شوال میں قریباً تین مہینہ کے بعد مراجعت فرمائے مکہ ہوئے مگر شہر سے باہر ایک مقام پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ اطلاع غلط تھی۔ اس لیے یہ حضرات یا تو مخفی طور پر یا کسی غیر مسلم کی جوار و حمایت حاصل کر کے واردِ مکہ ہوئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سعید بن عاص بن اُمیہ کی جوار میں آئے تھے۔ ابوحذیفہ رضؓ کو اپنے باپ عُتبہ بن ربیعہ کی اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو حضرت خالد سیف اللہ رضی اللہ عنہ کے باپ ولید بن مغیرہ کی حمایت

حاصل ہوئی تھی (ابن اثیر)

مدینہ منورہ کو ہجرت

دوسرے مہاجرین تو موقع پاکر دوبارہ حبشہ چلے گئے۔ لیکن حضرت عثمانؓ یہیں رہ گئے آخر دو ڈھائی سال کے بعد جب حبشہ کی طرف دوسری ہجرت شروع ہوئی تو جناب ذوالنورینؓ اپنی اہلیہ محترمہ کو ساتھ لے کر دوبارہ راہی حبشہ ہوئے اور وہاں کئی سال تک غریب الوطنی کی زندگی بسر کرتے رہے۔ آخر جب سنا کہ سرورِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یثرب کی سرزمین کو اپنے نورِ قدوم سے منور فرمایا ہے تو حبشہ سے فی الفور مدینہ منورہ کی راہ لی۔ حالانکہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء اس کے بعد غزوۂ خیبر تک حبشہ ہی میں قیام فرما رہے تھے۔

حضور سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ پہنچ کر ہر مہاجر کو کسی نہ کسی انصاری کا بھائی بنا دیا تھا۔ جناب عثمانؓ کا رابطۂ اخوت حضرت حسان بن ثابت کے بھائی اُوس بن ثابتؓ کے ساتھ قائم کیا گیا۔ یہ دونوں حضرات انصار کے قبیلہ بنو نجار کے چشم و چراغ تھے۔ جناب ذوالنورینؓ حضرت اُوسؓ ہی کے مکان پر ٹھیرے تھے (ابن سعد)

اس مواخاۃ کے بعد ان دونوں میں جس قدر محبت و یگانگت پیدا ہوئی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سیدنا عثمانؓ کی شہادت پر حضرت حسانؓ نے نہایت پُر درد مرثیہ لکھا اور بقیۃ العمر اس حادثہ پر غم زدہ رہے۔ معلوم نہیں جناب عثمانؓ حضرت اُوسؓ کے مکان پر کتنی مدت رہے۔ ممکن ہے کئی سال تک رہے ہوں کیونکہ حضرت عثمانؓ نے اپنا جو ذاتی مکان بنوایا وہ ہجرت کے

بہت مدت بعد اپنی خلافت میں بنوایا تھا۔ اس مکان کو زَوراء کہتے تھے۔ یہی وہ مکان تھا جس کی چھت پر چڑھ کر مؤذن جمعہ کی پہلی اذان دیا کرتا تھا۔ یہ اتنا عظیم الشان محل تھا کہ مدینۃ الرسول کی کوئی دوسری عمارت عظمت و شان میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔

فصل ۶

چاہِ رُومہ کی خریداری

جب مہاجرین کرام دار الہجرت میں پہنچے تو وہاں انہیں پانی کی بڑی تکلیف برداشت کرنی پڑی کیونکہ شہر بھر میں میٹھے پانی کا صرف ایک کنواں چاہِ رُومہ تھا اور وہ بھی ایک یہودی کے قبضہ میں تھا۔ اس یہودی نے اس کنوئیں کو اپنا ذریعۂ معاش بنا رکھا تھا۔ وہ آب شیریں کے شائقین سے ہمیشہ منہ مانگی قیمت وصول کرتا تھا۔ ذی استطاعت لوگ تو یہودی سے گراں قیمت پر خریدنے کے عادی تھے لیکن غیر مستطیع اور عامۂ مساکین کھاری پانی پر ہی گزارہ کرتے تھے۔ غریب مہاجر ایک تو کھاری پانی پینے کے عادی نہ تھے۔ دوسرے ان میں اتنی استطاعت نہ تھی کہ شہر کے مال دار لوگوں کی طرح روز روز اتنی گراں قیمت پر خرید سکیں یا کسی مسافتِ بعیدہ سے روزانہ میٹھا پانی اٹھا کر لایا کریں

اس لیے ان کی تکلیف سخت پریشانی کا موجب بنی ہوئی تھی۔

جب رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جاں نثاروں کی اس تکلیف کا احساس ہوا تو صحابہ کرام سے فرمایا کہ تم میں کوئی ایسا شخص ہے جو چاہ رومہ کو خرید کر مسلمانوں پر وقف کر دے اور کل قیامت کے دن اس کا بہترین معاوضہ حاصل کرے؟ یہ سن کر حضرت عثمان رض اس یہودی کے پاس گئے اور اس کنوئیں کے لیے بات چیت شروع کی۔ سعی بلیغ کے بعد یہودی فروخت کرنے پر راضی ہوا مگر پورا کنواں بیچنے سے انکار کیا۔ آخر حضرت عثمان رض نے اس کا نصف حصہ بارہ ہزار درہم میں خرید لیا اور باہم یہ طے ہوا کہ ایک دن حضرت عثمان رض کے لیے مخصوص رہے گا اور دوسرے دن یہودی کی باری ہوگی۔

جب حضرت عثمان رض نصف حصہ کے مالک ہو گئے تو ان کی باری کے دن لوگ چاروں طرف سے امنڈ آئے اور ہر شخص اتنا پانی نکال لے گیا جو دو دن کی ضروریات کے لیے کافی تھا۔ اس کے بعد جب یہودی کی باری آئی تو کوئی شخص پانی خریدنے کے لیے نہ آیا۔ اب تو لوگوں کا یہی معمول ہو گیا کہ جس دن حضرت عثمان رض کی باری ہوتی اس روز اتنا پانی بھر کر رکھ لیتے کہ دو دن کے لیے کفایت کرتا تھا۔ جب یہودی نے لوگوں کی یہ بے التفاتی دیکھی اور یقین ہوا کہ اب اس سے کچھ نفع نہ ہو سکے گا تو وہ بقیہ نصف بھی فروخت کرنے پر راضی ہو گیا۔ چنانچہ حضرت عثمان رض نے مزید آٹھ ہزار درہم دے کر پورا کنواں لے لیا اور عام مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔ (استیعاب وغیرہ)

حضرت عثمان رض کا یہ چشمۂ فیض قیامت تک تشنہ لبوں کو سیراب کرتا

رہے گا۔ اِس صدقۂ جاریہ پر حضرت عثمان رض لوگوں کی آنکھوں کا تارا بن گئے اور دارالہجرت میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جو ان کا مدّاح اور ممنونِ احسان نہ ہو چونکہ یہ کنواں مرمت طلب تھا اور مدت مدید سے اس کو صاف بھی نہیں کیا گیا تھا۔ حضرت عثمان رض نے بہت سی مزید رقم خرچ کر کے اس کو مرمت کرایا اور اس کی صفائی کرائی۔ (روضۃ الاحباب)

اوپر لکھا گیا ہے کہ چاہِ رومہ کا مالک ایک یہودی تھا لیکن ایک روایت میں مذکور ہے کہ وہ کسی مسلمان کی مِلک تھا۔ چنانچہ امام بغوی رح الصحابہ میں بشیر اسلمی سے ناقل ہیں کہ جب مہاجرین کرام مدینہ منورہ پہنچے تو وہاں کا پانی ان کو سخت ناگوار ہوا۔ اس وقت وہاں قبیلہ بنو غفار کے ایک آدمی کے پاس ایک چشمہ تھا جسے رومہ کہتے تھے۔ وہ ایک مشک پانی ایک مُد میں دیتا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ اس چشمہ کو چشمۂ جنت کے عوض میں بیچ دو۔ اس نے معذرت کرتے ہوئے یہ التماس کی یارسول اللہ! میرے اہل و عیال کے لیے اس چشمہ کے سوا کوئی ذریعۂ معاش نہیں۔ حضرت عثمان کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے اسے پینتیس ۳۵ ہزار درہم کے عوض میں خرید لیا اور بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر عرض پیرا ہوئے یارسول اللہ! کیا چشمۂ رومہ کے عوض میں میرے لیے بھی چشمۂ جنت کا وعدہ ہے؟ فرمایا ہاں۔ حضرت عثمان رض نے گزارش کی یارسول اللہ! میں اس کو مسلمانوں کے لیے وقف کرتا ہوں۔" علامہ ابن حجر رح فرماتے ہیں احتمال ہے کہ رومہ پہلے چشمہ ہی ہو۔ پھر حضرت عثمان رض نے اس میں کنواں کھدوا دیا ہو یا شاید چشمہ کنوئیں کی طرف جاری ہوا ہو۔ حضرت عثمان رض نے اس کو کشادہ

کرا دیا ہو (فتح الباری جلد ۵ ص ۲۶۵)

لیکن راقم السطور کے نزدیک چاہ رومہ کا کسی مسلمان کی ملک ہونا محل نظر ہے کیونکہ انصار کے قبول اسلام سے پہلے یثرب میں سرے سے کسی مسلمان کا وجود ہی نہ تھا چہ جائیکہ اس کے قبضہ میں کوئی کنواں یا چشمہ ارثاً چلا آتا ہو اور انصار کے مشرف باسلام ہونے کے بعد تو بہت جلد ہجرت کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور یہ بھی کسی طرح قرین قیاس نہیں کہ کسی غفاری مہاجر نے مکی مہاجرین سے پہلے پہنچ کر رومہ خرید لیا ہو۔ پس صحیح اور قرین صواب وہی پہلا بیان ہے جس میں بیر رومہ کا کسی یہودی کی ملک ہونا ظاہر کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

فصل ۷

سیدہ ام کلثوم رضؓ سے عقد مناکحت

جب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے معرکۂ بدر میں جانے کا قصد فرمایا تو اس وقت حضرت رُقیہ بعارضۂ چیچک علیل تھیں۔ اس لیے آپ حضرت عثمان اور حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو ان کی تیمارداری کے لیے پیچھے چھوڑ گئے اور فرمایا تم دونوں کو شرکت جہاد کا اجر اور مالِ غنیمت کا حصہ ملے گا۔ حضرت رُقیہ رضؓ کا یہ مرض در اصل سفر آخرت کا پیغام تھا۔ اس لیے غم گسار شوہر کی

کوئی جدوجہد کامیاب نہ ہوئی اور سیدہ رقیہ رضؓ نے لشکر اسلام کی مراجعت سے پیشتر اپنی جانِ شیریں جہان آفرین کے سپرد کر دی۔ یہ حادثہ ہجرت مدینہ کے سترہ مہینہ بعد رونما ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون (اصابہ وغیرہ) اس وقت سیدہ کی عمر بیس سال کی تھی۔ (فتح الباری)

حضرت عثمان رضؓ نے سیدانام صلی اللہ علیہ وسلم کی مراجعت کا انتظار کیے بغیر محترمہ رقیہ کو سپردِ خاک کر دینا چاہا کیونکہ شریعتِ اسلامی نے تدفینِ میت میں عجلت کرنے کا حکم دیا ہے۔ جب وہ اس مخدومہ جہاں کو دفن کر رہے تھے تو تکبیر کی آواز سنائی دی۔ حضرت عثمان رضؓ نے جناب اسامہ بن زید رضؓ سے فرمایا کہ اٹھ کر معلوم کرو یہ صدائے تکبیر کیسی ہے؟ اسامہ رضی اللہ عنہ آگے بڑھے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ان کے والدِ محترم حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناقہ جدعاء پر سوار آ رہے ہیں۔ حضرت زید رضؓ نے وہاں پہنچ کر فتح بدر کی بشارت سنائی (اصابہ)

سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو مراجعت پر جہاں فتح بدر کی خوشی تھی، وہاں اپنے لختِ جگر کی دائمی مفارقت کا صدمہ بھی تھا۔ آپؐ کی آمد پر جیسا کہ رواج ہے مسلم خواتین حضرت رقیہؓ پر رونے اور بین کرنے لگیں۔ چونکہ آواز سے گریہ وزاری کرنا اور نوحہ اور بین کرنا شرعاً ممنوع ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنی دینی غیرت کے اقتضاء سے کوڑہ لے کر آئے اور انہیں پیٹنا شروع کر دیا۔ لیکن چونکہ یہ تشدد غیر ضروری تھا، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا عمر! ان کو چھوڑ دو اور رونے دو۔ پھر خواتین کی

طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ روؤ مگر شیطانی آواز نہ نکالو۔ اور فرمایا کہ جو گریہ دل اور آنکھوں سے ہو وہ من جانب اللہ اور رحمت ہے اور جو نالہ و شیون زبان اور ہاتھوں سے ہو وہ شیطان کی طرف سے ہے۔"

اس کے بعد آپ حضرت رُقیہ رضؓ کی قبر پر تشریف لے گئے۔ چھوٹی شاہزادی حضرت فاطمہ زہرا رضؓ بھی ساتھ تھیں۔ جناب فاطمہ رضؓ قبر کے کنارے اپنے والد گرامی کے پہلو میں بیٹھ کر ہمشیرہ کے فراق میں رونے لگیں اور دیر تک اشک بار رہیں۔ حضرت سید کونین صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ردائے مبارک سے ان کے آنسو پونچھتے جاتے تھے (ابن سعد)

سورۂ انعام کی ۸۷ ویں آیت میں خدائے عزیز نے حضرات انبیاء علیہم السلام کے آباء کرام اور اولاد اور اخوان یعنی اصول و فروع تینوں کا ذکر شرف و مدح کے محل میں فرمایا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے ہر قسم کا رشتہ باعثِ سعادت تھا۔ خصوصاً سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے اگر کسی کو نسبی یا صہری رشتہ داری کی سعادت حاصل تھی تو وہ اپنی خوش نصیبی پر جتنا بھی ناز و افتخار کرتا کم تھا۔ جناب عثمان رضؓ کو آپؐ سے جو صہری قرابت تھی وہ سیدہ رُقیہ سلام اللہ علیہا کی رحلت پر ٹوٹ گئی۔ اس لیے حضرت عثمان رضؓ ہر وقت افسردہ خاطر رہتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے ازراہِ ہمدردی فرمایا کہ نوشتۂ تقدیر کسی طرح ٹل نہیں سکتا۔ اس لیے اس قدر رنج و غم بے سود ہے۔" حضرت عثمان رضؓ نے فرمایا کہ میں اپنی محرومیٔ قسمت پر جتنا غم کروں کم ہے۔ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن تمام

نسب اور سبب منقطع ہو جائیں گے۔ سوائے اُس قرابت کے جو کسی کی مجھ سے ہو گی۔ پس افسوس ہے کہ اب خاندانِ نبوت سے میری قرابت کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ (کنز العمال)

اس حرمان کے علاوہ حضرت عثمان رضؓ کو غزوۂ بدر میں عدمِ شرکت کا بھی صدمہ تھا لیکن مہربان مربیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو نہ صرف یہ کہ مجاہد کی حیثیت سے بدر کے مالِ غنیمت کا اوروں کے برابر حصہ دیا بلکہ یہ بھی بشارت سنائی کہ اجر و ثواب میں تم دوسروں سے کم نہیں ہو (ابن سعد وغیرہ) اس بہرہ مندی کی یہ وجہ تھی کہ وہ دانستہ پیچھے نہ رہے تھے بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتثالِ امر میں تیمارداری کا ضروری فرض ادا کرنے کے لیے شرکتِ غزوہ سے قاصر رہے۔

سیدِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف حضرت عثمانؓ کے حلم و حیا تقویٰ و طہارت، دینی خدمات اور انفاقِ فی سبیل اللہ وغیرہ خصائلِ عالیہ کے پیشِ نظر ان کو وقعت کی نگاہ سے دیکھتے تھے بلکہ آپؐ اُس شفقت آمیز حُسنِ سلوک کی وجہ سے بھی نہایت خوش تھے جو اُن سے سیدہ رُقیہ سلام اللہ علیہا کی نسبت ظہور میں آیا۔ اس لیے آپؐ نے ربیع الاول ۳ھ میں انہیں مزید الطاف و عنایات سے نوازا یعنی سیدہ اُم کلثوم سلام اللہ علیہا کو ان کے حبالۂ نکاح میں دے کر از سرِ نو خاندانِ نبوت سے ان کا تعلق پیدا کر دیا۔

سیدہ رقیہ کی رحلت پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خواہش تھی کہ وہ اپنی صاحب زادی حضرت حفصہؓ کو جناب عثمانؓ کی زوجیت میں

دیں۔ سرورِ انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی اس خواہش کی اطلاع ہوئی
تو آپ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کیا میں تمہاری بیٹی کے لیے کسی ایسے شخص کی
اطلاع دوں جو عثمانؓ سے افضل ہے اور عثمان کو شادی کرنے کے لیے تم سے
افضل آدمی کی لڑکی کا پتہ دوں؟ انہوں نے التماس کی ہاں یارسول اللہ،
ضرور بتائیے۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم اپنی بیٹی کا عقد مجھ سے کر دو اور میں عثمان کو
اپنی بیٹی بیاہ دیتا ہوں (مستدرکِ حاکم) یہ سن کر حضرت عمرؓ بہت خوش
ہوئے اور حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تجویز مثاقوت سے فعل میں لائی گئی
بعض روایتوں سے ثابت ہے کہ حضرت عثمانؓ سے سیدہ ام کلثوم کی مناکحت
بھی حکمِ خداوندی سے ہوئی تھی۔ چنانچہ حاملِ وحی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت
عثمانؓ سے فرمایا عثمان! یہ جبریل ہیں جنہوں نے آکر مجھے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ
نے اُسی مہر پر جو رقیہؓ کا تھا، اُم کلثوم سے تمہارا نکاح کر دیا ہے (ابن ماجہ)
اور آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے وحیِ آسمانی کے بموجب ام کلثوم کا نکاح
عثمان سے کیا ہے۔ طبرانی فی الکبیر (کنز العمال)

اس عقدِ ازدواج سے حضرت عثمانؓ کا پایۂ عظمت پہلے سے بھی
کہیں زیادہ بلند ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے سوا آج تک کوئی
انسان اس سعادتِ کبریٰ سے بہرہ مند نہیں ہوا تھا کہ کسی نبی کی دو صاحبزادیاں
اس کے عقد میں آئی ہوں ؎

جز او کس را نبوداست این تمامی   نسبت سہیلی
ز پیغمبر دو فرزندِ گرامی

چونکہ حضرت عثمانؓ کو نبوت و رسالت کے شجرۂ مبارکہ کے دو شعبوں سے بہرہ مند ہونے کا شرف نصیب ہوا، اس لیے اُس دن سے ذوالنورین، (دو نور والے) کے لقب سے مشہور ہو گئے۔

گزین خواجۂ کونین بودہ
بداما دیش ذوالنورین بودہ

اور حضرت عثمانؓ صرف عالم ناسوت میں اس لقب سے ممتاز نہیں بلکہ عالمِ ملکوت میں بھی اس کی شہرت ہے۔ چنانچہ خیثمہ نے "فضائل صحابہ" میں روایت کیا ہے کہ حضرت علیؓ سے پوچھا گیا کہ حضرت عثمانؓ کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا کہ وہ ملاء اعلیٰ میں بھی ذوالنورین کے لقب سے مشہور ہیں (اصابہ)

سیدہ اُم کلثوم سلام اللہ علیہا قریباً ساڑھے چھ سال تک حضرت عثمانؓ کی رفاقت و ہم نشینی میں رہ کر شعبان ۹ھ میں دارالخلد کی طرف رحلت فرما ہوئیں۔ ان کے انتقال پر سید انام صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ عثمان کا نکاح کر دو۔ اگر میری کوئی اور لڑکی بھی ہوتی تو میں ضرور عثمان کو دیتا۔ اور میں نے پہلے بھی اپنی دو بیٹیوں کا نکاح حکم الٰہی کے بغیر نہیں کیا تھا" اس حدیث کو طبرانی نے معجم کبیر میں عصمۃ بن مالک سے روایت کیا ہے اور طبرانی کی دوسری روایت میں حضور فخر عالم و عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ سے فرمایا کہ اگر میرے ہاں دس لڑکیاں ہوتیں تو انہیں ... یکے بعد دگرے تمہارے عقد میں دیتا جاتا اور میں تم سے بہت راضی و خوشنود ہوں (کنز العمال)

یہاں ضمناً یہ بتلا دینا ناموزوں نہ ہوگا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحب زادی سیدہ زینب رضؓ ۸ھ میں رحلت فرمائے عالم قدس ہوئیں۔ ام کلثوم رضؓ کے انتقال پر حضرات زہراء بتول سلام اللہ علیہا کے سوا آپ کی کوئی اولاد ذکور و اناث اس عالم فانی میں باقی نہ رہ گئی تھی۔ آخر وہ بھی آفتاب رسالت کے غروب ہونے کے چھ مہینے بعد عازم فردوس ہوگئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

فصل ۸

کتابت وحی

جیسا کہ نبوت کا خاتمہ رہا ہے، پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ناخواندہ تھے۔ لکھنا پڑھنا قطعاً نہ جانتے تھے، اس لیے جب وحیِ متلو یعنی قرآن کا نزول ہوتا تو آپ کسی خواندہ صحابی کو طلب فرما کر اس کو قلم بند کرا دیتے تھے۔ جناب عثمان ذو النورین رضؓ بھی اُن حضرات میں داخل ہیں جن کو وحیِ الٰہی کی کتابت کا شرف و مجد حاصل تھا۔ یہ معلوم نہیں کہ مکہ معظمہ میں کاتبانِ وحی کون کون حضرات تھے۔ ہجرت کے بعد سب سے پہلے جس نے پیش گاہِ نبوی میں کتابتِ وحی کی خدمت انجام دی، وہ حضرت اُبَیّ بن کعب انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ تھے

ان کا معمول تھا کہ اپنے ہر نوشتہ کے آخر میں کتب فلانؓ لکھ دیا کرتے تھے۔

حضرت اُبی بن کعبؓ اُن چھ قاریوں میں سب سے فائق و برتر تھے جنہوں نے عہد نبوی میں قرآن حفظ کر لیا تھا اور ان فقہاء میں بھی داخل تھے جنھیں زمنِ رسالت میں فتویٰ دینے کا شرف حاصل تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں سید الانصار کے لقب سے ممتاز فرمایا تھا۔ جب کبھی حضرت اُبیؓ موجود نہ ہوتے تو سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کو طلب فرماتے اور وہ حاضر ہو کر وحیٔ مبارک کو ضبطِ تحریر میں لاتے۔ کتابتِ وحی کے علاوہ دونوں انصاری بزرگ مراسلات نگاری کی خدمت بھی انجام دیتے تھے۔ آپؐ جب کسی کو کوئی جاگیر یا وظیفہ یا کسی عمل کی اُجرت عطا فرماتے تو انہی دونوں میں سے کوئی ایک بزرگ فرمانِ نبوی کو زیبِ قرطاس کرتا تھا۔

ان دو انصاری بزرگوں کے علاوہ یہ سات حضرات بھی کاتبانِ وحی تھے۔ عثمان، علی، معاویہ، خالد بن سعید، حنظلہ، علاء بن حضرمی، ابان بن سعید رضی اللہ عنہم۔ حنظلہ بن ربیع تمیمی عہد معاویہؓ میں مکہ معظمہ میں چلے آئے تھے اور یہیں انتقال فرمایا۔ علاء حضرمی جن کا نام مبارک عبد اللہ تھا، حضرموت کے رہنے والے تھے۔ حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بحرین کی حکومت پر سرفراز فرمایا تھا۔ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے بھی انھیں بحرین کی حکومت پر بحال رکھا۔ سنہ ۱۴ھ میں رہ گزینِ عالم جاوداں ہوئے

قریش میں سب سے پہلا شخص جس نے پیش گاہِ نبوی میں کتابت کی خدمت انجام دی وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے رضاعی بھائی عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح عامری تھے۔ ان کا نام اُن مہاجرین کے اسماء گرامی میں دکھائی نہیں دیتا جنہوں نے ہجرت نبوی کے ایام میں مکہ مکرمہ کو الوداع کہہ کر مدینۃ الرسول کا راستہ لیا تھا اور نہ یہ معلوم ہو سکا ہے کہ وہ دار الہجرت میں کب پہنچے۔ ان کے قبول اسلام کی کیفیت بھی معلوم نہیں۔ عجب نہیں کہ ان کے دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کے بعد ہی فخر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کتابتِ وحی کی خدمت سپرد فرمائی ہو۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ منورہ میں ورود اور قبولِ اسلام کے بعد بہت جلد وہ منافقینِ مدینہ کے ہتھے چڑھ گئے اور شیطان نے ان پر پنجۂ اغوا مار کر راہِ راست سے پھیر دیا۔

اب انہوں نے یہ حرکت شروع کی کہ کتابتِ وحی میں کچھ جزوی تحریف و تبدیل کر دیتے۔ حاملِ وحی صلی اللہ علیہ وسلم "علیہم الظالمین" لکھواتے تو وہ ازراہِ خیانت و نفاق الکافرین لکھ دیتے۔ سَمِیعٌ عَلِیمٌ کی بجائے غَفُورٌ رَّحِیمٌ املا کرتے۔ آخر وحیٔ الٰہی نے آپؐ کو ان کی اس خیانت پر مطلع کیا۔ اس لیے وہ علانیہ مرتد ہو کر مکہ معظمہ چلے آئے۔ اور قریش سے کہنے لگے کہ میں بھی ویسا ہی کلام پیش کر سکتا ہوں جیسا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ عبد اللہ بن سعد کے متعلق کلام الٰہی کی یہ آیت نازل ہوئی:۔

(ترجمہ) اور اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر افترا پردازی کرے یا دعویٰ کرے کہ میری طرف وحی آئی ہے حالانکہ اُس کی طرف

کچھ بھی وحی نہ آئی ہو اور جو دعویٰ کرے کہ اللہ نے جو کلام نازل کیا ہے ویسا ہی میں بھی اتار سکتا ہوں۔ اور اے رسول! کاش تم ان ظالموں کو اس وقت دیکھو کہ موت کی بے ہوشیوں میں پڑے ہوں اور فرشتے ان کی جان کنی کے لیے ان پر ہاتھ پھیلا رہے ہوں اور آپس میں کہہ رہے ہوں کہ اپنی جانیں نکالو۔ اب تم کو ذلت آفریں عذاب کی سزا دی جائے گی۔ اس لیے کہ تم خدا پر ناحق جھوٹ بولتے اور اس کی آیتوں سے اکڑا کرتے تھے"۔

(۷: ۹۳)

عبداللہ بوجہ ارتداد مستوجب قتل تھے۔ اس لیے فتح مکہ کے دن حضور سید انام صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح جہاں ملے موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے"۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جو اپنے اقربا کی اعانت و ہمدردی میں کوئی ادنیٰ دقیقہ فروگزاشت نہ کرتے تھے جھٹ شفاعت کے لیے کمربستہ ہوئے اور آستانِ نبوت میں حاضر ہو کر منت سماجت کرنے لگے کہ یا رسول اللہ! عبداللہ میرا رضاعی بھائی ہے۔ وہ دوبارہ اسلام میں داخل ہوا ہے اس کو معاف فرما دیا جائے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو معاف فرما دیا۔ اس واقعہ کی تفصیل انشاء اللہ العزیز کتاب "شمائلِ کبریٰ" میں آپ کی نظر سے گزرے گی۔ میرا خیال ہے کہ عبداللہ بن سعد کے فرار و ارتداد کے بعد ہی ان کی جگہ حضرت عثمانؓ کتابتِ وحی کی خدمت پر متعین فرمائے گئے ہوں گے۔

امام احمد نے روایت کی ہے کہ فاطمہ بنتِ عبدالرحمٰن کے چچا نے انھیں ام المومنین حضرت عائشہؓ کے پاس بھیج کر پیغام دیا کہ آپ کا ایک بیٹا آپ کو سلام کہتا ہے اور عثمان بن عفان کی نسبت دریافت کرتا ہے کیونکہ بعض لوگ ان کو گالی دیتے ہیں۔" ام المومنین نے اس کے جواب میں کہلا بھیجا کہ اللہ اُس پر لعنت کرے جو عثمان پر لعنت کرتا ہے۔ عثمانؓ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوتے تھے اور آپؐ نے اپنی پشتِ مبارک مجھ سے لگائی ہوتی تھی۔ ایسی حالت میں جبریلؑ قرآن کی وحی لے کر آتے اور آپ عثمانؓ سے فرماتے عُثَیم لکھو اور عثمانؓ قرآن کی کتابت کرتے۔ اور حاکم نے روایت کی کہ اُم المومنین عائشہؓ نے فرمایا اللہ اُس پر لعنت کرے جو عثمانؓ پر لعنت کرتا ہے میں بعض دفعہ دیکھا کرتی تھی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک ران عثمان پر رکھی ہے۔ ایسی حالت میں آپؐ پر وحی نازل ہوئی اور میں آپؐ کی جبین مبارک سے پسینہ پونچھنے لگی۔ اس کے بعد آپ نے عثمان سے فرمایا، عُثَیم! آیاتِ قرآنی لکھو۔ اور خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اپنے کسی نبی کے ہاں اُس وقت تک اِس منزلت پر نہیں رکھتا جب تک اُس پر کریم و شفیق نہ ہو۔"

معاویہؓ کی کتابتِ وحی

امیر معاویہ رضی بھی فتح مکہ کے سال مشرف باسلام ہونے کے بعد کتابتِ وحی کی سعادت سے بہرہ اندوز ہوئے تھے۔

متذکرہ صدر حضرات کے علاوہ شُرحبیل بن حسنہ اور جُہیم بن صلت

بن مخرمہ مُطّلبی نے بھی کچھ زمانہ پیش گاہِ نبوی میں کتابت کی خدمت انجام دی تھی۔

فصل ۹

غزواتِ نبوی میں شرکت

حضور سیدالعرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جاں نثار رفقا کے ترکِ وطن کے بعد مکی اعداے دین کو چاہیے تھا کہ دس بارہ سال کی ایذا رسانیوں اور کینہ توزیوں کے بعد اب ہی مسلمانوں کا پیچھا چھوڑ دیتے لیکن انہوں نے ہجرت کے بعد بھی اربابِ ایمان کو سکون و اطمینان سے بیٹھنے نہ دیا اور ہمیشہ اس کوشش میں سرگرم رہے کہ ہر ممکن الحصول قوت و جمعیت فراہم کرکے اسلام کا (معاذ اللہ) استیصال کر دیں، چنانچہ اس سلسلہ میں ۲ھ سے فتح مکہ سے پہلے تک برابر رزم و پیکار کا سلسلہ جاری رہا گو حضرت عثمانؓ نے اب تک سپاہیانہ جفاکشی کی زندگی نہیں گزاری تھی اور نہ ایسے کاموں کے لیے پیدا ہوئے تھے، تاہم جہاں تک خدمتِ اسلام اور اپنے آقا پر جاں نثاری و فدویت کا مقتضا تھا اس فداکاری کا پوری طرح حق ادا کیا۔

غزوۂ بدر میں تو جیسا کہ ساتویں فصل میں زیبِ رقم ہوا حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر گوشہ کی علالت کے باعث شریک غزانہ ہو سکے۔ اس کے بعد جس قدر معرکے پیش آئے ان سب میں پامردی اور مردانہ شجاعت کے ساتھ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہے اور ہر موقع پر آپؐ کے دست و بازو ثابت ہوئے۔ البتہ ایک غزوۂ اُحد ایسا تھا جس میں اُن کی وحشتِ دل نے انہیں لغزش میں ڈال دیا تھا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ آغازِ جنگ میں غازیانِ اسلام نے غنیم کو منہزم کر کے میدان سے بھگا دیا اور فاتح لشکر مالِ غنیمت جمع کرنے میں مصروف و منہمک ہو گیا۔ اسی کے ساتھ انصاری نوجوانوں کے اُس دستہ نے جس کو رسولِ انام علیہ التحیہ والسلام نے عقب کی حفاظت پر متعین فرما رکھا تھا یہ ہلاکت آفریں غلطی کی کہ اپنی جگہ چھوڑ کر غنیمت حاصل کرنے والوں میں جا ملا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جو ہنوز سعادتِ اسلام سے بہرہ مند نہ ہوئے تھے بلکہ دشمنانِ دین کے ایک دستۂ فوج کی قیادت کر رہے تھے، مسلمانوں کی اس جنگی فروگزاشت کو بھانپ گئے۔ چنانچہ انہوں نے مَعاً چکر کاٹ کر پیچھے سے مسلمانوں پر اچانک حملہ کر دیا مسلمان جو ہر طرف سے غافل ہو کر ہمہ تن غنیمت جمع کرنے میں مصروف تھے، اس ناگہانی افتاد کو نہ روک سکے۔ اور سخت ابتری اور بے ترتیبی کے ساتھ بھاگنا شروع کیا۔ اس ہلچل میں مشہور ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جامِ شہادت پی لیا۔ اس افواہ نے جاں نثاروں کو اور بھی حواس باختہ کر دیا۔

اسی بدحواسی میں غازیوں کی ایک جماعت نے یہ خیال کر کے کہ آپؐ کی شہادت کے بعد لڑائی کی کامیابی محال ہے، ادھر ادھر منتشر ہونا شروع کر دیا۔ حضرت عثمانؓ بھی ان ہی میں داخل تھے۔

گو یہ ایک اجتہادی خطا تھی، تاہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس غلطی پر ہمیشہ متاسف و نادم رہے۔ آخر ربِ غفور کی شانِ رحمت نے جو ان پر ہر وقت سایہ افگن تھی بڑھ کر اس داغ کوتاہی کو آبِ عفو سے دھو دیا اور ربِ جلیل نے ان کے ساتھ دوسرے نفوسِ قدسیہ کو بھی جو اس کوتاہی میں ان کے شریکِ حال تھے عفوِ عام کی بشارت سنائی۔ چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝	جس دن غزوۂ اُحد میں (اہل ایمان اور کفار کی) دو جماعتیں (ایک دوسری سے) بھڑ گئیں (اور) تم (مسلمانوں) میں سے (بہت) لوگ بھاگ کھڑے ہوئے تو ان کا بھاگنا، کسی سوءِ اعتقاد کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اس کی صرف یہ وجہ ہوئی کہ ان کی ایک غلطی (یعنی حکم رسولؐ سے بے اعتنائی) کے باعث شیطان نے ان کے پاؤں اکھاڑ دیے اور بے شک خدا نے ان کے اس قصور سے درگزر کی۔ بلاشبہ اللہ بخشنے والا بردبار ہے۔

(۳ : ۱۵۵)

اس آیت سے ثابت ہوا کہ غفار الذنوب نے حضرت عثمان رض کی یہ غلطی معاف کر دی اور اس پر قلم عفو پھیر دیا۔ مگر عداوت و کینہ کا یہ کمال ہے کہ شیعہ اب تک ان کو معاف کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اور آج چودہ صدیاں گزرنے پر بھی اعداء کی زبان درازی میں کوئی کمی نہیں آئی۔

جنگِ اُحُد کے اگلے سال غزوہ ذات الرقاع پیش آیا۔ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں بہ نفس نفیس شرکت فرمائی اور جاتے وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں قائم مقامی کا اعزاز بخشتے گئے۔

(ابن سعد)

سنہ ۵ھ میں قریشِ مکہ قبائل عرب اور یہود متفق و متحد ہو کر مدینہ منورہ پر چڑھ آئے۔ حضرت عثمان رض اس تصادم میں برابر دفاع ملی کا فرض ادا کرتے رہے۔ اسی طرح غزوہ خیبر، فتح مکہ، معرکہ حُنین، غزوہ تبوک اور تمام دوسرے معرکوں میں شرف ہم رہی سے سعادت اندوز رہے۔ غزوات کے علاوہ بھی تمام مشاہد میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب و شریکِ حال تھے۔ سنہ ۱۰ھ میں حضور خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری حج کیا جو حجۃ الوداع کے نام سے موسوم ہے۔ حضرت عثمان رض نے اس میں بھی شرفِ شمول حاصل کیا۔

فتح خیبر کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ رض کو جو شریکِ معرکہ تھے جاگیریں عطا فرمائی تھیں۔ حضرت عثمان رض کے حصہ میں بھی ایک قطعہ زمین آیا تھا۔

فصل ۱۰

اہل مکہ کے پاس سفارت

سنہ ۶ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اہل مکہ کے پاس بحیثیت سفیر بھیجے گئے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو وجوہ سہ گانہ کی بنا پر مکہ معظمہ جانے کی آرزو تھی۔ ایک تو وطن مالوف کو چھوڑے چھ سال گزر چکے تھے۔ دوسرے بیت اللہ کی زیارت اور حج یا عمرہ کرنے کا اشتیاق تھا۔ تیسرے آپ بہ نفسِ نفیس وہاں پہنچ کر اُن پس ماندہ مسلمانوں کے زخم ہائے دل پر مرہم تسکین رکھنا چاہتے تھے جو اپنی کمزوری و بے بسی کے باعث اب تک ہجرت نہ کر سکے تھے اور مکہ مکرمہ میں قریشی اعدائے دین کے تیر ستم کھا رہے تھے۔ چنانچہ ان عزائم کو لے کر آپ صحابۂ کرامؓ کے ایک جم غفیر کے ساتھ مدینہ طیبہ سے عازم مکہ ہوئے آپ نے اس خیال سے کہ کفار قریش کو لڑائی کا شبہ نہ ہو حکم دیا کہ کوئی شخص سلاح بند ہو کر نہ چلے۔ جب مدینہ منورہ سے چھ میل کے فاصلہ پر بمقام ذوالحلیفہ پہنچے تو حضرت عمر فاروقؓ نے گزارش کی یا رسول اللہ! دشمن کی سرزمین میں ہمارا اس طرح غیر مسلح جانا قرینِ مصلحت نہیں۔ بہتر ہے کہ ہم مسلح

ہو کر چلیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رائے سے اتفاق کیا اور مدینہ منورہ سے اسلحہ منگوا لیے۔

جب عسفان کی منزل پر پہنچے تو بُسر بن سفیان کعبی نے مکہ سے آکر بیان کیا کہ یا رسول اللہ! قریش کو آپ کا حال معلوم ہو چکا ہے اور انہوں نے ذی طویٰ کے مقام پر جمع ہو کر حلف اٹھایا ہے کہ آپ کو کسی طرح مکہ معظمہ میں قدم نہ رکھنے دیں گے (ابن اثیر)

یہ سن کر آپؐ نے ارادہ کیا کہ اکابر صحابہ میں سے کسی ایسے صاحب کو جو مکہ کے رہنے والے قریشی ہوں اور اہلِ مکہ کی نظر میں صاحب عزت ہوں قریش کے پاس سفیر کی حیثیت سے یہ پیغام دے کر بھیجیں کہ ہم کو لڑنا مقصود نہیں اور اسی کے ساتھ مکہ کے مفلوک الحال مسلمانوں کو بھی تسکین دی جائے چنانچہ آپ نے حضرت عمرؓ کو بلا کر اس خدمت پر مامور فرمانا چاہا۔ جناب فاروقؓ نے التماس کی یا رسول اللہ! حضور کا فرمان سر آنکھوں پر، لیکن گزارش یہ ہے کہ قریش کو مجھ سے خاص طور پر انتہا درجہ کا کینہ و عداوت ہے اور اس وقت حالت یہ ہے کہ میرے اپنے خاندان بنو عدی میں بھی کوئی شخص ایسا نہیں جو میرا حامی و بہی خواہ ہو۔ اس لیے میرے گمان میں عثمانؓ کو اس سفارت پر بھیجنا زیادہ مناسب ہوگا۔ کیونکہ قریش کا سردار ابو سفیان بن حرب ان کا قریبی رشتہ دار ہے اور ان کے دوسرے خویش و اقارب بھی کافی تعداد میں ان کی حمایت کے لیے وہاں موجود ہیں۔

سرورِ انبیاء علیہ التحیہ والسلام نے اس رائے کو پسند فرمایا

اور حضرت عثمان رضؓ کو قریش کے پاس پیغامِ صلح کے لیے اور مکہ کے پس ماندہ مسلمانوں کی تسکین دہی کی غرض سے مکہ جانے کا حکم دیا۔ وہ سوار ہو کر چلے۔ جب مکہ معظمہ پہنچے تو دشمنانِ دین میں سے جو کوئی دیکھتا اُن پر آوازے کستا اور دریدہ دہنی کرتا، چونکہ خطرۂ جان پیدا ہو گیا تھا اس لیے ان کے ایک عم زاد بھائی ابان بن سعیدؓ نے جو ہنوز مشرف باسلام نہ ہوئے تھے، اُن کے پیچھے سوار ہو گئے اور ان کو اپنی پناہ میں لے لیا۔ جب دونوں بیت اللہ شریف کے پاس پہنچے تو ابان نے کہا بھائی! طواف کر لو۔ حضرت عثمان رضؓ جیسے عاشقِ رسول کو بھلا کیوں کر گوارا تھا کہ اپنے آقا کے بغیر تنہا اس سعادت سے بہرہ اندوز ہوتے بولے بھائی! یہ مشکل ہے کیونکہ ہمارے ایک صاحب ہیں۔ ہم ہر بات میں انہی کی پیروی کرتے ہیں اور اپنی مرضی سے کوئی کام نہیں کر سکتے۔" اس کے بعد حضرت عثمان رضؓ اُن تمام بے کس مسلمانوں کے پاس جو قریش کے ستائے ہوئے مکہ میں پڑے تھے فرداً فرداً پہنچے اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچایا۔

اِدھر لشکرِ اسلام میں بعض حضرات آپس میں کہنے لگے کہ ابو عبداللہ (حضرت عثمان رضؓ) کو امن و عافیت کے ساتھ طوافِ کعبہ مبارک ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو فرمایا کہ عثمانؓ زمانہ دراز تک وہاں رہیں تو بھی وہ اُس وقت تک ہرگز طواف نہ کریں گے جب تک میں پہلے نہ کر لوں گا۔" (ازالۃ الخفاء)

قریش نے اس خیال سے حضرت عثمان رضؓ پر سخت نگرانی قائم کر دی،

کہ واپس نہ جانے پائیں۔ جب کئی دن گزر گئے اور سرورِ انام صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی کوئی خبر نہ آئی تو مسلمان سخت متردد ہوئے۔ اسی حالت میں لشکرِ اسلام میں یہ افواہ اڑ گئی کہ حضرت عثمان رضؓ شہید کر دیے گئے۔ سیدِ انام صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کی جو اطلاعیں ملتی تھیں اُن کا ذریعہ وحیِ الٰہی تھا چونکہ اس افواہ کے متعلق آپؐ پر کوئی وحی نازل نہ ہوئی اس لیے حضرت عثمانؓ کے متعلق آپ کو تشویش لاحق ہوئی اور فرمایا کہ اب مجھے ان سے لڑنا حلال ہوا کہ پہل ان کی طرف سے ہوئی ہے۔ چنانچہ آپ نے اپنے جاں نثاروں سے جو تعداد میں چودہ سو تھے ایک درخت کے نیچے مرنے مارنے پر بیعت لی اور حضرت عثمان رضؓ کو اس بیعت میں داخل کرنے کے لیے ان کی طرف سے خود اپنے ایک ہاتھ پر دوسرا دستِ مبارک رکھ کر بیعت لی۔ یہ حضرت عثمانؓ سے کامل محبت اور ان پر وثوق و اعتماد کی انتہا تھی جو ان کے لیے کچھ کم باعثِ فخر و مباہات نہ تھی۔

ایک مرتبہ کسی بدمذہب نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا کہ کیا یہ سچ ہے کہ حضرت عثمان رضؓ نے بیعتِ رضوان نہیں کی تھی؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں۔ مگر عثمان رضؓ اس وقت اللہ اور اس کے رسول کے کام پر گئے ہوئے تھے اس لیے ان کی طرف سے اُس ہاتھ نے قائم مقامی کی جس سے بہتر کوئی دوسرا ہاتھ نہیں (سیر ابن ہشام) سورہ فتح کی اس آیت میں اسی بیعت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:۔

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ   (اے پیغمبر!) جب اہلِ ایمان ایک درخت کے

عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ

نیچے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے تو خدا یقیناً اُن بیعت کرنے والے مومنوں سے خوش ہوا۔

مشرکینِ قریش کو اس بیعت کا علم ہوا تو انہوں نے خوف زدہ ہو کر حضرت عثمانؓ کو آزاد کر دیا اور حضور سیدِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا۔ چنانچہ مشہور معاہدۂ حُدیبیہ اُسی وقت کی یادگار ہے۔

فصل ۱۱

غزوۂ تبوک کی تیاری میں امداد

تبوک، دمشق اور مدینہ منورہ کے مابین نصف مسافت پر ایک مقام ہے۔ غزوۂ تبوک غزواتِ نبوی میں سب سے آخری غزوہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ۹ھ میں چند شامی مدینہ طیبہ آئے اور بیان کیا کہ رُوم کے مسیحی فرماں روا شاہ ہرقل نے عیسائیوں کی بہت بڑی جمعیت مسلمانوں سے لڑنے کے لیے جمع کی ہے۔ اس نے اپنے آدمیوں کو سال بھر کا وظیفہ بھی دے

دیا ہے۔ قبائل بنولخم، جذام، غسان، عاملہ وغیرہ فوج کے ساتھ ہیں۔ مقدمۃ الجیش بلقاء پہنچ چکا ہے اور خود ہرقل حمص میں قیام کرکے افواج کے نام احکام جاری کر رہا ہے۔" یہ سن کر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے تیاری لشکر کا حکم دیا۔

اس غزوہ کو جیش العسرت بھی کہتے ہیں کیونکہ اس وقت سخت بے سروسامانی کا عالم تھا۔ شدت کی گرمی اور بے آبی کا سامنا تھا۔ سفر طویل اور دشمن نہایت قوی تھا۔ مسلمانوں نے بڑی تنگی اور تکلیف اٹھائی۔ یہاں تک کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم حالتِ سفر میں فقدانِ غذا کی وجہ سے درختوں کے پتے کھاتے رہے۔ دس دس آدمیوں کے پاس صرف ایک ایک اونٹ تھا جس پر باری باری سوار ہوتے تھے۔ بعض ایام میں کئی کئی مجاہدین کو صرف ایک ایک کھجور ملتی تھی جس کو باری باری چوستے تھے۔ (تاریخ الخمیر وغیرہ)

حضور سید موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غزوہ کی تیاری کا اُس وقت حکم دیا جب کہ مدینہ منورہ میں باغات کے پھل اور میوے پک کر بالکل تیار ہو گئے تھے اور انصار کو امید تھی کہ عن قریب ان کو فروخت کرکے سال بھر کا سامانِ معیشت فراہم کرلیں گے۔ اور اگر قوت ایمانی کی چشم عتاب مجبور نہ کرتی تو ان میں سے کسی گوارا نہ تھا کہ اپنے پکے ہوئے باغات اور ٹھنڈے سائے چھوڑ کر سخت پریشانی کے عالم اور کڑاکے کی دھوپ میں اتنا طویل اور پُرخطر سفر اختیار کرتے۔ تاہم صحابۂ کرام نے خدمتِ دین

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا جوئی کے مقابلہ میں سب کچھ ہیچ تھا۔

تیس ہزار کا لشکر جرار فراہم ہوا (ابن سعد) لیکن اتنے بڑے لشکر کے لیے سواری اور اسلحہ کا کوئی انتظام نہ تھا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رض کو اعانت کی ترغیب دلائی۔ اکثر جاں نثاروں نے بڑی بڑی رقمیں پیش کیں۔ حضرت عثمان رض نے تہائی فوج کو اپنے خرچ سے آراستہ کیا اور اس اہتمام کے ساتھ کہ اس کے لیے ایک ایک تسمہ تک اپنے سرمایہ سے خریدا۔ (تاریخ ابن عساکر)

اس بیان میں تہائی لشکر کا ذکر ہے لیکن دوسری روایت سے مترشح ہوتا ہے کہ حضرت ذوالنورین رض نے پورے تیس ہزار کے لشکر کی ضروریات کی کفالت فرمائی تھی۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ رح لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یوم الدار (ایام محاصرہ) میں باغیوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ جیش العسرت (غزوۂ تبوک) کی تیاری کے وقت نبی ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کی طرف دیکھ کر فرمایا تھا کہ کون شخص اس کے لیے سامان فراہم کرتا ہے خدا اس کو بخش دے۔" میں نے تمام فائبلوں کو سامان دیا، یہاں تک کہ کسی کو رسی اور مہار تک کی کمی نہ رہی۔ باغیوں نے کہا ہاں درست ہے۔ یہ حدیث احنف بن قیس اور ابو عبدالرحمٰن اور ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن وغیرہم سے مروی ہے۔ اس کے بعض طرق بخاری اور ترمذی میں اور بعض نسائی وغیرہ میں مذکور ہیں۔ (ازالۃ الخفاء)

حضرت ذوالنورین رضؓ نے صرف اس عدیم المثال فیاضی پر اکتفا نہ فرمایا بلکہ اس کے علاوہ ایک ہزار اونٹ مع ساز و سامان، ستر گھوڑے مع ساز و سامان اور زر سرخ کے ہزار دینار نقد بھی پیش کیے حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس امداد سے نہایت درجہ محظوظ ہوئے (مستدرک حاکم) اس حدیث کے راوی عبدالرحمٰن بن سمرہ صحابی رضؓ کا بیان ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حضرت عثمان رضؓ کی لائی ہوئی اشرفیاں گود میں ہیں اور آپ دستِ مبارک سے ان کو اچھالتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ آج کے بعد عثمان رضؓ کو کوئی کام نقصان نہیں دے گا (احمد و ترمذی) یعنی اگر بالفرض آئندہ ان سے کسی معصیت کا صدور ہو بھی جائے گا تو یہ اتنی بڑی نیکی ہے کہ یہ ان کے ہر گناہ کا کفارہ ہو جائے گی۔ یاد رہے کہ عام روایتوں میں ہزار اشرفیوں کا ذکر ہے لیکن محب طبری نے "الریاض النضرہ" میں لکھا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دس ہزار دینار لا حاضر کیے تھے (تاریخ الخمیس)

تیاری کے بعد لشکرِ اسلام کوچ کرتا ہوا تبوک پہنچا۔ لیکن چونکہ قیصر روم آپؐ کو رسول برحق یقین کر چکا تھا اور معترف تھا کہ آپ سے رزم خواہ ہونا مثمر خیر نہ ہوگا، اس لیے مقابلہ پر آنے کی جرأت نہ کی۔ اور یوحنا نام ایک عیسائی حاکم جو ایلہ کا فرماں روا تھا، آپؐ کے تبوک پہنچنے کی خبر سن کر حاضر خدمت ہوا اور تین سو دینار سالانہ جزیہ دینے کا اقرار کر کے آپ سے صلح کر لی۔ (ابن اثیر)

حضرت ذوالنورین رضؓ کی فیاضی اور کرم گستری کا ایک اور واقعہ سنیے۔ ایک مرتبہ تبوک میں گرسنگی اور فاقہ کشی نے لشکرِ اسلام کو سخت پریشان اور بدحواس کر دیا۔ حضرت عثمان رضؓ نے یہ حالت مشاہدہ کی تو گرد و نواح کے دیہات و قصبات میں دوڑے گئے اور سامانِ خوراک خرید کر اپنے آقائے نامدارؐ کے پاس بھیجنا شروع کیا۔ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم نے رسد سے لدے ہوئے اونٹ دیکھ کر فرمایا کہ لو تمہارے لیے بہتر ہی کا سامان ہو گیا۔ چنانچہ اونٹ بٹھائے گئے اور جو سامان اُن پہ لدا تھا اتار اگیا۔ آپؐ نے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر کہا الٰہی میں عثمان سے راضی ہوں تو بھی ان سے راضی ہو جا۔ آپ نے یہ کلمہ تین مرتبہ ارشاد فرمایا۔ پھر صحابہؓ سے فرمایا کہ عثمان رضؓ کے لیے دعا کرو۔ چنانچہ آپ نے اور تمام جاں نثاروں نے ان کے لیے دعا کی۔ (ازالۃ الخفار)

فصل ۱۲

میراثِ نبوی کا مطالبہ کرنے کیلیے امہات المومنین کی نمایندگی

وصال نبوی کے بعد امہات المومنین نے ترکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالبہ کرنے کے لیے جناب ذوالنورین رضہ کو امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا یا بھیجنے کا قصد کیا، چونکہ میراثِ نبوی کے مسئلہ پر ایک غالی فرقہ نے حسب عادت بہت کچھ اودھم مچا رکھا ہے۔ اس لیے یہاں اس کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ قلم بند کیا جاتا ہے۔

اموالِ فے کی تقسیم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر، خیبر اور فدک کی آمدنی بعض مخصوص دینی اغراض کے لیے متعین فرما دی تھی۔ لیکن کہاں کی آمدنی کس غرض کے لیے مخصوص فرمائی گئی اس بارہ میں روایتیں مختلف البیان ہیں۔ چند روایتیں ملاحظہ ہوں:۔

اموال بنو نضیر سے وہ زمین مراد ہے جو ان کی جلاوطنی کے بعد آپ کے ہاتھ لگی تھی۔ آپ اس کی آمدنی میں سے ایک سال کا خرچ ازواج مطہرات

کو دیتے تھے اور باقی آمدنی مصالح مسلمین اور محتاجوں اور مسکینوں پر فی سبیل اللہ خرچ کر دیتے تھے (بخاری و مسلم) فتح خیبر کے بعد مخدوم انام صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو ۳۶ حصوں میں تقسیم فرمایا تھا۔ ۱۸ حصے مہمانوں اور سفارتوں کے اخراجات اور اُن ضروریات کے لیے مخصوص فرمائے جو آپؐ کو لاحق ہوتی تھیں۔ اور باقی ۱۸ حصے مسلمانوں کو عطا کیے جو انہوں نے بقدر حصہ رسدی آپس میں بانٹ لیے۔ انہی میں ایک حصہ عامۃ المسلمین کی طرح سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی تھا (فتوح البلدان) خیبر کے کئی دیہات ایسے بھی تھے جو آپؐ کو بے قتال از روئے صلح حاصل ہوئے تھے جن کو آپ نے اپنے فے اور خالصہ میں شامل فرمایا۔ (اشعۃ اللمعات)

آپؐ نے غزوہ خیبر کے بعد محیصہ بن مسعود انصاری اُوسی رضہ کو دعوت و تبلیغ اسلام کے لیے اہل فدک کے پاس بھیجا۔ فَدَک (بفتحتین) خیبر کے مضافات میں ایک گاؤں ہے۔ اس وقت اہل فدک کا سردار یوشع بن نون نام ایک یہودی تھا۔ یہودانِ فَدَک سعادت ایمانی سے تو بہرہ مند نہ ہوئے البتہ نصف زمین اور نصف نخلستان کی پیش کش پر مصالحت کی خواہش کی جو آپؐ نے منظور فرمالی۔ (فتوح البلدان)

محدث ابو داؤد رحہ نے مالک بن اُوس بن حدثان سے روایت کی کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اموال بنو نضیر اسلامی مہمات و حوائج مثلاً مہمانوں کی ضیافت، ایلچیوں کی مدارات اور اسلحہ اور گھوڑوں کی خریداری کے لیے مخصوص تھے۔ اور فدک کی آمدنی بے خرچ مسافروں کی امداد کے لیے

متعین تھی۔ اور آپ نے خیبر کی آمدنی کے تین حصے کر رکھے تھے۔ دو حصے تو مسلمانوں پر تقسیم کر دیے جاتے اور ایک حصہ آپ کے اہل و عیال کے نفقہ کے لیے مخصوص تھا۔ اہل و عیال کے نفقہ سے جس قدر بچتا آپ اس کو فقرائے مہاجرین میں تقسیم فرما دیتے تھے۔ (مشکوٰۃ مع اشعۃ اللمعات)

بارگاہِ نبوی میں سیدۃ النساء رضؓ کی درخواست

مغیرہ بن شعبہ رضؓ کا بیان ہے کہ حضرت زہراے بتول رضؓ نے اپنے والد گرامی سے درخواست کی کہ آپ فدک کا خالصہ ان کی ملک میں دے دیں اور انہیں بخش دیں لیکن آپؐ نے اس درخواست کو شرفِ قبول نہ بخشا (مشکوٰۃ بحوالہ ابو داؤد) اور آپ اس کی آمدنی بدستور مسافروں کی خبر گیری اور بنو ہاشم کی امداد اور ہاشمی بیواؤں کی تزویج پر خرچ کرتے رہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ یہ فدک حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا خالصہ تھا لیکن ایسا خالصہ جو ذاتی ملک نہیں ہوتا۔ جس طرح اولو الامر کے مصارف کے لیے کوئی جائداد خاص کر دی جاتی ہے کہ اس میں میراث جاری نہیں ہوتی بلکہ اس کے بعد اس کے جانشینِ سلطنت کو تفویض ہوتی ہے۔ اسی طرح فے کی تینوں جائدادیں بھی حاملِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی ملک تھیں جس میں میراث جاری نہیں ہوتی۔

حضرت زہرا رضؓ اور جناب عباس رضؓ بارگاہِ خلافت میں

جب سیدِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے

فدک عطا کرنے کی درخواست مسترد فرمائی تو معلوم ہوتا ہے اس درخواست کے مسترد فرماتے وقت آپ نے اپنی دختر فرخندہ اختر پر یہ حقیقت ظاہر نہ فرمائی ہوگی کہ انبیاء کا ترکہ ورثاء میں تقسیم نہیں ہوتا۔ ورنہ وہ ہمیشہ کے لیے اس کے حصول کا خیال چھوڑ دیتیں۔ سیدہ کو فدک بذریعہ ہبہ تو میسر نہ ہوا لیکن ارتحال نبوی کے بعد انہوں نے ارادہ کیا کہ جو چیز دربار رسالت سے بذریعہ ہبہ حاصل نہ ہو سکی تھی، اب اسے ارثاً حاصل کرلیں۔ چنانچہ امام بخاری رحہ نے بطریق عُروہ ام المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت کی کہ فاطمہ زہرا۔ اور عباس بن عبدالمطلب (رضی اللہ عنہما) خلیفۂ راشد حضرت ابوبکر صدیق رضہ کے دربار میں حاضر ہو کر فدک کی زمین اور خیبر کے دیہات کے طالب ہوئے۔ حضرت خلافت مآب رضہ نے فرمایا کہ میں فَے کا کوئی حصہ کسی کو نہیں دے سکتا کیونکہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بذاتِ خود یہ فرماتے سنا تھا کہ ہم پیغمبر میراث نہیں چھوڑتے اور جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔ البتہ آل محمدؐ اس خالصہ کی آمدنی سے متمتع ہوں گے۔

اس کے بعد امیر المومنین رضؓ نے فرمایا واللہ! مجھے رسول خدا کی قرابت اور خویشی سے صِلہ کرنا اور اس کے حقوق کی نگہداشت، اپنی قرابت کے ساتھ صلہ کرنے کی نسبت کہیں زیادہ محبوب ہے۔ لیکن میں کسی ایسے کام سے دست بردار نہیں ہو سکتا جس پر رسول انام صلی اللہ علیہ وسلم عمل پیرا تھے اور اگر کسی ایسے فعل و عمل کو ترک کروں جو آپ کا معمول بہا تھا تو راہِ حق و صدق سے منحرف ہو جاؤں گا۔"

اور بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الخمس میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آنحضرت کی وفات کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا کہ ان کے والد امجد کی وہ میراث تقسیم کر کے ان کے حوالے کر دیں جو خدائے برتر نے اپنے رسول پر فئے کی تھی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ سیدہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا، جو کچھ ہم چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔" یہ جواب سیدہ کو ناگوار ہوا اور وہ خشمگیں ہو کر واپس آئیں۔"

شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ خاتون جنت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ناراضی کا معاملہ بہت مشکل ہے کیونکہ اگر انہوں نے حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ حدیث نہیں سنی تھی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے سن لینے کے باوجود وہ خشمگیں کیوں ہوئیں؟ لیکن کرمانی شارح بخاری نے لکھا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا غضب محض مقتضائے بشریت پر مبنی تھا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ جب امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سیدہ کی ناراضی کا علم ہوا تو وہ سخت گرمی اور دھوپ میں ان کے درِ اقدس پر گئے اور عذر خواہی کرنے لگے اور خدا کی قسم کھا کر فرمایا کہ مجھے رسول خدا کی قرابت اپنی قرابت سے کہیں زیادہ محبوب ہے لیکن کیا کروں کہ میں نے بذاتِ خود یہ حدیث پیغمبر علیہ السلام کی زبان مبارک سے سنی تھی اور صحابہ اس پر گواہ ہیں۔" یہ سن کر حضرت سیدہ راضی ہو گئیں۔

(اشعۃ اللمعات)

شیعوں کا سوءِ ظن اور اس کا جواب

شیعہ کہتے ہیں کہ ابوبکر نے حضرت فاطمہؓ کی عداوت اور بغض کے باعث ترکۂ نبوی دینے سے انکار کیا۔" شاہ عبدالعزیزؒ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ شیعوں کا گمان کسی طرح صحیح نہیں۔ کیونکہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث تقسیم ہوتی تو ازواجِ مطہرات کو بھی ترکۂ نبوی کا حصہ ملتا اور ابوبکرؓ کی دختر حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ بھی ازواج میں داخل تھیں۔ اگر حضرت صدیقِ اکبرؓ کو سیدۃ النساء سے بغض وعداوت تھی تو انہیں ازواج مطہرات اور ان کے آباء واخوان اور خصوصاً اپنی بیٹی حضرت عائشہؓ سے کیا عداوت تھی کہ سب کو محروم المیراث کر دیا؟ اس کے علاوہ پیغمبر علیہ السلام کا قریباً نصف متروکہ حضرت عباسؓ عم رسولؐ کو پہنچتا تھا اور جناب عباسؓ خلافت صدیقی کے آغاز سے ہمیشہ صدیقِ اکبرؓ کے مشیر و رفیق چلے آتے تھے۔ خلیفۂ راشد نے انہیں کیوں محروم الارث کر دیا؟ (تحفہ)

اس کے بعد شاہ عبدالعزیزؒ لکھتے ہیں کہ جس حدیث نبوی سے حضرت خلافت مآبؓ نے استدلال کیا وہ صرف اہل سنت کی کتابوں میں نہیں بلکہ کتب شیعہ میں بھی موجود ہے۔ چنانچہ محمد بن یعقوب رازی نے کافی میں ابوالبختری سے روایت کی کہ امام ابو عبداللہ جعفر بن محمد صادق علیہ السلام نے فرمایا:۔

ان العلماء ورثۃ   علماء یقیناً پیغمبروں کے وارث ہیں اور

الانبیاء وذلک ان الانبیاء لم یورثوا وفی نسخۃٍ لم یرثوا درھمًا ولا دینارًا وانما اورثوا احادیث من احادیثھم فمن اخذ بشیٔ منھا اخذ بحظٍ وافرٍ

اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء نے کوئی میراث نہیں چھوڑی۔ اور دوسرے نسخہ میں میراث میں درہم و دینار نہیں پائے بلکہ انہوں نے اپنی باتوں میں سے کچھ باتوں کا وارث کیا۔ پس جس نے اُن میں سے کچھ حاصل کیا اُس نے حصۂ کامل پالیا۔

اور کلمہ اِنّمَا باعترافِ شیعہ مفید حصر ہے۔ پس معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام نے علم اور حدیثوں کے سوا کسی کو کوئی میراث نہیں دی۔

اُمّہات المومنین کی غلط فہمی

جس طرح حضرت فاطمہ زہرا رضؓ اس غلط فہمی میں مبتلا تھیں کہ پیغمبروں کی میراث بھی وارثوں میں تقسیم ہونی چاہیے، اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کے سوا تمام امہات المومنین کو بھی یہی گمان تھا کہ وہ ترکۂ نبوی کی حق دار ہیں۔ چنانچہ انہوں نے وصالِ نبوی کے بعد حضرت عثمان ذوالنورین رضؓ کو بلا کر ان سے خواہش کی کہ وہ اُن کی طرف سے جا کر امیر المومنین سے میراثِ نبوی کا مطالبہ کریں۔" لیکن جب ام المومنین حضرت عائشہ رضؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے طالبات میراث سے فرمایا کہ ایسا مطالبہ کرنے سے توبہ کرو کیا تم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے نہیں سنا تھا کہ ہم پیغمبروں کی کوئی میراث نہیں ہوتی۔ جو کچھ ہم چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے؟ یہ سن کر امہات المومنین کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ سب خاموش

ہوگئیں۔ (فتوح البلدان)

شیخ عبدالحق رح لکھتے ہیں کہ اس واقعہ کو بخاری، مسلم، امام مالک اور ابوداؤد نے بھی حضرت صدیقہ رض سے روایت کیا ہے اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر رض نے امہات المومنین کو کہلا بھیجا کہ کیا تم اس مطالبہ میں خدا سے نہیں ڈرتیں؟ کیا تم نے حضرت سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے نہیں سنا تھا کہ ہم پیغمبر میراث نہیں چھوڑتے۔ جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے؟ یہ مال میرے ہاتھ میں ہے۔ میرے مرنے کے بعد اس کے دستِ اختیار میں ہوگا جو میرے بعد والیٔ امر ہوگا (اشعۃ اللمعات)

فدک کے حصۂ نصف کی خریداری

جب حضرت فاروق اعظم رض نے یہود و نصاریٰ کو سرزمین عرب سے خارج کرنے کا قصد فرمایا تو زید بن ثابت انصاری، ابوالہیثم، مالک بن تیہان اور سہل بن ابی حثیمہ انصاری رضی اللہ عنہم کو اس غرض سے فدک بھیجا کہ یہود کے حصہ کی قیمتوں کا اندازہ کریں۔ ان تینوں نے جاکر نہایت عدل وانصاف کے ساتھ ہر چیز کی قیمت لگائی اور واپس آکر امیر المومنین کو اس کی اطلاع دی۔ حضرت عمر رض نے یہ رقم بیت المال سے ادا کردی اور یہود فدک شام کی طرف چلے گئے۔

(فتوح البلدان)

تولیت کی تقسیم سے حضرت فاروقِ اعظم کا انکار

یہود کی علیحدگی کے بعد فدک کی پوری اراضی اسلامی نظم و نسق کے تحت آ گئی۔ حضور سرورِ انام صلی اللہ علیہ وسلم کی جو ملک خالصہ مدینہ منورہ میں تھی یعنی بنو نضیر کی جائداد، حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے دو سال بعد اس کو حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کی تولیت میں دے دیا اور خیبر اور فدک کے املاک اپنے زیر اہتمام رکھے۔ لیکن وہ دونوں اس کے نظم و نسق میں اتحادِ عمل نہ کر سکے اور حضرت عمرؓ سے درخواست کی کہ اس کو تقسیم فرما دیا جائے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں مالک بن اوس بن حدثان سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت عمرؓ کے خادم یرفا نے آ کر خلافت مآب کو اطلاع دی کہ حضرات عثمان بن عفان، عبدالرحمٰن بن عوف، زبیر بن عوام اور سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ عنہم) دروازے پر بیٹھے ہیں اور اندر آنے کی اجازت چاہتے ہیں۔ امیر المومنین نے فرمایا ان کو آنے دو۔ جب یہ پانچوں حضرات امیر المومنین سے مصروفِ گفتگو تھے تو تھوڑی دیر میں یرفا نے آ کر بتایا کہ عباس اور علی (رضی اللہ عنہما) بھی آئے ہیں اور حاضری کا اذن چاہتے ہیں فرمایا ان کو بھی بلا لو۔ یہ دونوں بھی آ کر بیٹھ گئے۔ ان دونوں میں بنو نضیر کی

جائداد کے بارہ میں خصومت و نزاع برپا تھی۔

حضرت عباسؓ کہنے لگے امیر المومنین! میرے اور اس شخص (حضرت علیؓ) کے درمیان فیصلہ کر دیجیے۔" یہ سن کر حضرت عثمانؓ اور دوسرے چاروں بزرگوار معاً بول اٹھے ہاں امیر المومنین! ان کی نزاع کا ضرور فیصلہ فرما دیجیے اور دونوں کو ایک دوسرے سے مخلصی بخشیے۔ حضرت عمرؓ نے پانچوں اکابر سے فرمایا میں آپ حضرات کو اس خدائے عظیم و برتر کی کہ جس کے حکم سے زمین و آسمان برپا ہیں، قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم گروہ انبیاء جو مال چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے؟ پانچوں نے متفق اللفظ ہو کر کہا، ہاں فرمایا تھا۔ اب امیر المومنین نے حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ سے خطاب کر کے فرمایا کہ میں تم دونوں کو بھی خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم نے بھی اس مضمون کی حدیث حامل نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنی تھی؟ ان دونوں نے بھی اس کی تصدیق کی۔

حضرت عمرؓ کہنے لگے کہ سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فَیٔ کی آمدنی میں سے اپنے اہل و عیال کو ایک سال کا نفقہ دیا کرتے تھے اور اس سے جو بچتا تھا اُسے مصارفِ خیر اور مصالح مسلمین پر خرچ کرتے تھے۔ تا زمانِ حیات آپؐ کا یہی معمول رہا۔ آپ کی رحلت کے بعد یہ اموال ابوبکرؓ کی نگرانی میں آئے اور وہ ان کی آمدنی اُنہی امور پر خرچ کرتے رہے جن پر سرور انبیاءؐ انفاق فرماتے تھے۔ یہ جتلا کر حضرت عمرؓ نے جناب علی مرتضیٰ اور عباس رضی اللہ عنہما سے کہا خدا جانتا ہے کہ ابوبکرؓ اس اقدام میں صادق، نیکوکار، تابع حق اور راست رو تھے۔ اس کے بعد خدا نے عزیمہ بنی

ابوبکرؓ کو روضۂ رضوان میں پہنچادیا اور امر خلافت میرے ہاتھ میں آیا۔ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے طریق کار پر عمل پیرا رہا اور خدائے علیم جانتا ہے کہ میں اس امر میں نیکوکار اور پیرو حق تھا۔ دو سال گزرنے پر تم میرے پاس آئے اور دونوں ایک ہی بات پر متفق الرائے تھے۔ میں نے تم دونوں سے کہا کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ہم پیغمبر وارث نہیں چھوڑتے۔ جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔" تو تم نے اس بیان کی پھر تصدیق کی اور جب میں نے تمہاری یہ خواہش معلوم کی کہ یہ اموال تمہارے حوالے کر دوں تو میں نے یہ شرط لگائی کہ تم بھی ان کی آمدنی انہی مصارف میں خرچ کرتے رہو جن پر رسول خدا اور ابوبکرؓ اور میں آج تک خرچ کرتے رہے ہیں۔ اس شرط کو قبول کرو تو بہتر ورنہ اس بارہ میں مجھ سے کوئی گفت وشنید نہ کرو۔ تم دونوں نے یہ شرط منظور کی اور میں نے یہ اموال تمہارے حوالے کر دیے۔ اب تمہاری یہ التماس اور خواہش ہے کہ میں اُس سابق فیصلہ کے خلاف حکم کروں۔ لیکن میں ایسا نہیں کر سکتا۔ اگر تم اس تولیت کے اہتمام وانصرام سے عاجز ہو تو یہ اموال مجھے لوٹا دو۔ میں تمہیں اس مشقت کشی سے کفایت کروں گا۔" (بخاری)

ایک اشکال اور اس کا حل

شیخ عبدالحق رح لکھتے ہیں کہ حدیث لا نورث ماترکناہ صدقۃ اور اموال آں حضرتؐ کا مسلمانوں اور ان کے مصالح میں مشترک ہونا اور ان کا نظم و نسق والی کے ہاتھ میں رہنا صحابہ میں بالکل متفق علیہ تھا یہاں تک کہ حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کو بھی اس سے کلیۃً اتفاق تھا اور یہ کہ ان سہ گانہ امور کی

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ کوئی خصوصیت نہ تھی۔ لیکن یہاں یہ اشکال ہے کہ اگر فاروق اعظمؓ ان اموال کو حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کے سپرد کرنے میں حق بجانب تھے تو انہیں شروع ہی میں ان کی حوالگی میں کیوں نہ دے دیا تھا؟ اس کے بعد شیخ عبدالحقؒ نے خود ہی اس کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابتداءً اس بنا پر کہ دونوں حضرات اس جائداد کو از راہِ تملک طلب کرتے تھے انکار فرمایا تھا اور اس کے بعد تصرف و تولیت کی اسی کیفیت پر سے ان کے حوالے کر دیا جس صورت و کیفیت پر خود خیر الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اس پر تصرف فرماتے تھے۔"

اسی طرح خطابی لکھتے ہیں کہ اس قضیہ میں تھوڑا سا اشکال ہے، وہ یہ کہ جب علی اور عباس رضی اللہ عنہما نے اس جائداد پر اس شرط سے قبضہ کیا جو حضرت خلافت مآبؓ نے پیش کی اور انہوں نے بھی اس حقیقت کا اعتراف کیا کہ آنحضرتؐ کا ترکہ تقسیم نہیں ہو سکتا اور حضرت عثمانؓ اور دوسرے کبار مہاجرین نے بھی اس کی شہادت دی تو پھر ان پر کون سی نئی بات منکشف ہوئی تھی کہ جس کی بنا پر نزاع و خصومت تک نوبت پہنچی؟

اس سوال کے بعد خطابی نے خود ہی اس کی یہ وجہ بتائی ہے کہ دونوں بزرگوں پر تولیت میں شرکت شاق ہوئی۔ اس لیے تقسیم کے طلب گار ہوئے تاکہ ہر کوئی اپنے حصہ کے اندر تدبیر اور تصرف میں مستقل و مستبد رہے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اس بنا پر تقسیم کرنے سے انکار فرمایا کہ مبادا اس پر ملک کا نام جاری ہو جائے۔ کیونکہ تقسیم ہمیشہ املاک میں ہوا کرتی ہے۔ اور اگر تولیت کو تقسیم

کیا جائے تو تداولِ زمان سے اُس پر ہلاک کا گمان ہونے لگتا ہے۔ (اشعة اللمعات)

فصل ۱۳

عہد فاروقی میں امتیازی حیثیت

اوراق سابقہ میں جو کچھ لکھا گیا وہ اُن خدماتِ ملّی کا ایک شمہ ہے جو حضرت عثمان رضؓ نے عہدِ رسالت میں انجام دیں۔ اس سے کسی حد تک یہ حقیقت بھی سامنے آجاتی ہے کہ دین میں ان کا کیا درجہ اور مقام تھا۔ اب یہاں یہ بتلانا مقصود ہے کہ وہ اپنے دونوں پیش رووں یعنی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے دورِ خلافت میں ہر طرح سے ان کے رفیق کار اور مشیر و مددگار تھے اور انہیں شیخین کے بعد تمام دوسرے صحابۂ کرام میں عموماً امتیازی حیثیت حاصل رہی۔

حضرت عمرؓ کو خلیفہ کرنے میں جناب صدّیق اکبرؓ کی تائید؛

شیخین یعنی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی عادت تھی کہ تمام مہماتِ امور میں حضرت عثمان رضؓ

اور دوسرے اکابر صحابہ سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کے لیے اپنی جانشینی کا مسئلہ ایسا مشکل تھا کہ جس کے حل کرنے کے لیے وہ اپنی خلافت کے آخری ایام میں اکثر غلطاں و پیچاں رہتے تھے۔ جناب صدیق اکبرؓ کو یقین تھا کہ امت میں خلافت کا بارِ گراں اٹھانے کی صلاحیت سب سے زیادہ حضرت عمرؓ میں ہے۔ تاہم وفات سے پہلے اکابر صحابہ سے مشورہ کرنا ضروری تھا۔ سب سے پہلے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو بلا کر ان کی رائے دریافت کی۔ انہوں نے کہا کہ عمرؓ کی قابلیت میں کیا کلام ہے لیکن ان کے مزاج میں سختی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ ان کی سختی اس بنا پر ہے کہ میں نرم تھا۔ جب بارِ خلافت اُن کے دوش ہمت پر آ پڑے گا تو لازماً نرم اور حلیم الطبع ہو جائیں گے۔"

اس کے بعد حضرت عثمانؓ کو بلا کر پوچھا۔ انہوں نے فرمایا کہ عمرؓ کا باطن ان کے ظاہر سے اچھا ہے اور انتخاب خلافت کے لیے صحابہ کی جماعت میں ان کا کوئی جواب نہیں۔" یہ سن کر صدیق اکبرؓ نے حضرت عمرؓ کو خلیفہ بنانے کا قطعی فیصلہ کر لیا۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ ہی سے عہد نامۂ خلافت لکھنے کو کہا۔ چنانچہ وہ قلم دوات لے کر آئے۔ فرمایا میری طرف سے وصیت لکھو:

ھذا ما عھد ابوبکر بن ابی قحافۃ الی المسلمین اما بعد فانی قد استخلفت علیکم اتنا لکھوا کر بے ہوش ہو گئے۔ یہ دیکھ کر حضرت عثمانؓ نے اپنی طرف سے یہ الفاظ بڑھا دیے کہ میں عمرؓ کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں کیونکہ حال کی گفتگو سے وہ بھانپ گئے تھے کہ حضرت ابوبکرؓ عمرؓ بن خطاب کو خلیفہ مقرر کرنے والے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو حضرت عثمانؓ سے پوچھا

کہ کیا لکھا؟ انہوں نے پڑھ کر سنایا۔ جناب صدیقِ اکبر رضؓ حضرت عمرؓ کا نام سن کر جو انہوں نے اپنی طرف سے بڑھا دیا تھا بے ساختہ اللہ اکبر پکار اٹھے اور فرمایا عثمان! تم کو خدا جزائے خیر دے۔ (ازالۃ الخفاء)

حضرت عثمان بحیثیت مفتی

حضرت عمر فاروق رضؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں دارالافتاء بھی قائم کیا تھا جس سے یہ غرض تھی کہ ہر کس و ناکس غیر صحیح مسائل بتا کر دین میں رخنہ اندازی نہ کر سکے۔ جناب فاروق اعظم رضؓ نے جن حضرات کو افتاء کی اجازت دی وہ یہ تھے۔ عثمان، علی، عبدالرحمٰن بن عوف، اُبَیّ بن کعب، معاذ بن جبل ابودرداء، زید بن ثابت، ابوہریرہ رضی اللہ عنہم۔ چند اور حضرات بھی تھے۔ ان کے سوا کوئی شخص فتویٰ دینے کا مجاز نہ تھا۔ (ازالۃ الخفاء)

مجلس شوریٰ کی رُکنیت

اسلام میں سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے مجلس شوریٰ قائم کی۔ جب کوئی اہم امر پیش آتا تو ارباب شوریٰ کی مجلس منعقد ہوتی تھی اور کوئی اہم امر اس مجلس کے مشورہ اور اس کی کثرت رائے کے بغیر عمل میں نہیں آتا تھا۔ اس وقت دارالخلافہ مدینہ میں دو جماعتیں ایسی تھیں جو اسلام کی گویا روح رواں تھیں۔ یعنی حضرات مہاجرین و انصار۔ تمام قوم نے ان دونوں کو اپنا پیشوا تسلیم کر لیا تھا۔ اس لیے مجلس شوریٰ بھی انہی دو جماعتوں کے چیدہ چیدہ افراد سے مرکب تھی۔ مجلس شوریٰ کے بہت سے ارکان تھے جن میں زیادہ ممتاز یہ حضرات تھے۔ عثمان۔ علی۔ عبدالرحمٰن بن عوف، اُبی بن کعب۔ زید بن ثابت

اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم (ابن سعد)
ان میں سے پہلے تین مہاجر اور قریشی اور موخر الذکر انصار تھے

قیام بیت المال کا صحیح مشورہ

حضرت عثمان رضہ بحیثیت رکن مجلس شوریٰ جو رائے بھی پیش کیا کرتے تھے وہ صائب ہوتی تھی۔ اپنی خلافت کے تیسرے سال، حضرت عمر رضہ نے جناب ابو ہریرہ رضہ کو بحرین کا حاکم مقرر فرمایا۔ وہ سال تمام میں وہاں سے پانچ لاکھ کی رقم خطیر اپنے ساتھ لائے۔ حضرت عمر رضہ نے مجلس شوریٰ طلب کر کے فرمایا کہ ایک کثیر رقم بحرین سے آئی ہے۔ آپ حضرات صلاح دیں کہ اس رقم کو کیا کریں؟ حضرت علی رضہ نے یہ رائے دی کہ جو رقوم بھی ممالک محروسہ سے آیا کریں ان کو جمع رکھنے کی بجائے سال بہ سال لوگوں میں تقسیم کر دیا کریں۔ حضرت عثمان رضہ نے اس کے خلاف رائے دی اور فرمایا کہ ایک بیت المال تیار کیا جانا چاہیے جس میں تمام فالتو رقوم جمع کر دی جایا کریں جو بوقت ضرورت کام آئیں۔ حضرت عمر رضہ نے اس رائے کو پسند فرمایا اور بیت المال کی بنیاد ڈالی۔ سب سے پہلے مرکز یعنی مدینہ منورہ میں ایک بہت بڑا خزانہ قائم کیا۔ اس کے بعد تمام صوبجات اور صدر مقامات میں بیت المال قائم کیے گئے۔

کارہائے خلافت میں امداد

حضرت عثمان رضہ جناب فاروق اعظم رضہ کے زمانہ خلافت میں تمام ضروریات خلافت میں ان کی معاونت کرتے رہے۔ ایک مرتبہ جناب عمر رضی اللہ عنہ

حضرت عثمان رضؓ اور حضرت علی رضؓ کو اپنے ساتھ اُس مقام پر لے گئے جہاں زکوٰۃ کے اونٹ باندھے جاتے تھے۔ حضرت عثمان رضؓ تو لکھنے کے لیے بیٹھ گئے اور حضرت علی رضؓ لکھوانے کے لیے ان کے پاس کھڑے ہو گئے۔ یہ دونوں سایہ میں تھے۔ لیکن امیر المومنین حضرت عمرؓ دھوپ میں اونٹوں کے بیچ میں کھڑے ہوئے۔ حضرت خلافت مآب رضؓ نے چادر سے اپنا سر ڈھکا تھا۔ آپ اونٹوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان کی رنگت اور ان کے دانت لکھوانے لگے۔ امیر المومنین کو دھوپ کی تکلیف برداشت کرتے دیکھ کر حضرت علی جناب ذوالنورین رضؓ سے کہنے لگے آپ نے قرآن میں شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی کا قول پڑھا ہے یٰۤاَبَتِ اسۡتَاۡجِرۡہُ اِنَّ خَیۡرَ مَنِ اسۡتَاۡجَرۡتَ الۡقَوِیُّ الۡاَمِیۡنُ ۝ (ابا جان! ان کو نوکر رکھ لیجیے کیونکہ بہتر سے بہتر آدمی جو آپ نوکر رکھنا چاہیں وہ ہے جو مضبوط اور امانت دار ہو) اور حضرت عمرؓ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا ھٰذَا الۡقَوِیُّ الۡاَمِیۡنُ (یہ قوی و امین بزرگ ہیں)
(الریاض النضرہ)

امور خلافت میں حضرت عمرؓ کا ہاتھ بٹانے کے لیے جناب ذوالنورین رضی اللہ عنہ ایک اور موقع پر امیر المومنین کے پاس بمقام عالیہ گئے۔ وہاں حضرت عمر رضؓ کی کچھ جائداد تھی۔ جب وہاں پہنچے تو حضرت عمر رضؓ کو وہاں نہ پایا۔ لیکن پھر کیا دیکھتے ہیں کہ کوئی شخص مدینہ طیبہ کی طرف سے دو اونٹ ہانکتا ہوا چلا آرہا ہے۔ اس وقت شدت گرما کا یہ عالم تھا کہ گویا سطح زمین پر آگ بچھی ہوئی تھی۔ حضرت عثمان رضؓ دل میں کہنے لگے کہ اگر یہ شخص ذرا سستا کر ٹھنڈے

وقت میں آتا تو اس کے حق میں بہتر ہوتا۔ جب اونٹ ہانکنے والا ذرا قریب آیا تو حضرت عثمان رضؓ نے اپنے غلام سے فرمایا ذرا دیکھو تو یہ شخص کون ہے؟ غلام نے کہا صرف اتنا معلوم ہو رہا ہے کہ کوئی شخص سر پر چادر لپیٹے اونٹوں کے پیچھے پیدل آرہا ہے۔ پھر جب اونٹ ہانکنے والا اور زیادہ قریب ہوا تو حضرت عثمانؓ نے غلام سے فرمایا اب پہچانو آنے والا کون ہے؟ غلام خلیفۃ المسلمین کو پہچان کر حضرت عثمان سے کہنے لگا کہ یہ تو امیر المومنین ہیں" حضرت عثمانؓ دروازہ سے سر باہر نکال کر دیکھنے لگے اور جوں ہی لو کی لپٹیں آئیں سر اندر کر لیا۔ اتنے میں جناب عمرؓ سامنے آکھڑے ہوئے تو حضرت عثمان رضؓ نے کہا آپ گرمی کی ایسی شدت کے وقت کیوں نکلے؟ فرمایا بیت المال کی یہ دو اونٹنیاں پیچھے رہ گئی تھیں، میں نے چاہا کہ انھیں بھی دوسری اونٹنیوں میں جاکر چھوڑ آؤں، مبادا کہیں گم ہو جائیں اور احکم الحاکمین قیامت کے دن ان کی نسبت مجھ سے باز پرس کرے۔" حضرت عثمان رضؓ نے کہا امیر المومنین! اب آپ سایہ میں آرام کیجیے ہم جاکر ان کو چھوڑ آتے ہیں۔ فرمایا بس سایہ میں تم بیٹھو، مجھے اپنی ذمہ داری کا احساس ہے۔ یہ کہہ کر اونٹنیوں کو ہانک کر آگے لے گئے حضرت عثمان رضؓ نے فرمایا واقعی ہم میں قوی و امین یہی بزرگ ہیں۔ اخرجہ الشافعی فی مسندہ۔ (ازالۃ الخفاء)

فصل ۱۴

حضرت ذوالنورینؓ قبل از خلافت

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایک جمیل الصورت متموّل تاجر تھے۔ نیّر اسلام کے طلوع ہوتے ہی حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی تحریک پر ایمان کا دل آویز چہرہ نظر آیا اور مئے بادۂ ایمان سے مخمور ہوئے۔ ساقیٔ کوثر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی منجھلی صاحب زادی سیدہ رُقیہ سلام اللہ علیہا کو ان کی رفیقۂ حیات بنا دیا تھا۔ اسلام کی ضوء افشانی کے ساتھ ساتھ ہی ارباب شرک کی ظلم و طغیان کی گرج بھی برابر رُو بہ ترقی تھی۔ ان ستم کشیوں نے ترک وطن پر مجبور کیا۔ اس لیے سیدہ رُقیہ کے ہمراہ حبشہ کو ہجرت فرمائی۔ کئی سال کے بعد حبشہ سے مدینہ منورہ وارد ہوئے تو اگلے سال سیدہ رقیہ رحلت گزین عالم جاوداں ہو گئیں۔ شفیق عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دوسرے لختِ جگر سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو ان کے سلک ازدواج میں منسلک فرما دیا۔

حضور سید کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عثمان رضہ کی ذات پر کامل وثوق تھا۔ آپ ان کو بہت محبوب رکھتے اور ان کے جذبۂ شرم و حیا، حلم و وقار، محاسن اخلاق اور حسن عشرت کی وجہ سے ان کا بہت اکرام فرماتے تھے ذوالنورین رضہ نے اسلامی مفاد اور نصرت مسلمین پر دل کھول کر مال خرچ کیا۔ حضرت بشیر دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بھی حضرات ابوبکر، عمر، علی اور بقیہ دس نفوس طاہرہ کی طرح جنت کی بشارت دی اور یہ بھی بارہا جتلا دیا کہ تم عن قریب ظلماً قتل ہو کر شہدائے فی سبیل اللہ کے پاک زمرہ میں داخل ہو گے۔

حضرت عثمان رضہ بھی کاتبان وحی کی مقدس جماعت میں داخل تھے انتہا درجہ کے حلیم اور بدء خلقت سے قلب رقیق لے کر آئے تھے۔ اس لیے غزوات میں دوسرے جلیل القدر صحابہ ابوبکر، عمر، علی، سعد، عبیدہ، طلحہ زبیر، جعفر، خالد بن ولید رضی اللہ عنہم کی حالت کے برخلاف ان کی تلوار کے کہیں جوہر نہ چمکے۔ اسلام سے پہلے اور اس کے بعد نہ کبھی کسی سے مبارزت خواہ ہوئے اور نہ کسی عدوے دین کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔ پیشوائے امت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کسی سریہ کا امیر بنا کر بھی کبھی نہ بھیجا۔ البتہ غزوۂ ذات الرقاع اور غطفان کو جاتے وقت آپ انھیں مدینہ منورہ میں اپنا جانشین بنا گئے تھے۔

صلہ رحمی اور قبیلہ پروری حضرت عثمان رضہ کا خاص شیوہ تھا۔ عامۃ المسلمین پر بالعموم اور خویش و اقارب پر بالخصوص دل کھول کر مال خرچ کرتے تھے

جب رات کو تہجد کے لیے بیدار ہوتے تو ضعیف العمر ہونے کے باوجود اپنے اہل وعیال یا خدّام میں سے کسی کو وضو کرانے کے لیے بیدار نہ کرتے۔ صائم الدہر، قائم اللیل اور کثیر الاحسان تھے۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی حالت میں دنیائے رفتنی وگزشتنی کو الوداع کہا جب کہ آپؐ ان سے بہت خوشنود تھے۔ امت کو حامل نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سو چھیالیس حدیثیں ان کی وساطت سے پہنچی ہیں۔

خلیفۂ ثالث مناسک میں اعلم الصحابہ تھے۔ قرآن پاک کامل طور پر حفظ تھا۔ دوسرے تینوں خلفائے راشدین اور صحابۂ کرام میں سے ہر ایک کے ساتھ مخلصانہ تعلقات قائم تھے۔ ہمسایوں سے نہایت اچھے روابط تھے۔ کوئی ہمسایہ ایسا نہ تھا جو ان کے حسن جوار کا مدّاح نہ ہو۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اگرچہ مذہب کی مجسم تصویر تھے لیکن تارکِ لذات اور زاہد فی الدنیا تھے۔ حضرت عثمان رضؓ ان کے خلاف اچھی غذا کھاتے اور اچھا لباس پہنتے تھے۔ لیکن یہ نہیں کہ امراء اور اہل ثروت کی طرح اچھی غذا کھا کر غافل پڑے رہتے ہوں بلکہ رات بھر اپنے مولائے کریم کے سامنے کھڑے رہتے اور قیام شب میں پورا قرآن ختم کرتے تھے۔ رضی اللہ عنہ۔

فصل ۱۵

مسند نشینیٔ خلافت

حضرت عثمان ذوالنورین رض جناب فاروق اعظم رض کے حادثۂ قتل کے بعد مسند آرائے خلافت ہوئے۔ یہاں شہادتِ فاروقی کے حادثۂ فاجعہ اور حضرت عثمان رض کے واقعاتِ جانشینی قارئینِ کرام کی بصیرت افروزی کے لیے تفصیل سے درج کیے جاتے ہیں:۔

شہادت فی سبیل اللہ کی دعا

حضرت عمر فاروق رض بارگاہِ احد میں دعا کیا کرتے تھے اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِیْ شَهَادَةً فِیْ سَبِیْلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِیْ بِبَلَدِ رَسُوْلِكَ (الٰہی: مجھے شہادت فی سبیل اللہ کی موت نصیب کر اور موت بھی اپنے رسولؐ کے شہر میں دے) یہ دعا ایک پُرخلوص دل کی آواز تھی جو موقفِ اجابت پر پہنچی اور اس نے دونوں پہلوؤں سے شرفِ قبول حاصل کیا۔ شہادت فی سبیل اللہ کا بلند مرتبہ بھی نصیب ہوا اور مدینۃ الرسول خصوصاً جوارِ رسول

علیہ الصلوٰۃ والسلام میں دفن ہونے کی دولتِ جاوید بھی میسّر ہوئی۔

حضرت اَسماءؓ کی تعبیر گوئی

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ امیرالمومنین حضرت عمرؓ نے خطبۂ جمعہ میں فرمایا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ ایک مرغ نے مجھے ناف کے نیچے تین ٹھونگیں ماری ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ میری اجل قریب آپہنچی ہے۔" حضرت صدیق اکبرؓ کی بیوۂ محترمہ اَسماء بنت عُمَیس رضی اللہ عنہ نے اپنے نامور شوہر کے اثرِ صحبت سے تعبیرِ خواب میں اچھی مہارت پیدا کرلی تھی۔ حضرت عمرؓ نے کسی کو ان کے پاس تعبیر گوئی کے لیے بھیجا۔ حضرت اَسماءؓ نے فرمایا جاکر امیرالمومنین سے کہو کہ جو کچھ وصیت کرنا ہو کرلیں۔ اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ آپ کو عجمیوں میں سے کوئی شخص قتل کرے گا۔"

حضرت عمرؓ کی عادت تھی کہ کسی نئے بالغ قیدی کو مدینہ منورہ آنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ جن ایام میں مُغیرہ بن شعبہؓ ان کی طرف سے کوفہ کے عامل تھے، انہوں نے حضرت عمرؓ کو لکھ بھیجا کہ میرا پارسی غلام ابولؤلؤ فیروز بڑا صناع و ہنرمند ہے۔ وہ لوہار بھی ہے، بڑھئی بھی اور نقاش بھی۔ اگر آپ اس کو مدینہ آنے کی اجازت دیں تو لوگوں کو اس کی صنعت کاری سے بڑا فائدہ پہنچے گا۔ حضرت عمرؓ نے اس کو آنے کی اجازت دے دی۔ مغیرہؓ نے اس سے طے کیا کہ مدینہ جاکر جو کماؤ اس میں سے سَو درہم (قریباً تیس روپے) ماہوار مجھے دیا کرنا اس نے یہ خراج منظور کیا۔

قتل کی دھمکی

اس کے بعد ایک مرتبہ حضرت عمرؓ فیروز کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ مجھے لوہے کی ایک میخ تیار کر دو۔ اس نے امیر المومنین سے شکایت کی کہ میرے آقا مغیرہ مجھ سے گراں بار محصول وصول کرتے ہیں۔ آپ اس میں تخفیف کرا دیجیے۔ پوچھا کس قدر وصول کرتے ہیں؟ کہا سو درہم ماہوار۔ پوچھا کیا کیا کام کرتے ہو؟ بولا بڑھئی کا اور لوہار کا کام کرتا ہوں اور چکیاں بناتا ہوں فرمایا تو پھر یہ رقم از روئے انصاف کچھ زیادہ نہیں ہے خصوصاً اس وجہ سے کہ شہر میں تمہارے سوا چکیاں اور کوئی نہیں بناتا اور تم ہر گاہک سے منہ مانگی قیمت وصول کرتے ہو۔

امیر المومنین نے یوں تو فیروز کی بات مسترد فرما دی لیکن دل میں ارادہ کر لیا کہ مغیرہ کو غلام کا خراج کم کر دینے کے لیے لکھیں گے۔ فیروز امیر المومنین کا جواب سن کر بظاہر تو خاموش ہو گیا لیکن اس کا باطن عناد و فساد کا آتش کدہ بن گیا۔ امیر المومنین نے فرمایا تمہارا یہ مقولہ میرے گوش زد ہوا ہے کہ اگر میں چاہوں تو ایسی چکی تیار کر سکتا ہوں جو ہوا سے چل کر آٹا پیسے؟ اس نے کہا بخدا! میں تمہارے لیے ایسی چکی تیار کروں گا جس کی آواز دُور دُور تک سُنی جائے گی۔" امیر المومنین وہاں سے مراجعت فرما ہوئے اور ساتھیوں سے فرمایا اس شخص نے مجھے قتل کی دھمکی دی ہے۔ اس کے بعد ایک دن اس نے لوگوں سے کہا کہ آفاق عالم میں ہر متنفس عمرؓ کے عدل و انصاف کا بہرہ مند ہے

اور اگر کسی پھر عدل فاروقی کا دروازہ بند ہے تو وہ میں ہوں۔ اب وہ شب و روز امیر المومنین کو موت کے گھاٹ اتارنے کے منصوبے سوچتا رہتا تھا۔ (فتح الباری و ازالۃ الخفاء)

فیروز کی دیرینہ عداوت

لیکن صرف یہی ایک معمولی سا ماجرا نہیں تھا جس نے فیروز کو مشتعل کر کے امیر المومنین کی جاں ستانی پر آمادہ کیا بلکہ وہ حقیقت میں امیر المومنین کا ایک پرانا دشمنِ جان تھا جو ان کے خلاف ہر وقت دشمنی پیستا رہتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ شخص نہاوند کا رہنے والا تھا اور نہاوند ہی کے معرکہ میں گرفتار ہوا تھا۔ معرکۂ نہاوند میں ایرانیوں کو قطعی فیصلہ کن شکست ہوئی تھی۔ یہاں تک کہ اس شکست نے ان کے جوشِ انتقام کی آگ کچھ اس طرح ٹھنڈی کی کہ دوبارہ کبھی مشتعل نہ ہو سکی۔ فیروز جب کبھی مدینہ منورہ میں نہاوند کے کسی قیدی کو دیکھتا تھا تو رو کر کہنے لگتا تھا کہ اَکَلَ عُمَرُ کَبِدِی (عمرؓ نے میرا کلیجہ کھا لیا ہے) (ابن خلدون)

دعائے خاتمہ

اس کے بعد حضرت خلافت مآبؓ حج بیت اللہ کے لیے مکہ معظمہ آئے۔ جب یہاں سے مراجعت فرما ہوئے تو مقام محصب میں اپنی چادر سر کے نیچے رکھ کر لیٹ گئے۔ چاند پر نظر جا پڑی۔ اس کے کمالِ حسن اور دل آویزی سے متأثر ہو کر فرمایا کہ ابتداء میں یہ بالکل ضعیف ظاہر ہوا تھا پھر روز بروز بڑھتا گیا یہاں تک کہ کمالِ حسن کو پہنچ گیا۔ پھر کم ہونا شروع ہوگا اور جیسا شروع میں تھا ویسا ہی رہ جائے گا۔

یہی حال تمام مخلوق کا ہے۔ پھر دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی یا الٰہ العالمین!
میری رعایا بہت ہو گئی اور اطراف واکناف میں پھیل گئی۔ مجھے ازراہ نوازش
عاجز و درماندہ ہونے سے پہلے بُلالے۔ (فتح الباری وازالۃ الخفاء)

حادثۂ شہادت جب ہجرت فرمائے مدینہ ہوئے تو ایک دن
لوگوں کو نمازِ صبح کے لیے جگاتے ہوئے مسجد نبوی
کو چلے۔ فیروز مذکور دو دھارا خنجر لے کر مسجد میں پہنچا اور پہلی صف سے آگے
ایک کونے میں چھپ رہا۔ اس وقت مسجد میں بالکل اندھیرا تھا۔ عمرو بن میمون
کا بیان ہے کہ جس روز امیر المومنین پر حملہ ہوا، میں دوسری صف میں ان
کے بالمقابل کھڑا تھا۔ میرے اور امیر المومنین کے درمیان صرف عبد اللہ
بن عباس رض حائل تھے۔ امیر المومنین کا معمول تھا کہ صفوں کے بیچ میں پھرتے
جہاں کہیں خلا وانقطاع دیکھتے کھڑے ہو جاتے اور فرماتے مل جاؤ، برابر ہو جاؤ
جب صفیں درست ہو چکتیں تو آگے بڑھ کر تکبیر تحریمہ کہتے۔ عموماً پہلی رکعت
میں سورۂ یوسف یا سورۂ نحل یا انھی کے برابر کوئی سورت پڑھتے۔

امیر المومنین نے جوں ہی تکبیر اُولیٰ کہہ کر قرأت شروع کی فیروز
نے اچانک گھات سے نکل کر دو دھارا خنجر چلایا اور ان پر چھ وار کیے جن میں
ایک جو سب سے کاری تھا ناف کے نیچے پڑا۔ حضرت عمر رض نے جھٹ حضرت
عبد الرحمن بن عوف رض کا ہاتھ پکڑ کر ان کو آگے کر دیا اور خود زخموں کے صدمہ سے
گر پڑے۔ جو لوگ امیر المومنین کے قریب کھڑے تھے، انہوں نے یہ کیفیت
دیکھی اور جو فاصلہ پر تھے ان کو اس کے سوا کچھ محسوس نہ ہوا کہ امیر المومنین کی آواز

بند ہو گئی ہے یا قراءت جہراً نہیں پڑھ رہے ہیں، اس لیے وہ لوگ سبحان اللہ سبحان اللہ کہنے لگے حضرت عبدالرحمٰن رضؓ نے ایسی حالت میں دو چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھ کر نماز ختم کر دی کہ امیرالمومنین پاس ہی بسمل پڑے تھے۔

حملہ آور کی خودکشی

فیروز نے حملہ کرنے کے بعد نکل بھاگنے کی کوشش کی اور خنجر سے نمازیوں کو گھائل کرتا ہوا صفوں سے نکلا۔ اس نے امیرالمومنین کے علاوہ تیرہ نمازی زخمی کیے جن میں سے سات نے جرعۂ شہادت پی لیا۔ ایک آدمی نے اس کو خنجر بکف بھاگتے دیکھا تو اس کے سر اور چہرہ پر چادر ڈال دی اور چادر کا ایک سرا بغل کے نیچے سے نکال کر اُس کو اپنی طرف کھینچ لیا اور گرا کر دبوچ لیا۔ جب فیروز نے دیکھا کہ گرفتار ہو گیا تو اپنے ہی خنجر سے اپنا کام تمام کر لیا۔

فریضہ صلوٰۃ ادا کرنا

ابھی آفتاب طلوع نہیں ہوا تھا۔ امیرالمومنین سے کہا گیا کہ آپ نے ابھی نماز نہیں پڑھی ہے۔ یہ سن کر متنبہ ہوئے اور فرمایا اسلام میں اُس شخص کا کوئی حصہ نہیں جو نماز نہیں پڑھتا اور اسی حالت میں کہ زخموں سے خون بہہ رہا تھا اور سخت نڈھال تھے نماز ادا کی۔ اس سے فریضہ نماز کی اہمیت پوری طرح ذہن نشین ہو سکتی ہے۔ نماز سے فراغت پا کر حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ سے فرمایا دیکھو کس نے حملہ کیا تھا۔ وہ تحقیق حال کے لیے باہر نکلے اور آکر بتایا کہ حملہ آور مغیرہ بن شعبہ رضؓ کا مجوسی غلام فیروز تھا۔ یہ سن کر امیرالمومنین نے باآواز بلند اللہ اکبر کہا اور فرمایا خدا کا شکر ہے کہ میرا قاتل مسلمان نہیں۔

اور سجدۂ شکر ادا کیا۔

جانبر ہونے سے مایوسی

اس حادثہ پر مدینہ منورہ میں کہرام مچ گیا ہر طرف افسردگی چھاگئی کوئی مومن ایسا نہ تھا جو اس جاں گسل حادثہ پر اندوہ ناک نہ ہو مسلمانوں کو آج تک ایسے جان کاہ ابتلاء سے کبھی سابقہ نہ پڑا تھا۔ کوئی کہتا تھا کہ زندگی کو کوئی خطرہ نہیں۔ ان شاء اللہ بچ جائیں گے۔ کسی کا خیال تھا کہ زخم کاری ہیں ان سے جانبر ہونا مشکل ہے۔

بہر حال امیر المومنین آستانِ خلافت میں پہنچائے گئے اور لوگ عیادت کرنے کے لیے ہر طرف سے اُمنڈ آئے۔ اتنے میں طبیب، جو قبیلہ بنو حرث بن کعب میں سے تھا آپہنچا۔ امیر المومنین کی خواہش پر آپ کو نبیذ (خرما کا شربت) پلایا گیا اور شکم چادر سے کس دیا گیا لیکن نبیذ تمام وکمال زخموں سے بہ نکلا۔ لوگوں نے کہا یہ وہ خون ہے جو شکم میں رہ گیا تھا، اچھا ہوا کہ خارج ہوگیا۔ اس کے بعد طبیب نے دودھ پلوایا۔ وہ بھی زخموں کی راہ سے باہر نکل آیا۔ یہ دیکھ کر سب کو یقین ہوگیا کہ جانبر نہ ہوسکیں گے۔ چونکہ طبیب بھی ان کی زندگی سے مایوس ہوچکا تھا اس نے یہ رائے دی کہ وصیّت کر دیجیے فرمایا میں اس کام سے پہلے ہی فارغ ہو چکا ہوں۔"

امام مجروح رض اس وقت سخت نزار و نڈھال تھے۔ چونکہ سفرِ آخرت کا قطعی یقین تھا، اپنے فرزند گرامی جناب عبداللہ رض سے فرمایا کہ ام المومنین جناب عائشہ رض کی خدمت میں حاضر ہو کر میری طرف سے کہو کہ عمر رض

سلام کہتا ہے۔ اور فرمایا کہ میرا نام لیتے وقت مجھے امیر المومنین کے لقب سے یاد نہ کرنا کیونکہ اب میں امیر المومنین نہیں ہوں اور عرض کرنا کہ عمر بن خطاب نے التماس کی ہے کہ اگر کوئی حرج کی بات اور مرضی مبارک کے خلاف نہ ہو تو میری آرزو ہے کہ میں اپنے دونوں صاحبوں کے ساتھ آپ کے حجرہ میں دفن کیے جانے کی سعادت حاصل کروں " اور اگر یہ ام المومنین کے طبع مبارک کے خلاف ہو تو پھر مجھے بقیع میں سپرد خاک کر دینا جہاں بہت سے صحابہ اور امہات المومنین بھی مدفون ہیں، جو عمرؓ سے افضل و برتر ہیں۔

مرقدِ نبوی میں دفن ہونے کی آرزو

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ام المومنین رضی کے در اقدس پر حاضر ہو کر السلام علیکم کہا اور حاضری کی اجازت مانگی اور جب اجازت ملی تو اندر گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ام المومنین اشک بار ہیں۔ جناب عبداللہؓ نے گزارش کی اُم المومنین! میرے پدر بزرگوار عمر بن خطاب رضی نے آپ سے یہ التجا کی ہے۔" ام المومنین نے فرمایا میں نے اس تختہ جنت کو اپنے لیے مخصوص کر رکھا تھا لیکن آج میں تمہارے والد کو اپنے اوپر ترجیح دیتی ہوں۔" جب عبداللہ جواب باصواب لے کر گھر پہنچے تو لوگوں نے ان کو آتے دیکھ کر کہا کہ عبداللہ آگئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا مجھے اٹھاؤ۔ ایک آدمی نے سہارا دے کر بٹھا دیا۔ اور صاحب زادہ سے فرمایا کیا خبر لائے؟ انہوں نے کہا جو آپ چاہتے تھے۔" یہ سن کر الحمد للہ کہا اور

فرمایا کہ یہی سب سے بڑی آرزو تھی۔"

اس کے بعد فرمایا کہ جب میں اس سرائے فانی سے رحلت کروں تو میری نعش اٹھا کر ام المومنین کے پاس لے جانا اور دوبارہ کہنا کہ عمرؓ مرقد نبوی میں دفن ہونے کی اجازت مانگتا ہے۔ اگر وہ اجازت دیں تو مجھے مقبرۂ نبوی میں سپرد خاک کرنا ورنہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دینا۔ اتنے میں حضرت عمرؓ کی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہؓ خواتین کی ایک جماعت کے ساتھ آئیں۔ ان کو آتے دیکھ کر تمام مرد اٹھ گئے۔ ام المومنینؓ اپنے والد محترم کے پاس بیٹھی اشک بار تھیں۔ ابھی تھوڑی ہی دیر وہاں ٹھیری تھیں کہ کچھ آدمی عیادت کے لیے آگئے اور اندر آنے کی اجازت مانگی۔ ام المومنینؓ ایک کوٹھڑی میں چلی گئیں۔ ان کے رونے کی آواز کوٹھری میں سے آرہی تھی (ازالۃ الخفا)

زائرین کی طرف سے مدح و تحسین

جب سے امیر المومنین مجروح تھے، زائرین کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ لوگ آآکر مدح و توصیف کرتے اور بعض کہتے امیر المومنین آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت اور سبقتِ اسلام کی سعادت نصیب ہوئی۔ حالتِ اسلام میں بڑے بڑے حسنات و مبرات آپ سے ظہور میں آئے۔ پھر خلیفہ ہوئے اور عدل کیا۔ پھر شہادت کا مرتبہ پایا۔ ان سب امور کی آپ کو مبارک ہو۔ بعض کہتے تھے امیر المومنین! آپ نے رعایا برایا کے ساتھ تعلیماتِ قرآنی کی

مطابق برتاؤ کیا اور اتباع سنت سے سر مُو انحراف نہ کیا۔ خدائے قدوس آپ کو اس کا بہترین صلہ عطا فرمائے گا۔" آپ فرماتے ہیں چاہتا ہوں کہ میں نجات پا جاؤں خدائے آمرزگار مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم کرے۔

جانشین مقرر کرنے کی درخواست

جب حضرت عمرؓ مجروح پڑے تھے تو صحابہ کرام اور دوسرے حضرات نے باصرار التجا کی امیر المومنین! کیا اچھا ہو کہ آپ کسی کو اپنا جانشین نامزد فرما جائیں فرمایا اگر ابو عُبَیدہ بن الجراحؓ قید حیات میں ہوتے تو میں ان کو عنان خلافت سونپ جاتا کیونکہ حضور سرورِ انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا تھا کہ ابو عُبَیدہ اس امت کے امین ہیں۔ یا اگر آج ابو حُذَیفہ کے حریت یافتہ غلام سالمؓ زندہ ہوتے تو پھر ان کو منصبِ خلافت تفویض کرتا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ سالم اللہ تعالیٰ کی محبت میں بہت قوی ہیں کسی نے التماس کی آپ اپنے فرزند جلیل عبد اللہ کو اپنا جانشین مقرر فرما دیں لیکن حضرت عمرؓ نے اس ترغیب و تحریک کا جو طویل جواب دیا اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ میں اپنے خاندان کے کسی شخص کو منصب خلافت پر متمکن کرنا نہیں چاہتا (ابن اثیر)

اس وقت خلیفہ نامزد کرنے یا نہ کرنے سے متعلق دو راہیں حضرت فاروقِ اعظمؓ کے سامنے تھیں۔ ایک سنتِ نبویؐ اور دوسری روشِ صدیقی۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ یا اہل بیت میں سے کسی کے لیے خلافت

کی وصیت نہ فرمائی تھی۔ لیکن حضرتِ ابو بکر رضؓ جناب فاروق اعظم رضؓ کو خلیفہ نامزد فرما گئے تھے۔ اسی معنیٰ میں حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر میں کسی کو خلیفہ بنا جاؤں تو مجھ سے بہتر شخص (حضرت ابو بکرؓ) اپنا جانشین مقرر کر گئے تھے اور اگر کسی کو خلیفہ نہ کروں تو بھی مضائقہ نہیں کیونکہ مجھ سے بہتر و برتر ہستی (یعنی حضرت فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم) نے کسی کو خلیفہ منتخب نہ فرمایا تھا۔ یہ جواب سن کر لوگ چلے آئے (ابن اثیر)

تقررِ خلیفہ کی درخواستِ ثانی

کچھ دیر بعد صحابہ کرام رضؓ اور دوسرے حضرات تعینِ خلیفہ کی مکرر درخواست لے کر حاضرِ خدمت ہوئے۔ حضرت خلافت مآبؓ نے فرمایا کہ تم لوگ اُن حضرات کو اختیار کرو جن کے قطعی جنتی ہونے کی بشارت مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔ اور وہ یہ ہیں علی، عثمان، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، زبیر بن عوّام، طلحہ بن عبید اللہ (رضی اللہ عنہم) ان چھ میں سے جس کو چاہو اپنا امام و خلیفہ منتخب کر لو۔ سعید بن زید بن نفیل بھی حضراتِ عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں لیکن میں ان کو خلیفہ بنانے کی رائے نہیں دیتا۔ (ابن جریر طبری و ابن اثیر)

حضرت عمرؓ نے جناب سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی خلافت کو ناپسند فرمایا۔ اس کا سبب، اہلیت و صلاحیت کا فقدان نہ تھا بلکہ یہ وجہ تھی کہ وہ ان کے خاندان کے ایک رُکنِ رکین اور نہایت قریبی رشتہ دار ہونے کے علاوہ ان کے بہنوئی بھی تھے۔ اس کے بعد حضرت فاروق اعظم رضؓ نے فرمایا کہ

علیؓ اور عثمانؓ عبد مناف کی اولاد ہیں۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور سعد بن ابی وقاص رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدۂ محترمہ کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ زبیر بن عوّام حضورِ انورؐ کے حواری اور پھوپی زاد بھائی ہیں۔ اور طلحہ رضؓ بن عبید اللہ بھی منصبِ خلافت کے ہر طرح سے اہل ہیں۔ ان چھ حضرات میں سے جس بزرگ کو پسند کرو، اُس کو منتخب کر لینا۔ لیکن جس کو اپنا والی بناؤ اس کے وفادار، اطاعت شعار اور ہر طرح سے معاون رہنا۔ (ابن جریر طبری وابن اثیر)

خمسۂ مُبشّرہ کو وصیت

اگلے دن جب سپیدۂ صبح نمودار ہوا تو امیر المومنینؓ نے حضرات عثمان، علی، عبدالرحمٰن اور زبیر رضی اللہ عنہم کو بلا بھیجا۔ اس وقت حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ شہر سے باہر کہیں سفر میں تھے۔ جب پانچوں حضرات تشریف فرما ہوئے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم لوگ امت کے سردار اور مسلمانوں کے قائد ہو۔ امرِ خلافت تم ہی سے وابستہ ہے۔ کیونکہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ایسی حالت میں دنیا سے رخصت ہوئے تھے کہ آپ حضرات سے پوری طرح راضی اور خوشنود تھے۔ جب میں سفرِ آخرت اختیار کروں تو تم لوگ تین دن تک انتخاب خلیفہ کے بارہ میں غور و خوض کرنا اور باہمی مشاورت سے کام لینا لیکن چوتھا دن ایسا نہ آنا چاہیے جس میں تمہارے اوپر کوئی والی نہ ہو۔ انتخاب خلیفہ تک عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نماز پڑھاتے رہیں۔"

تقررِ خلیفہ کی نسبت مزید ہدایات

اس کے بعد حضرت فاروقِ اعظم رضؓ نے فرمایا کہ عبداللہ بن عمرؓ بھی مشورہ دینے کے لیے تم میں موجود رہیں گے لیکن ان کو خلافت کا استحقاق نہیں۔ طلحہؓ بھی تمہارے شریک کار ہیں اگر وہ تین دن تک آجائیں تو ان کو مشورہ میں شریک کرلینا ورنہ خود ہی تصفیہ کرلینا۔ لیکن کیا کوئی اس صورت میں طلحہؓ کی طرف سے اس بات کی ہامی بھر سکتا ہے کہ ان کو تمہارا فیصلہ منظور ہوگا؟ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ان شاء اللہ طلحہ رضؓ ہمارے فیصلہ کی مخالفت نہیں کریں گے۔" حضرت عمرؓ نے کہا ہاں مجھے بھی ان سے یہی امید ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ میرا گمان ہے کہ تم لوگ علی یا عثمان (رضی اللہ عنہما) میں سے کسی ایک کو والی بناؤ گے۔ پس اگر عثمان رضؓ منتخب ہوئے تو یہ ایک حلیم الطبع نیک دل آدمی ہیں اور اگر علی رضؓ منتخب ہوئے تو گو مذاق و مزاح[1] ان کی عادت ہے مگر یہ اس لائق ہیں کہ لوگوں کو حق وصدق کی راہ پر چلائیں۔ اور اگر سعد کو خلیفہ منتخب کرو تو وہ بھی ہر طرح سے اس کے اہل ہیں۔ اور اگر قرعہ انتخاب سعد رضؓ کے نام پر نہ پڑے تو جو والی مقرر ہو وہ ان سے

---

[1] حضرت علی رضؓ کی عادت مزاق کے متعلق ابوذر غفاری رضؓ کا یہ مقولہ مشہور ہے:- هٰذا الذی اَخّرَكَ الی الرابعۃ یعنی اسی عادت مذاق نے آپ کو خلافت میں چوتھے درجہ پر پہنچایا ۱۲

نظامِ حکومت میں مدد دے سکتا ہے۔ اور یاد رہے کہ میں نے سعد کو کسی کمزوری کی بنا پر معزول نہیں کیا تھا۔ اور تمہارے اندر عبدالرحمٰن بن عوف اعلیٰ درجہ کے مدبر اور صائب الرائے بزرگ ہیں اس لیے میری وصیت یہ ہے کہ انتخابِ خلیفہ کی نسبت سب حضرات ان کی رائے پر عمل پیرا ہوں (ابن جریر طبری و ابن اثیر)

اتحاد و اتفاق کی تلقین

جناب فاروق اعظمؓ کرامتِ مرحومہ کے حال پر کس درجہ شفقت تھی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ آپ دمِ واپسیں بھی جب کہ زخموں سے نڈھال اور خونی پوشش میں لپٹے تھے، صحابہ کرامؓ کو اتحاد و اتفاق کی تلقین فرماتے گئے اس سلسلہ میں حضراتِ خمسہ سے فرمایا کہ اتحاد کی حبلِ متین کو ہاتھ سے نہ چھوڑنا اور خلافت کی گتھی کو رواداری اور مصالحت کوشی کے ہاتھوں سے سلجھانا۔ اور فرمایا مجھے اس بات کا خوف نہیں کہ انتخابِ خلیفہ کے بارہ میں لوگ باہم منازعت کریں گے بلکہ یہ کھٹکا ہے کہ خود تمہارا اختلاف لوگوں میں پھوٹ نہ ڈال دے"۔

ابو طلحہؓ انصاری کو وصیت

جب یہ پانچوں حضرات وہاں سے لوٹے تو حضرت عمرؓ نے ابو طلحہ انصاری سے فرمایا ابو طلحہ! اللہ تعالیٰ نے اپنے دینِ متین کو تم انصار کی بدولت عزت بخشی۔ اب تم یہ کام کرنا کہ میرے بعد انصار میں سے ایسے پچاس حضرات کو منتخب کرنا جو ارکانِ شوریٰ پر مسلط رہ کر اس وقت تک برابر مصر رہیں جب تک یہ اپنے میں سے ایک آدمی کو اپنا والی نہ بنالیں۔ اور مقداد بن اسود

صحابی سے فرمایا کہ جب مجھے گنجِ لحد کے سپرد کر چکو تو تمہارا یہ فرض ہوگا کہ انتخاب خلیفہ کے لیے ان چھ ممتاز ہستیوں کو ایک مکان میں جمع کرنا۔ اور صہیبؓ سے فرمایا کہ میری نماز جنازہ تم پڑھانا اور چھ حضرات کو ایک مقام پر جمع کرنے میں مقداد کی مدد کرنا۔ پھر اگر گفتگو کے بعد پانچ حضرات اتفاق کریں اور ایک اختلاف کرے تو اس ایک کا سر تلوار سے اُڑا دینا اور اگر چار متفق اور دو مختلف ہوں تو دو کو خنجر خونخوار کے حوالے کرنا۔ اور اگر دونوں طرف تین تین ہو جائیں تو عبداللہ بن عمرؓ کو حَکَم ٹھیرانا۔ اور اگر وہ عبداللہؓ کے فیصلہ سے انحراف کریں تو اس فریق کا ساتھ دینا جس میں عبدالرحمٰن بن عوفؓ ہوں اور باقیوں کو موت کے گھاٹ اُتار دینا۔ (ابن جریر طبری و ابن اثیر)

ظاہر ہے کہ حضرت فاروقِ اعظمؓ کا یہ پُر جلال اور قہر آلود فرمان محض شفقت علی الامۃ پر مبنی تھا اور اس سے محض یہ تنبیہ مقصود تھی کہ حضرات اہل شوریٰ کم از کم اس زجر و توبیخ ہی کے پیش نظر اختلاف و انشقاق سے بچیں اور آشتی و مسالمت کو اپنا شعار بنائیں۔ ورنہ ان چھ بزرگانِ ملّت کی شانِ گرامی اس سے کہیں ارفع تھی کہ ان کی نسبت اس قسم کے سخت الفاظ استعمال کیے جاتے خصوصاً صہیبؓ بے چارہ کی کیا مجال تھی کہ آسمانِ ملت کے ان درخشاں کواکب کی نسبت سوءِ ادب کا خیال تک دل میں لاتے۔

ابتہال و تضرع رحلت سے کچھ دیر پہلے حضرت فاروقِ اعظمؓ نے اپنا سر مبارک مٹی پر رکھ دیا تاکہ خدائے ارحم الراحمین اُمّ نہ پر

رحم کرے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اگر وہ تمام اشیا جن پر آفتاب طلوع ہوا، میرے قبضہ میں ہوں تو اُن کو اہوالِ آخرت کا فدیہ بنا دوں۔ پھر ایسی حالت میں کہ سر مبارک عبد اللہ رضؓ کی گود میں تھا دمِ واپسیں از راہِ انکسار یہ شعر پڑھا ؎

ظلوم لنفسی غیر انی مسلم
اُصلی الصلوٰۃ کلھا واصوم

میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے۔ ہاں اتنی بات ہے کہ میں مسلمان
ہوں اور صوم وصلوٰۃ کا پابند ہوں

اس کے بعد ذکر الٰہی شروع کر دیا اور تین دن تک مجروح رہ کر یکم محرم ۲۴ھ کو کلمۂ شہادت پڑھتے پڑھتے ریاض فردوس کا راستہ لیا اور اپنے رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔ ان کی خلافت دس سال چھ مہینے اور چار دن رہی۔ (ابن اثیر)

عیدِ باباشجاع الدین

چونکہ ابولولؤ فیروز مجوسی نے حضرت عمرؓ کو جرعۂ شہادت پلا کر شیعوں کی نظر میں بڑا شجاعت کا کارنامہ انجام دیا تھا، اس لیے وہ اُسے شجاع الدین کے لقب سے یاد کرتے ہیں اور احمد بن اسحٰق نام ایک شیعی سب سے پہلا شخص تھا جس نے یہ عید احداث کی تھی اور شیعی عوام نے اس کے نقش قدم پر چلنا شروع کر دیا تھا ایک زمانہ کے بعد شیعوں نے اس عید کو ائمہ کی طرف منسوب کرنا شروع کر دیا حالانکہ یہ دن فی الحقیقت آتش پرستوں کی عید کا دن ہے جنھوں نے ایک مجوسی کے ہاتھ سے امیر المومنین حضرت عمرؓ کے قتل کیے جانے کی خبر سن کر بڑی فرحت وشادمانی منائی تھی اور اس دن کا نام یوم مفاخرت اور روز تسلیہ

رکھا تھا کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں سے اُن پر اور ان کے دین پر اور ان کی دولت و سلطنت پر جو کچھ گزری تھی، وہ محتاج تصریح نہیں۔ مجوس نے یہ عید ۹ ربیع الاول کو اس لیے مقرر کی تھی کہ حضرت فاروق اعظم رض کے قتل کی خبر ان کو اسی دن منقح ہوئی تھی۔ ورنہ حضرت عمر رض بالاتفاق ۲۸ ذی الحجہ کو شہید اور غرہ محرم کو دفن ہوئے تھے۔ اگر بفرض محال ائمہ نے یہ عید منائی ہوتی تو انہیں تاریخ بدلنے کی کوئی ضرورت نہ تھی اور خود شیعہ اس بات کے معترف ہیں کہ یہ عید احمد بن اسحق کی ایجاد ہے (تحفہ)

امیر المومنین کی تدفین اور مسجد نبوی میں صحابہ کرام کا اجتماع

تجہیز و تکفین کے بعد لوگوں نے حضرت علی رض اور حضرت عثمان رض سے درخواست کی کہ آپ دونوں میں سے کوئی صاحب نماز جنازہ پڑھا دیں۔ لیکن حضرت عبد الرحمن بن عوف رض نے فرمایا کہ حسب وصیت صہیب رض نماز پڑھائیں گے۔ نماز جنازہ کے بعد حضرت عبد اللہ بن عمر رض صہیب رض اور اہل شوریٰ کے ساتھ قبر میں اُترے اور انہیں حجرہ عائشہ رض میں اپنے محبوب آقا حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں جہاں کی تدفین کے لیے اُم المومنین سے اجازت لے رکھی تھی، سپرد خاک کیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جب حضرت فاروق اعظم رض کنج لحد میں آسودہ ہو چکے تو حضرت مقداد بن اسود رض نے پانچوں حضرات کو جناب مسور بن مخرمہ انصاری رض کے گھر میں

جمع کیا۔ جب گفتگو کے لیے ایک جگہ بیٹھ گئے تو ابو طلحہ انصاری رض ان کی نگرانی اور چوکی داری کے لیے کھڑے ہو گئے۔ (ابن جریر طبری و ابن کثیر)

اختلافِ رائے

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رض اس وقت تک مراجعت فرمانہ ہوئے تھے۔ ابو طلحہ انصاری رض نے کہا حضرت عمر رض دنیا سے رخصت ہوتے وقت سخت تاکید کرتے گئے ہیں کہ تین دن کے اندر انتخاب خلیفہ کا مسئلہ طے ہو جانا چاہیے۔ چنانچہ یہ مسئلہ پیش ہوا اور دو دن تک زیر بحث رہا لیکن کچھ فیصلہ نہ ہوا۔ تیسرے دن نماز صبح کے بعد جناب عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) نے تمام ممتاز مہاجرین و انصار اور سرداران لشکر کو بلا بھیجا۔ سب لوگ مسجد نبوی میں جمع ہو گئے۔ جناب عبداللہ رض نے فرمایا حضرات سب لوگ یہ جاننے کے خواہشمند ہیں کہ آئندہ ان کا امیر کون ہو گا؟ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے جو عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں دیکھا کہ متواتر دو دن کی بحث و تمحیص بھی کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکی تو جناب عبداللہ رض سے فرمایا کہ تم بھی تو خلافت کے اہل ہو۔ عبداللہ رض نے فرمایا نہیں میرے سوا کسی اور کا نام لیجیے۔ عمار بن یاسر رض بول اٹھے کہ اگر آپ حضرات کی یہ خواہش ہے کہ مسلمان باہم مختلف نہ ہوں تو علی رض کے ہاتھ پر بیعت کر لو۔" مقداد بن اسود رض بولے عمار رض نے سچ کہا اگر علی رض سے بیعت کی جائے تو ہم ہر طرح سے اطاعت شعار ہیں۔"

یہ دیکھ کر حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے رضاعی بھائی عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے کہا نہیں۔ اگر یہ چاہتے ہو کہ قریش میں پھوٹ نہ پڑے تو عثمان رض سے بیعت کر لو۔ عبداللہ بن ابی ربیعہ نے اس کی تائید کی

اور کہا واقعی عثمان رضؓ کو امیر بنایا جائے تو ہم سَمِعنَا وَ اَطَعنَا کہتے ہیں۔ یہ سن کر عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح بہت خوش ہوئے اور کہا امت کی بہتری اسی میں ہے کہ عثمان رضؓ کو والی بنایا جائے۔ حضرت عمار بن یاسر رضؓ نے عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح کو ڈانٹ کر کہا تم کب سے مسلمانوں کے ناصح مشفق بنے ہو؟ اب بنو ہاشم حضرت علی رضؓ کی اور بنو امیہ حضرت عثمان رضؓ کی تائید کرنے لگے۔ جناب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضؓ سے کہا کہ قبل اس کے کہ لوگ فتنہ میں پڑیں تم اپنی صواب دید کے موافق اس قضیہ کا فیصلہ کر دو اس کے بعد مجلس برخاست ہوئی۔ (طبری و ابن اثیر)

اور دوسری روایت میں ہے کہ اختلاف رائے کو دیکھ کر اہل شوریٰ نے بالاتفاق حضرت عبد الرحمٰن رضؓ سے درخواست کی اور ان کو اختیار دیا کہ پوری تحقیق و تفتیش کر کے جس کو مناسب سمجھیں خلیفہ منتخب کر دیں۔ (البدایہ والنہایہ)

خُتَنَین کی نسبت حضرت عبد الرحمٰن رضؓ کے صلاح مشورے

حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اس معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لینے کے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا۔ اب انہوں نے خُتَنَین یعنی حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے بارہ میں لوگوں سے صلاح مشورے کرنے شروع کیے۔ جہاں جاتے، سِرًّا و جہرًا لوگوں کی رائے معلوم کرتے یہاں تک کہ پردہ نشین خواتین سے ان کے

گھروں میں جا کر اور بچوں تک سے مکتبوں میں پہنچ کر مشورہ لیا۔ جو سوار کہیں باہر سے آتے تھے، یا اہل دیہات جو وارد مدینہ ہوتے تھے اُن سے بھی پوچھتے رہے۔ ان تین دن میں عمار بن یاسر اور مقداد بن اسود رضی اللہ عنہما کے سوا جنھوں نے حضرت علی رض کے حق میں رائے دی تھی جناب عبدالرحمٰن کو کوئی شخص ایسا نہ ملا جس نے خلافت کے لیے حضرت عثمان رض کو دوسروں پر ترجیح نہ دی ہو۔ اس مدت میں حضرت عبدالرحمٰن کی آنکھیں شب و روز نیند کے نام سے بالکل ناآشنا رہیں ان تین دنوں اور راتوں میں حضرت عبدالرحمٰن رض نے نماز دعا، استخارہ اور لوگوں کے آراء معلوم کرنے کے سوا کوئی کام نہ کیا۔

حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ سے استفسار

غرض جب دیکھا کہ دو افراد عمار اور مقداد رضی اللہ عنہما اور ہاشمیوں کے سوا ساری قوم خلافت عثمانی کی متمنی ہے تو حضرت عمرؓ کی وفات کے چوتھے دن اپنے بھانجے حضرت مسور بن مخرمہ رض کے مکان پر پہنچے اور فرمایا مسور! تم سو رہے ہو لیکن خدائے علیم جانتا ہے کہ میں تین دن سے ساری ساری رات آنکھوں میں کاٹ رہا ہوں۔ جاؤ جا کر علی رض اور عثمان رض کو بلا لاؤ۔ پوچھا پہلے کس کے پاس جاؤں؟ فرمایا جس کے پاس چاہو جاؤ۔

مسور رض پہلے حضرت علی رض کے پاس گئے اور ملاقات کر کے کہا مجھے میرے ماموں صاحب آپ کو یاد فرماتے ہیں۔ پوچھا کیا میری طرح کسی اور کو بھی بلا بھیجا ہے؟ مسور نے کہا ہاں عثمان رض کو بھی طلب فرمایا ہے۔ پوچھا ابتدا

کس سے کی ہے؟ کہا مجھے اول و آخر کا کوئی حکم نہیں دیا بلکہ یہ فرمایا ہے کہ دونوں کو بلالاؤ۔ حضرت علی رضہ مسوّر رضہ کے ساتھ ہولیے۔ اس کے بعد مسوّر رضہ نے حضرت عثمان رضہ کو بلا کر ساتھ لیا۔ مسوّر کہتے ہیں ان دونوں بزرگواروں کو ساتھ لے کر ماموں کے پاس پہنچا۔ وہ ان کو دیکھ کر بولے میں نے آپ حضرات کے متعلق لوگوں کی رائے معلوم کی ہے۔ میں نے کوئی ایسا شخص نہیں پایا جو کسی کو آپ دونوں کے مساوی الحیثیت قرار دیتا ہو۔ (البدایہ والنہایہ یعنی تاریخ ابن کثیر رح)

اس کے بعد حضرت علی رضہ سے کہا کہ اگر میں آپ کے ہاتھ پر بیعت نہ کروں تو پھر آپ کے نزدیک خلیفہ بنانے کے لائق کون ہے؟ فرمایا عثمان رضہ۔ جناب عبدالرحمٰن رضہ نے حضرت علی مرتضیٰ رضہ کو رخصت کیا اور حضرت عثمان رضہ سے پوچھا اگر میں آپ کو خلیفہ نہ بناؤں تو پھر آپ کے خیال میں کون صاحب خلافت کے لیے زیادہ موزوں ہیں؟ فرمایا علی رضہ۔ پھر ان کو بھی رخصت کیا اور حضرت زبیر رضہ کو بلا کر کہا اگر میں آپ کو خلیفہ نہ بناؤں تو پھر کس کے ہاتھ پر بیعت کرنا مناسب ہوگا؟ کہا عثمان رضہ کے ہاتھ پر۔ پھر حضرت سعد بن ابی وقاص رضہ کو طلب فرمایا اور ان سے کہا کہ آپ اور میں تو خلافت کے متمنی نہیں۔ ایسی حالت میں آپ کس صاحب کو خلافت کا اہل سمجھتے ہیں؟ کہا عثمان کو۔ انھوں نے حضرت سعد رضہ کو بھی رخصت کیا۔ (ابن جریر طبری)

حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کا عہد و پیمان

دوسری روایت میں ہے کہ اس اثناء میں

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ بھی سفر سے واپس آ گئے۔ ان کی آمد کے بعد حضرت عبد الرحمٰن رضؓ نے یہ تحریک کی کہ چھ میں سے تین افراد دوسرے تین حضرات کے حق میں دست بردار ہو جائیں۔ چنانچہ زبیرؓ نے اپنا حق علی مرتضیٰ رضؓ کو اور طلحہ رضؓ نے حضرت عثمان رضؓ کو سپرد کر دیا۔ اور جناب سعد بن ابی وقاص رضؓ حضرت عبد الرحمٰن رضؓ کے حق میں دست بردار ہو گئے۔ اب پیچھے تین حضرات رہ گئے۔ علی، عثمان اور عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہم۔ حضرت عبد الرحمٰن نے کہا میں اپنا حق چھوڑتا ہوں۔ پھر حضرت علی رضؓ اور حضرت عثمان رضؓ سے عہد لیا کہ اگر ہم کو خلافت سپرد کی گئی تو عدل کریں گے اور اگر ہمارے سوا کسی دوسرے کو والی بنایا گیا تو اس کی اطاعت کریں گے۔ دونوں نے اقرار کیا اور حضرت عبد الرحمٰن رضؓ نے دونوں کو رخصت کیا۔ (البدایہ والنہایہ)

معلوم ہوتا ہے کہ جناب عبد الرحمٰن رضؓ نے کسی دوسرے وقت حضرت علی رضؓ اور حضرت عثمان رضؓ کو دوبارہ بلا بھیجا اور حضرت علیؓ سے کہا کیا آپ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور سنتِ شیخین کی پابندی کا عہد کرتے ہیں؟ جناب علی مرتضیٰ رضؓ نے فرمایا میں اپنی جہد اور طاقت بھر اس کا عہد کرتا ہوں۔ اس کے بعد حضرت عثمان رضؓ سے پوچھا کہ کیا آپ بھی کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عمل ابو بکر و عمر (رضی اللہ عنہما) پر عمل پیرا رہنے کا عہد کرتے ہیں؟ فرمایا ہاں! اس کے بعد عبد الرحمٰن رضؓ نے حضرت علی رضؓ اور حضرت عثمان رضؓ سے کہا کہ آپ دونوں انتخاب کا فیصلہ میرے ہاتھ میں دے دیں، جس کو مناسب خیال کروں خلیفہ نامزد کر دوں۔

دونوں نے اس پر رضامندی ظاہر کی۔ جناب عبدالرحمن رضؓ نے ان سے درخواست کی کہ آپ دونوں حضرات مسجد کو تشریف لے چلیں۔ اب حضرت عبدالرحمن جناب علی مرتضیٰ رضؓ کو ساتھ لیے مسجد نبوی کو چلے۔ حضرت عثمان رضؓ انتہا درجہ کے شرمیلے اور حیادار تھے۔ انھوں نے یہ سمجھ کر کہ مجھے مؤخر کر دیا ہے حیاءً پیچھے پیچھے رہے (ابن جریر و ابن اثیر)

انعقادِ خلافت

مسجد میں پہنچ کر حضرت عبدالرحمن رضؓ نے اعیانِ مہاجرین و عمایدِ انصار کو بلا بھیجا۔ سب کے سب جمع ہو گئے۔ دوسرے لوگوں نے بھی اس کثرت سے ہجوم کیا کہ مسجد نبوی وسعت کے باوجود تنگ ہو گئی۔ اب نماز ظہر کا وقت ہو گیا تھا۔ اس کے لیے اذان دی گئی اور حضرت صُہیبؓ نے نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد عبدالرحمن رضؓ اٹھ کر منبر کی طرف بڑھے۔ اس وقت انھوں نے وہ عمامہ مبارک زیب سر کر رکھا تھا جو انھیں فخر دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا تھا اور تلوار حمائل تھی۔ حضرت عبدالرحمن رضؓ منبر پر چڑھے اور بہت دیر تک چپ چاپ کھڑے دعا مانگتے رہے۔ اس کے بعد ایک مختصر مگر نہایت مؤثر خطبہ دے کر فرمایا کہ میں آپ لوگوں سے سراً وجہراً تمھارے امام کی نسبت دریافت کرتا رہا۔ آخر اس فیصلہ پر پہنچا کہ علی اور عثمان (رضی اللہ عنہما) کو تمام دوسروں پر ترجیح حاصل ہے اور واقعی یہی دونوں اس وقت امت کی ممتاز ترین ہستیاں ہیں۔ پھر میں نے اس بارہ میں بھی لوگوں سے مشورے کیے اور بہت کچھ غور کیا کہ ان دو برگزیدگانِ ملت میں سے کون صاحب قابلِ ترجیح ہیں۔ پس میں

دیکھتا ہوں کہ کثرت رائے عثمان رض کے ساتھ ہے۔ یہ کہہ کر حضرت عثمان رض کو اپنے پاس بلایا اور اُن کا ہاتھ پکڑ کر اپنا سر مبارک سقف مسجد کی طرف اٹھایا اور کہا الٰہی! سُن لے اور اس بات کا گواہ رہ کہ جو کچھ میری گردن میں تھا وہ میں نے عثمان رض کی گردن میں ڈالا۔ اور حضرت عثمان رض کے ہاتھ پر بیعت کر کے منبر پر بیٹھ گئے۔ اس وقت حضرت عبد الرحمٰن رض منبر کے اُس مقام پر بیٹھے تھے جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھا کرتے تھے اور حضرت عثمان رض ان سے نیچے منبر کے دوسرے درجہ پر تشریف فرما تھے۔ اب لوگ چاروں طرف سے ہجوم کر کے حضرت عثمان رض کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے (ابن جریر طبری، ابن کثیر، ابن اثیر)

علی مرتضیٰ رض کا بیعت کرنا

یہ دیکھ کر حضرت علی رض نے بھی بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ حضرت علی رض کا بیعت کرنا تھا کہ تمام ہاشمی اور دوسرے حضرات جو اب تک آگے نہیں بڑھے تھے بیعت کے لیے ٹوٹ پڑے (ابن سعد) بیعت ہوتے ہوتے عصر کا وقت آ گیا۔ اور سب سے پہلی نماز جو حضرت عثمان رض نے پڑھائی وہ عصر کی نماز تھی۔ (ابن کثیر) غرض چوتھی محرم ۲۴ھ کو حضرت ذوالنورین رض اتفاقِ عام کے ساتھ مسند آرائے خلافت ہوئے اور تمام عالم اسلام کی حکومت و فرماں روائی اپنے ہاتھ میں لی۔

اس روز مسیحی تاریخ ۷ نومبر ۶۴۴ء بیان کی گئی ہے۔ اس وقت ان کی عمر قمری سال کے حساب سے ستر برس اور شمسی سال کے اعتبار سے

اڑ سٹھ سال تھی۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جن چھ حضرات کے نام لے کر وصیت کی تھی کہ ان میں سے کسی کو خلیفہ منتخب کرنا۔ حضرت عثمان رضؓ اُن میں سب سے زیادہ سن رسیدہ تھے۔

اعمش رحؒ کا بیان ہے کہ جب لوگ حضرت عثمان رضؓ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ نے فرمایا کہ ہم نے تفویض خلافت میں اعلیٰ وافضل سے انحراف نہیں کیا (رواہ الحاکم فی المستدرک)

پہلا خطبہ بیعت کے بعد امیر المومنین عثمان رضؓ نے سیدانام صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر کھڑے ہو کر جو خطبہ دیا۔ وہ فصاحت بلاغت کی جان، پند و موعظة کی روح اور عبرت پذیری کا جوش بہام مرقع ہے انھوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کے بعد فرمایا کہ تم لوگ دار قلعہ (مدینہ منورہ) میں ہو (جو شیطان کی دست برد سے محفوظ رہنے کا حصن حصین ہے) تمھاری عمروں کا کچھ حصہ تو گزر چکا اور کچھ باقی ہے۔ جو باقی ہے تم بحالت موجودہ اس میں سے گزر رہے ہو۔ چونکہ یہ حصہ بھی قریب الاختتام ہے اور ساز ہستی کا تار ٹوٹنے والا ہے۔ اس لیے مناسب ہے۔ انسان موت سے پہلے اُن حسنات و مبرات میں جلدی کرلے جن سے بہرہ ور ہونے کی اس کو بالفعل قدرت حاصل ہے۔ پھر دفتر اعمال لپیٹ دیا جائے گا

اس کے بعد فرمایا یاد رکھو کہ دنیا سراپا فریب ہے۔ پس دنیا کی پُر فریب زندگی تمھیں غلط فہمیوں کی بھول بھلیوں میں نہ ڈال دے اور شیطان کے پنجہ اغوا میں گرفتار نہ کردے۔ عمر فانی کی مہلت بہت کچھ گزر چکی اور جو

تھوڑی سی باقی ہے۔ ایسی غیر متیقن حالت میں کیا عجب ہے کہ کسی شخص کو صبح یا شام ہی کو پیام اجل آجائے اور وہ سخت بے بسی کی حالت میں کنجِ لحد میں سُلا دیا جائے۔ اُن لوگوں کے واقعات سے عبرت پذیر ہو جو تم سے پہلے گزر چکے اور نیک یا بد عملوں کے سوا اپنے ساتھ کچھ نہ لے جاسکے۔ پس اپنی طرف سے سرمایۂ آخرت جمع کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھو اور غفلت کی عادت چھوڑ دو کیونکہ اگر تم نے غفلت کو اپنا شعار بنایا تو (من جانب اللہ) تم سے غفلت نہیں برتی جائے گی (یعنی تمھیں تمھارے حال پر نہیں چھوڑا جائے گا بلکہ سختی سے باز پرس ہوگی) وہ ابنائے دنیا کہاں ہیں جنھوں نے بلاد و امصار کی آباد کاری میں ناموری حاصل کی تھی اور دنیا کی فانی تعمیر میں منہمک رہے تھے۔ وہ طویل مدت تک فانی کامرانیوں سے متمتع رہے۔ آخر ایک دن آغوشِ فنا میں جا بسیرا کیا۔ کیا دنیا نے ان کو اپنے سے علیحدہ نہیں کر دیا؟ تم بھی دنیا کو اسی طرح پھینک دو جس طرح ربّ قدیر نے اس کو پھینکا اور بر طرف کیا (یعنی اُس کی تحقیر کی) ربِ جلیل نے اپنے کلام پاک میں دنیا اور آخرت کو ایک مثال سے سمجھایا ہے۔ چنانچہ فرمایا:-

(اے پیغمبر!) ان لوگوں سے ایک یہ مثال بھی بیان کرو کہ دنیوی زندگی کی مثال پانی کی سی ہے جس کو ہم نے آسمان کی طرف سے برسایا۔ اس کی زمین کی روئیدگی پانی کے ساتھ مل گئی۔ پھر آخر کار بھوسہ ہو کر رہ گئی۔ جس کو ہوائیں لیے لیے پھرتی ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر بات پر قدرت رکھتا ہے۔ اے پیغمبر! مال اور اولاد دنیوی زندگی کی چند روزہ زینت ہے۔ اور اعمالِ صالح تمھارے

نزدیک بلحاظ ثواب بہتر اور دارالجزار کی توقعات کے اعتبار سے بھی محمود و مستحسن ہیں (ابن جریر طبری و ابن کثیر)

ایک اور خطبہ کے چند ابتدائی فقرے یہ تھے :-

"لوگو! بعض حرص و طمع سراپا احتیاج ہے اور بعض ناامیدی تونگری و بے نیازی کے مرادف ہے۔ تم ایسی چیزیں جمع کرتے ہو جن سے متمتع نہیں ہوسکتے اور ایسی امیدیں باندھتے ہو جو پوری نہیں ہوسکتیں۔ تم لوگوں کو دنیا کی فریب گاہ میں ایک مدت معین تک کے لیے چھوڑا گیا ہے"۔

خطابتِ عثمانی کے متعلق دوسرا بیان

ان دو خطبوں سے امیر المومنین حضرت عثمانؓ کی قوتِ بیانی اور طلاقتِ لسانی کا بسہولت اندازہ ہوسکتا ہے۔ لیکن اس حقیقت کے برعکس ایک روایت یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کو برجستہ تقریر و خطابت کا ملکہ ہی نہ تھا اور یہ کہ انعقادِ بیعت کے دن جو پہلی مرتبہ منبر پر چڑھے تو زبان نے یاری نہ کی اور صرف یہ کہہ کر نیچے اُتر آئے کہ "پہلی دفعہ کی سواری مشکل ہوتی ہے۔ اگر میں زندہ رہا تو اچھے خطبے دیا کروں گا"۔

لیکن یہ بیان جو یقیناً کسی سبائی دشمن دین کا من گھڑت افسانہ ہے قطعاً غلط اور بے ہودہ ہے۔ امام ابن کثیرؒ نے بھی اس کو قابل التفات نہیں سمجھا۔ چنانچہ اس کو قلم بند کرنے کے بعد فرمایا ہے (لکن لم ار ھذا باسناد تسکن النفس الیہ) (لیکن اس کا اسناد تسلی بخش نہیں ہے)

عمّالِ عثمانی

خلافت عثمانی کے آغاز میں امیر المومنین عثمان رضہ کے عامل یہ تھے :-

مقامِ عمل	نامِ عامل	مقامِ عمل	نامِ عامل
مکہ معظمہ	نافع بن عبد الحرث خزاعی	مصر	عمرو بن عاص
طائف	سفیان بن عبد اللہ ثقفی	حمص	عمیر بن سعد
صنعاء	یعلیٰ بن امیتہ	شام	معاویہ بن ابی سفیان
جند	عبد اللہ بن ربیعہ	بحرین و توابع	عثمان بن ابی العاص ثقفی
کوفہ	مغیرہ بن شعبہ	قضائے کوفہ	شریح
بصرہ	ابو موسیٰ اشعری	قضائے بصرہ	کعب بن سود

(ابن اثیر)

فصل ۱۶

مکتوبات و فرامین کی ترسیل

امیر المومنین حضرت عثمان ذو النورین رضی اللہ عنہ نے مسند آرائے خلافت ہونے کے بعد اپنے عہدہ داروں کو جو فرامین بھیجے وہ ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔ لیکن ان کا مطالعہ کرتے وقت اس حقیقت کو ملحوظ خاطر رکھنا ضرور ہے کہ کلام کی فصاحت و بلاغت جو اصل عربی عبارت میں ہوتی ہے وہ ترجمہ میں قائم نہیں رہ سکتی۔

۱۔ عمّال کے نام

صوبہ داروں کو حمد و صلوٰۃ کے بعد لکھا:۔

حق تعالیٰ نے ائمہ کو حکم دیا ہے کہ ہمیشہ رعایا کے محافظ و نگہبان رہیں۔ ارباب حکومت اس بات کے مامور نہیں ہیں کہ خراج وصول کرنے سے زیادہ کسی بات سے سروکار نہ رکھیں اس امت کے اولین افراد نے اپنے آپ کو ہمیشہ محافظ و نگہبان ہی تصور کیا۔ خراج وصول کرنے والوں کی حیثیت میں کبھی نہ رکھا۔ لیکن عن قریب وہ زمانہ آئے گا جب کہ تمہارے فرمانروا محصل تو

ہوں گے لیکن اپنے تئیں محافظ و نگراں تصور نہ کریں گے۔ جب حالت ایسی زبون ہوگی تو حیا، امانت اور وفا ناپید ہو جائے گی یاد رہے کہ سب سے اعلیٰ عادلانہ سیرت یہ ہے کہ مسلمانوں کے نفع و نقصان اور اُن کی ضروریات کا خیال رکھو۔ ان کے حقوق ان کو دلواؤ اور جو ان سے لینا چاہیے وہ ان سے وصول کرو۔ ان کے بعد اہل ذمہ (غیر مسلم رعایا) کا معاملہ ہے۔ ان کے ساتھ بھی معدلت گستری کا سلوک کرو۔ اُن کے حقوق ادا کرتے رہو اور واجبات کا ان سے مطالبہ کرو۔ ذمیوں کے بعد تمہارے وہ اعداء ہیں جن پر تم چڑھائی کرو۔ سو پہلے تو اُن پر بصفت عدل و وفا فتح حاصل کرو لیکن جب مفتوح ہو جائیں تو ان کے کشور دل کو (اپنے لطف و عنایت سے) مسخر کرتے رہو۔

۲۔ سرداران لشکر کے نام

خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان رضہ کا یہ پہلا فرمان تھا جو سرحدوں کے فوجی افسروں کے نام صادر فرمایا:-

بعد از حمد و صلوٰۃ معلوم ہو کہ تم لوگ مسلمانوں کے محافظ اور حامی و ناصر ہو۔ عمر (رضی اللہ عنہ) نے تمہارے جو حقوق متعین فرمائے تھے، وہ ہم سے مخفی نہیں بلکہ وہ ہماری ہی مجلس میں طے ہوئے تھے مناسب ہو گا کہ تمہاری طرف سے اُن میں کسی طرح کا تغیر و تبدل نہ ہو ورنہ خدائے عزیز تمہاری دلی کیفیت بدل دے گا اور دوسرے

لوگ تمہاری جگہ پر مامور کر دیے جائیں گے۔ اب دیکھا جائے گا
کہ تم لوگ اُن ذمہ داریوں سے جو خدائے برتر نے میرے کندھوں
پر ڈالی ہیں، عہدہ برآ ہونے میں کہاں تک میرا ساتھ دیتے ہو۔"

۳۔ عاملینِ خراج کے نام

یہ پہلا مکتوب ہے جو امیر المومنین عثمان رضؓ نے محصلینِ خراج کے نام زیب رقم فرمایا:-

بعد حمد و صلوٰۃ معلوم ہو کہ آفرینندۂ کون و مکاں عز اسمہٗ نے حق
و راستی کے ساتھ اپنی مخلوق پیدا کی۔ پس حق و صدق کے سوا کوئی
بات اس کی بارگاہِ عالی میں شرفِ قبول نہیں پاتی۔ اپنا واجبی حق
وصول کرو اور دوسروں کا حق ادا کرو۔ ادائے امانت میں کبھی
کوتاہی نہ کرنا۔ امانت کے ضائع کرنے میں پہل بھی نہ کرنا ورنہ تمام
پچھلے خائنوں کے گناہ میں تم بھی برابر کے حصہ دار ہو گے۔ ایفائے عہد
کی بھی سخت تاکید ہے۔ اسی طرح یتیم اور معاہد (ذمی وغیرہ) پر
ظلم کرنے سے بچنا کیونکہ خدائے مہیمن اُن کی طرف سے خود مدعی
بن جاتا ہے۔"

۴۔ عامۃ الناس کے نام

بعد حمد و ثنا۔ اے برادرانِ ملت!
معلوم ہو کہ خدائے معز نے تمہیں
اس عزت و عروج سے اس لیے نوازا ہے کہ تم اس کے رسول
سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی سعادتِ دارین
سے بہرہ مند ہوئے۔ لیکن اب تمہیں اس بات میں سخت محتاط

رہنے کی ضرورت ہے کہ مبادا دنیا تمہیں تمہارے حقیقی مقصد
سے غافل کر دے۔ کیونکہ اس بات کا قوی احتمال ہے کہ دنیا
ان تین چیزوں کے بعد جو تمہارے اندر جمع ہو چکی ہیں تمہیں اتباعِ
سُنت اور اقتدائے سلف کی دولت سے محروم کر کے بدعت
و احداث کی طرف مائل کر دے۔ (۱) مال و دولت کی کثرت
و تنوع جو انتہا کو پہنچ چکی ہے (۲) لونڈیوں سے اولاد کی کثرت
(جو موجب فتنہ بن سکتی ہے) (۳) اعراب و اعاجم کا قرآن پڑھنا
(لیکن فہم قرآن سے بے بہرہ رہنا) اور سیّد عالم و عالمیان صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ کفر عجمیت میں ہے۔ کیونکہ جب وہ کسی
بات کے سمجھنے سے قاصر ہوں تو (خواہ مخواہ) تکلف کر کے نئی نئی
باتیں گھڑ لیتے ہیں۔" (ابن جریر طبری)

یہ چار مکتوبات ہیں جو حضرت ذو النورین رضہ کے آغازِ خلافت
میں اطراف و اکناف قلمرو میں بھیجے گئے تھے۔ ان میں امیر المومنین نے اپنے
عاملوں کو تلقین فرمائی تھی کہ مسلمانوں اور ذمیوں کے حقوق کی حفاظت کریں
اور اپنی صلاحیتوں کو جمع اموال اور زر اندوزی میں مقید و محدود نہ کر دیں
مقصد یہ تھا کہ حکام کی طرف سے رعایا بر ایا پر ظلم نہ ہو اور حکام اولین فریضہ
خداوندی کو کہ عدل و انصاف ہے طاقِ نسیاں پر نہ رکھ دیں۔ اسی طرح
فوجی سرداروں کو جو چھاؤنیوں میں مامور تھے لکھ بھیجا کہ وہ فاروقی احکام کے
پابند رہیں۔ ان سے کسی حالت میں اعراض نہ کریں۔ اور محصلین خراج کو تحت

تاکید فرمائی کہ حق و انصاف سے زیادہ کسی سے ایک حبّہ وصول نہ کریں اور امانت و وفا کو ہر وقت ملحوظ خاطر رکھیں۔ اسی طرح یتیم و معاہد کے ساتھ بھلائی اور حسنِ سلوک کی وصیت فرمائی اور یہ تمام امور اسلامی اخلاق اور دینی فضائل میں داخل ہیں۔

فصل ۱۷

حضرت عبیداللہ بن عمرؓ کا مقدمہ

جب حضرت عثمان رضہ نے عنانِ خلافت ہاتھ میں لی تو ان کے سامنے سب سے پہلے حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے صاحب زادہ جناب عُبیداللہ کا مقدمہ پیش ہوا۔ جنھوں نے ہُرمزان سابق والیٔ تستر کو ہلاک کر دیا تھا۔ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ احبابِ کرام کی دلچسپی اور اضافۂ معلومات کے لیے حادثۂ قتل کے ضمن میں ہُرمزان کے بحالتِ اسیری مدینہ منورہ آنے اور اسلام قبول کرنے کے واقعات بھی بالاختصار سپردِ قلم کر دیے جائیں۔

جن ایام میں یزدگرد شاہ ایران دارالسلطنت مدائن سے بھاگ کر خاندان شاہی کے تمام ارکان سمیت قم میں مقیم تھا اور اہل ایران مسلمانوں کے مقابلہ میں ہر جگہ ہزیمیں اٹھا رہے تھے۔ ہرمزان والیٔ تستر جو شیرویہ کا ماموں اور بڑی قوت و اقتدار کا حاکم تھا، یزدگرد کے پاس پہنچا اور کہنے لگا کہ اگر اہواز اور فارس کے صوبے بھی میری حکومت میں دے دیے جائیں تو میں یقیناً عربی سیلاب کو آگے بڑھنے سے روک دوں گا۔" یزدگرد نے فی الفور فرمانِ حکومت عطا کر کے ایک لشکر جرار اس کے ساتھ کر دیا۔ ہرمزان نے مسلمانوں کے مقابلہ میں خود بھی ایک فوج گراں جمع کی۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضؓ حاکم بصرہ نے امیر المومنین عمر فاروقؓ کو صورتِ حال کی اطلاع دے کر کمک کی درخواست کی۔

دربارِ خلافت سے عمار بن یاسر رضؓ حاکم کوفہ کے نام حکم گیا کہ عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) کو نصف فوج کے ساتھ کوفہ میں چھوڑ دو اور باقی سپاہ لے کر ابو موسیٰ رضؓ کی امداد کو جاؤ۔" حضرت ابو موسیٰ رضؓ نے ہرمزان کے مقابلہ کے لیے خوزستان کے صدر مقام شوستر کا رخ کیا اور شہر سے تھوڑے فاصلہ پر پہنچ کر پڑاؤ کیا۔ ہرمزان کثرتِ فوج کے بل بوتے پر خود شہر سے نکل کر حملہ آور ہوا مگر شکست کھائی اور پسپا ہو کر قلعہ بند ہو گیا۔

مسلمانوں نے جا کر قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ براء بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ بھی محاصرہ میں داخل تھے۔ براء بن مالک حضورِ خلاصۂ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص حضرت انس بن مالک رضؓ کے حقیقی بھائی اور

بڑے مُجاب الدعوۃ تھے۔ جب محاصرہ کو چند ماہ گزر گئے تو مجاہدین نے براء رضؓ سے کہا کہ بارگاہِ رب العزت میں دعا کیجیے کہ خدائے عزیز مسلمانوں کو فتح دے۔" انہوں نے دعا کی "الٰہی لشکرِ اسلام کو فتح دے اور مجھے مرگِ شہادت نصیب کر۔" براء رضی اللہ عنہ خود تو شہید ہو گئے لیکن لشکرِ اسلام نے مظفر و منصور ہو کر شہر پر قبضہ کر لیا۔ ہرمزان متحصّن ہو گیا لیکن جب بچاؤ کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو کہلا بھیجا کہ میں اس شرط پر اطاعت کرنے کو تیار ہوں کہ تمہارے خلیفہ عمرؓ جو چاہیں میری قسمت کا خود فیصلہ کریں۔" چنانچہ حضرت ابوموسیٰ رضؓ نے اس شرط کو منظور کر لیا اور دربارِ خلافت کو اس کی اطلاع بھیج دی۔ حضرت انسؓ اور احنف بن قیس اس کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔

(ابن اثیر)

ہرمزان مدینہ منورہ کے باہر شاہانہ ٹھاٹھ سے آراستہ ہوا۔ تاجِ مرصّع سر پر رکھا۔ دیبا کی قبا زیبِ تن کی۔ شاہانِ عجم کی رسم کے موافق سونے کے زیور پہنے۔ کمر سے مرصّع تلوار لٹکائی۔ غرض شاہانہ شان و شوکت کا پیکر بن کر شہر میں داخل ہوا اس وقت سیکڑوں تماشائی ساتھ تھے جو اس کے زرق برق لباس اور شاہانہ ٹھاٹھ کو دیکھ کر سخت حیرت زدہ تھے۔ ہرمزان کا خیال تھا کہ جس فرماں روا کے رعب نے دنیا جہان میں زلزلہ ڈال رکھا ہے، اُس کا دربار بھی بڑی شان و شوکت کا ہوگا۔ جب آگے بڑھا تو اسے بتایا گیا کہ حضرت عمرؓ مسجد میں ہیں۔ جنابِ خلافت مآب رضؓ اس وقت ایک وفد سے جو کوفہ سے آیا تھا، ملاقات کر کے فرا لیٹ گئے تھے اور کوڑا ہاتھ میں تھا۔ ہرمزان کے

رفقاے سفر آکر حضرت عمرؓ کے پاس بیٹھ گئے لیکن اس کو معلوم نہیں تھا کہ یہی حضرت عمرؓ ہیں۔

اس وقت ہرمزان کی نگاہیں مسجد میں ہر طرف امیر المومنین کو تلاش کر رہی تھیں لیکن اس کو وہاں کوئی ایسی شخصیت نظر نہ آئی جسے وہ امیر المومنین یقین کرتا۔ آخر پوچھنے لگا کہ امیر المومنین عمرؓ کہاں ہیں ؟۔ لوگوں نے بتایا کہ یہی جو لیٹے ہوئے ہیں۔ بولا اگر عمرؓ یہی ہیں تو ان کے محافظ اور دربان اور اہل دربار کہاں ہیں ؟ لوگوں نے بتایا کہ نہ ان کا کوئی محافظ یا دربان ہے اور نہ درباری۔ وہ حیرت سے پوچھنے لگا کہ کیا یہ نبی ہیں ؟ لوگوں نے کہا کہ نبی تو نہیں لیکن انبیاء کے سے عمل ضرور کرتے ہیں۔ (ابن اثیر)

لوگوں کی آہٹ سے حضرت خلافت مآبؓ کی آنکھ کھل گئی کیا دیکھتے ہیں کہ عجمی تکلفات کا مرقع سامنے ہے۔ امیر المومنینؓ نے ہرمزان کو اوپر سے نیچے تک دیکھ کر حاضرین سے پوچھا کہ کیا یہ ہرمزان ہے ؟ انہوں نے کہا ہاں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ ہر قسم کی حمد و ثنا کا مستحق رب قدیر ہے۔ جس نے اسلام کے ذریعہ سے اس شخص کو اور اس قماش کے دوسرے مغرور و گردن فراز حکمرانوں کو مقہور کیا۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ اس کے زیور اور پُر تکلف ملبوسات اُتار دیے جائیں۔ چنانچہ ان کو اُتروا کر معمولی لباس پہنادیا گیا۔ ہرمزان نے ایران کی لڑائیوں میں کئی دفعہ مسلمانوں سے صلح کی تھی اور بار بار اپنے عہد و پیمان سے پھر جاتا رہا تھا۔ امیر المومنین نے

فرمایا ہرمزان! تم نے بدعہدی کا انجام اور اللہ تعالیٰ کی نصرت کو دیکھا جو اس نے دینِ حق کے شامل حال کی؟ ہرمزان نے کہا کہ عہد جاہلیت کے معرکوں میں ہم ہمیشہ غالب رہے اور عربوں کو ہمیشہ ذلت آمیز شکست ہوئی۔ لیکن اب زمانہ بدل گیا ہے۔ اس وقت تم غالب ہو اور ہم مغلوب ہیں۔ امیر المومنین نے پوچھا ہرمزان! تم پے در پے نقض عہد کیوں کرتے رہے؟ اس نے کچھ جواب نہ دیا۔ ہرمزان نے عہد شکنیوں کے علاوہ دو سر برآوردہ مسلمانوں یعنی براء بن مالک رض اور مجزاۃ بن ثور رض کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا تھا۔ ان وجوہ کی بناء پر حضرت عمر رض نے قطعی فیصلہ کر رکھا تھا کہ وہ اسے خنجر خونخوار کے حوالے کر دیں گے۔

ہرمزان بولا مجھے اس بات کا کھٹکا ہے کہ آپ میری عرض معروض نے بغیر مجھے قتل کر دیں گے۔" امیر المومنین رض نے فرمایا نہیں ایسا نہ ہوگا۔ اب اس نے پینے کے لیے پانی مانگا۔ پانی ایک بے ڈول سے پرانے پیالے میں جسے عام طور پر غرباء کا طبقہ استعمال کرتا ہے، لایا گیا۔ ہرمزان نے کہا کہ مجھے موت منظور ہے لیکن ایسے پیالے میں پانی پینے سے قاصر ہوں" حضرت عمر رض نے حکم دیا کہ اس کی خواہش کے مطابق کسی نفیس برتن میں پانی لاؤ۔ چنانچہ حکم کی تعمیل کی گئی۔ ہرمزان نے التماس کی "مجھے خوف ہے کہ آپ مجھے پانی پیتے میں قتل کرا دیں گے۔" امیر المومنین رض نے فرمایا نہیں۔ جب تک پی نہ لو، تمہیں کوئی خوف و خطر نہیں۔"

ہرمزان نے پیالہ ہاتھ سے رکھ دیا اور کہا میں پانی نہیں پیتا۔ مجھے

پیاس نہیں۔ میں نے تو محض اپنی حفاظتِ جان کے لیے یہ حیلہ کیا تھا"۔
حضرت عمرؓ نے فرمایا نہیں میں تجھے نہیں چھوڑوں گا۔ اس نے کہا آپ مجھے امان دے چکے ہیں۔ فرمایا تو جھوٹ کہتا ہے۔ حضرت انس بن مالکؓ بولے امیر المومنین! یہ سچ کہتا ہے واقعی آپ اس کو امان دے چکے ہیں فرمایا انس! کیا میں براء بن مالک اور مجزاۃ بن ثورؓ کے قاتل کو پناہ دے سکتا ہوں؟ میں نے محض اتنا کہا تھا کہ تمھیں کوئی خطرہ نہیں جو کچھ کہنا ہو، کہہ لو اور پھر یہ کہا تھا کہ تمھیں کوئی خوف نہیں۔ اطمینان سے پانی پی لو۔"
حقیقت میں ہرمزان نے امیر المومنین کو چکمہ دے کر ان کی زبان مبارک سے ایسے الفاظ نکلوا لیے تھے، جن کو وعدہ سے تعبیر کر سکتے ہیں اور اپنی حوالگی سے پیشتر جو اس نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے درخواست کی تھی کہ مجھے مدینہ بھیج دیا جائے تاکہ عمرؓ بذاتِ خود میری قسمت کا فیصلہ کریں تو اس وقت یہی حیلہ گری اس کے دل و دماغ پر مسلط تھی۔

حضرت عمرؓ کے تمام حضارِ مجلس حضرت انسؓ کی طرح حق پرست اور راست گو صالحینِ امت تھے۔ انھوں نے بھی بالاتفاق حضرت عمرؓ کے خلاف فیصلہ کیا اور کہا امیر المومنین! اب آپ اس کی جان نہیں لے سکتے۔ حضرت عمرؓ نے ہرمزان سے فرمایا تم نے مجھے فریب دیا۔ اب صرف یہ صورت ہے کہ تم دائرۂ اسلام میں داخل ہو جاؤ ورنہ یاد رکھو کہ تمھاری طرح میں بھی کوئی تدبیر کروں گا۔ ہرمزان مشرف باسلام ہو گیا

امیرالمومنین رضؓ نے اس کے لیے دو ہزار سالانہ کا وظیفہ مقرر کر دیا اور ہر طرح کی سہولتیں بہم پہنچائیں۔ (ابن اثیر)

یہ تو اس کے قبول اسلام کا ماجرا تھا۔ اب اس کے قتل کا حال سُنو۔ باب سابق میں آپ نے پڑھا ہوگا کہ حضرت فاروق اعظم رضؓ نے فیروز نام ایک غیر مسلم کے ہاتھ سے جرعۂ شہادت نوش فرمایا تھا۔ حادثۂ شہادت کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے صاحب زادہ جناب عبدالرحمٰن نے بیان کیا کہ میں فیروز کے پاس سے گزرا۔ ہرمزان اور جفینہ اس کے ساتھ تھے اور یہ تینوں نہایت رازداری کے ساتھ سرگوشی کر رہے تھے۔ جب میں اچانک ان کے سر پر پہنچا تو وہ گھبرا کر متفرق و منتشر ہو گئے اور علیحدگی کے وقت ان کے پاس سے ایک خنجر گر پڑا جس کے دو پھل تھے اور اس کا قبضہ درمیان میں تھا۔ ذرا اس خنجر کو تو جا کر دیکھو جس سے امیرالمومنین قتل کیے گئے ہیں۔ جب لوگوں نے جا کر اس خنجر کو دیکھا تو وہ بعینہ وہی تھا جس کا جناب عبدالرحمٰن نے پتہ دیا۔" یہ سن کر حضرت عمر رضؓ کے صاحب زادہ عُبَید اللہ کو یقین ہو گیا کہ فیروز نے ہرمزان اور جفینہ ہی کی انگیخت پر میرے والدِ معظم کی جان لی ہے۔ چنانچہ جوشِ غضب میں انتقام کی ٹھان لی لیکن سردست خاموش رہے۔

آخر جب حضرت عمر رضؓ نے روضۂ رضوان کی طرف کوچ کیا تو عُبَید اللہ تلوار لے کر ہرمزان کے پاس پہنچے اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کے بعد جا کر جفینہ کو جو حیرہ کا ایک عیسائی تھا، ٹھکانے لگا دیا

پھر فیروز کی صغیر السن لڑکی کے پاس گئے اور اس کو بے جان کیا۔ اس حادثہ پر مدینہ میں ہر طرف کہرام مچ گیا۔ عبید اللہ جو ایک نامور دلاور شجاع عالم برافروختگی میں کہہ رہے تھے کہ آج میں کسی شخص کو جو میرے والد کے قتل میں شریک تھا زندہ نہ چھوڑوں گا۔ (ابن سعد)

لوگوں نے عبید اللہ کو پکڑنے کی بہتیری کوشش کی لیکن ان پر کسی کا بس نہ چلا حضرات مہاجرین اوّلین نے ان کے ہاتھ سے تلوار چھیننے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ آخر حضرت صہیب رضہ نے (جو اس وقت خلیفۃ المسلمین کے قائم مقام تھے) جناب عمرو بن عاص رضہ کو بھیجا کہ کسی طرح اُن پر قابو پائیں۔ وہ برابر عبید اللہ کو سمجھاتے اور ان کی منت و سماجت کرتے رہے یہاں تک کہ تلوار ان کے ہاتھ سے لے لی۔ اب حضرت سعد بن ابی وقاص رضہ نے آکر ان کو اچانک دبوچ لیا اور لوگ پکڑے ہوئے حضرت صہیب رضہ کے پاس لے آئے اور ان کو حوالات میں بند کر دیا گیا۔ (ابن جریر طبری)

اس وقت مدینہ منورہ ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔ کوئی مومن قانت ایسا نہ تھا جسے اس حادثہ کا صدمہ نہ ہوا اور عبید اللہ اس کی نظر میں مبغوض نہ ہو گئے ہوں۔ گو عبید اللہ نے ایک مسلمان اور ایک ذمی اور ایک معصوم لڑکی کی جان لے کر ناقابل عفو جرم کا ارتکاب کیا تھا لیکن چشم حقیقت شناس کھول کر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ انھوں نے بھی بلاوجہ اور بے سبب یہ خوفناک اقدام نہیں کیا تھا۔ حضرت عبد الرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما جیسی بلند شخصیت کا مشاہدہ بالبداہت ثابت کر رہا تھا کہ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ بالضرور

ہرمزان اور جفینہ کی سازش و تحریک سے شہید ہوئے ہیں اور اگر عبید اللہ تدبر و کیاست سے کام لے کر قدرے ضبط و تحمل سے کام لیتے تو بہت ممکن تھا کہ سازش کا بھانڈا جلد پھوٹ جاتا اور مقدمہ کی سماعت پر دونوں مقتول ہی واجب القتل یا قابل تعزیر ٹھیرتے۔

مولٰنا شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ نے اس حادثہ کی یہ تفصیل بیان فرمائی ہے :- "یہ دیکھ کر کہ مسلمان ایران پر قابض ہو گئے ہیں، تمام ملوک فارس ہروقت اسلام اور ائمۂ اسلام کے خلاف دانت پیس رہے تھے۔ ان خشمناک ملوک میں ہرمزان والیٔ اہواز بھی داخل تھا۔ جب وہ گرفتار ہو کر مدینہ منورہ لایا گیا تو حضرت عمرؓ نے صحابہ رضؓ کے مشورہ سے اس کے قتل کا فیصلہ کیا۔ اس نے کمال قلق و اضطراب سے تشنگی کا اظہار کیا۔ جب اس کو پانی دیا گیا تو خلافت مآب سے کہنے لگا کہ جب تک پانی نہ پی لوں، مجھے امان دیجیے۔ مجھے خوف ہے کہ پانی پیتے وقت میرا سر تن سے جدا کر دیا جائے گا۔ امیر المومنین نے فرمایا کہ جب تک یہ پانی نہ پی لے، تجھے امان ہے۔ ہرمزان پانی زمین پر پھینک کر کہنے لگا کہ اب مجھے قتل کرو گے تو نقض امان لازم آئے گا۔ حضرت عمرؓ اس کی اس عیاری پر حیرت زدہ ہوئے اور فرمایا کہ تم ایک ہوشیار آدمی معلوم ہوتے ہو بہتر ہے کہ اسلام لے آؤ۔ وہ کلمۂ اسلام زبان پر لایا اور اس تقریب سے مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کی اور جاگیر میں عراق کے چند پرگنے حاصل کیے۔

ہرمزان نے قیام مدینہ کے زمانہ میں دیکھا کہ اتنا بڑا بادشاہ عوام الناس

طرح بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ نہ کوئی دربان ہے اور نہ پاسبان۔ ذاتی حفاظت کا کوئی ادنیٰ سامان بھی نہیں یہ دیکھ کر افسوس کرنے لگا کہ ملوک فارس بڑی غفلت میں پڑے ہیں۔ ایسے غیر محفوظ حکمران کے قتل میں تو کسی قسم کی ادنیٰ دشواری حائل نہیں۔ آخر خفیہ طور پر فیروز اور جُفینہ سے قتل امیر المومنین کی سازباز کرنے لگا اور دوسرے غیر مسلموں کو بھی اس کام میں اپنا رفیق بنایا۔ اب ہرمزان خلوت میں قتل امیر المومنین کے متعلق مشورے اور تدبیریں کیا کرتا یہاں تک کہ فیروز نے اس کی انگیخت پر اس امر عظیم کی ہامی بھرلی۔ چنانچہ بعد از حادثہ یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا کہ ہرمزان اور فیروز اور جفینہ خلوت میں بیٹھ کر امیر المومنین کے قتل کے مشورے کیا کرتے تھے۔

یہ امر بھی ثابت ہو گیا کہ ہرمزان نے کہیں سے ایک دو رویہ خنجر تیار کرایا تھا اور اپنے غیر مسلم رفقاء سے کہا کرتا تھا کہ کون جوانمرد ہے جو ایسے شخص کو ٹھکانے لگائے جس نے نہ ہمارا دین چھوڑا، نہ ناموس اور نہ دولت رہنے دی نہ عزت۔ مجھ سے یہ خنجر قبول کرے۔ چنانچہ ابولؤلؤ فیروز نے اس خنجر کو قبول کرلیا۔ جب عبید اللہ پکڑے گئے تو صحابہ کرام کی موجودگی میں طے ہوا کہ وہ خنجر جس سے امیر المومنین شہید کیے گئے ہیں، لایا جائے اگر وہ اُسی وضع پر نکلے جو گواہوں نے بتائی ہے تو قتل امیر المومنین میں تینوں کی شرکت ثابت ہو گی ورنہ نہیں۔ چنانچہ وہ خنجر لایا گیا تو بالکل بیان کردہ وضع و ہیئت پر پایا گیا۔ (تحفہ)

جب حضرت عثمان رض پہلے دن مسندِ عدالت پر بیٹھے تو انھوں نے

حضرات مہاجرین و انصار کو بلا بھیجا۔ جب وہ تشریف فرما ہوئے تو عبیداللہ کو طلب فرمایا اور بولے کہ آپ حضرات اس شخص کے بارہ میں مشورہ دیجیے جس نے اسلام میں فتور ڈالا اور دین میں رخنہ اندازی کی (ابن سعد و ابن اثیر)

اب عبیداللہ کے بارہ میں بحث و تمحیص شروع ہوئی۔ صحابہ کرامؓ دو فرقوں میں بٹ گئے اور اختلاف رونما ہوا۔ ایک فریق ان کے قتل پر مُصر تھا اور دوسرا ان کی رہائی پر زور دیتا تھا۔ مؤخرالذکر حضرات نہایت دل سوزی سے کہہ رہے تھے کہ کیا غضب ہے کہ کل تو حضرت عمرؓ شہید کر دیئے گئے اور آج ان کا صاحب زادہ موت کے گھاٹ اُتارا جائے۔ (ابن سعد و ابن کثیر) حضرت علیؓ مقدم الذکر جماعت میں داخل تے۔ وہ فرماتے تم کہ عبیداللہ کو فی الفور قصاص میں قتل کر دینا چاہیے کیونکہ ان کو بری کرنا انصاف کے بعید ہے (ابن کثیر) اس کے برخلاف حضرت عمرؓ کا خاندان بنو عدی برملا کہہ رہا تھا کہ اگر عبیداللہ کی جان لی گئی تو مدینہ میں خون کی ندیاں بہہ جائیں گی"۔ اور واقعی عبیداللہ تیغ ہلاک کے حوالے کیے جاتے تو مدینہ فی الفور فتنہ و فساد کا آتش کدہ بن جاتا۔ سارا دن کش مکش جاری رہی اور نزاع نے بہت طول پکڑا۔ (ابن کثیر)

مولانا شاہ عبدالعزیز رح لکھتے ہیں کہ قصاص میں فتنہ عظیم برپا ہونے کا یقین تھا کیونکہ بنو سہم اور بنو عدی قصاص کے خلاف تھے بلکہ بنو امیہ اور بنو جمح اور بنو سہم بھی پرخاش کا قصد رکھتے تھے کہ اگر عثمانؓ عبیداللہ سے

عام لیں گے تو خانہ جنگی شروع ہو جائے گی (تحفہ)

ان حالات کے پیش نظر حضرت ذوالنورین پریشان تھے کہ اس تھی کو کیوں کر سلجھائیں۔ یہ دیکھ کر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا امیرالمومنین پ اس مقدمہ کے فیصلہ کی طرف سے من جانب اللہ بری ہیں کیونکہ یہ غیہ آپ کے عہد خلافت میں رونما نہیں ہوا اس لیے آپ اس کو یہیں مختتم رکے عبیداللہ کو بری کر دیجیے۔ اگر آپ ایسا کریں تو مجھے کامل وثوق ہے کہ مدائے برتر آپ سے اس بارہ میں ہرگز باز پرس نہ کرے گا۔ (ابن کثیر)

امیرالمومنین رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو کا مشورہ قبول کیا اور ہرمزان کے وارثوں کو اپنے پاس سے خون بہا دے کر راضی کیا۔ محمد بن جریر طبری (دہ لیح ائمہ تاریخ نے تصریح کی ہے کہ ہرمزان کے تمام وارث مدینہ منورہ میں موجود نہیں تھے۔ امیرالمومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دوسرے وارثوں کو فارس سے طلب فرمایا۔ وہ خوف کے مارے حاضر نہ ہوئے۔ اس لیے امیرالمومنین نے خوں بہا کی رقم انہی وارثوں میں تقسیم کر دی جو مدینہ منورہ میں موجود تھے اور عبیداللہ رضی اللہ عنہ سے قصاص اس لیے نہ لیا کہ تمام ورثہ کا موجود ہونا قصاص کی لازمی شرط ہے۔ پس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے قصاص لینا جائز ہی نہ تھا اس لیے نہوں نے خوں بہا دینے کے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا۔ اور ہرمزان کے تمام وارثوں کا مدینہ منورہ میں موجود نہ ہونا شریف مرتضیٰ کی کتاب اور دوسری شیعی کتابوں میں بھی مذکور ہے۔ (تحفہ)

وجزہ نام ایک راوی کا بیان ہے کہ سماعت مقدمہ سے پہلے

حضرت عثمان رضہ کی قطعی رائے تھی کہ عبیداللہ کو قصاص میں قتل کر دینا چاہیے لیکن انجام کار عمرو بن عاص رضہ کا مشورہ ان کی رائے پر غالب آیا (ابن سعد) کیونکہ رفع فتنہ کی اس کے سوا اور کوئی صورت نہ تھی۔ مولٰنا شاہ عبدالعزیزؒ نے فرمایا ہے کہ دفع فتنہ کے لیے قصاص سے درگزر کر کے مقتول کے وارثوں کو راضی کر لیا جائے تو بجا ہے۔ بلکہ امیرالمومنین حضرت علی مرتضٰی رضہ نے تو مسندِ خلافت پر قدم رکھنے کے بعد نہ تو حضرت عثمان رضہ کے قاتلوں سے بخوفِ فتنہ قصاص لیا۔ نہ امام مظلوم کے وارثوں کو دیت دی اور نہ وارثانِ عثمان شہید کو راضی ہی کیا (تحفہ) الغرض حضرت عثمان رضہ نے اپنی ذاتی مال سے مقتولوں کا فدیہ ادا کر کے مسلمانوں کی خصومت رفع کر دی۔ اس وقت اس سے بہتر کوئی دوسری تدبیر ممکن نہ تھی۔ (ازالۃ الخفاء)

فصل ۱۸

طائف سے حکم بن ابوالعاص کی واپسی

حکم (بن ابوالعاص بن اُمیہ بن عبدشمس قرشی) مروان کا باپ اور امیرالمومنین حضرت عثمان رضہ کا حقیقی چچا تھا۔ سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منافقوں سے دوستی اور کفار کی اعانت کرنے کے جرم میں طائف

جلا وطن کر دیا تھا۔ حضرت عثمان رضؓ اپنے خویش و اقارب کی عون و نصرت کو جیسا کہ حقیقت نفس الامر ہے، اعلیٰ درجہ کے حسنات میں داخل سمجھتے تھے اس لیے ان کی یہ بڑی عزیز تمنا تھی کہ کسی طرح سرورِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے چچا کے لیے مدینہ واپس آنے کی اجازت حاصل کریں۔ چند سال اسی آرزو میں گزر گئے۔ یہاں تک کہ آفتابِ نبوت لبِ بام آگیا۔ انجام کار انہوں نے حضورؐ کے مرض الموت میں کاشانۂ نبوت میں حاضر ہو کر التماس کی۔ یا رسول اللہ! میرے چچا حکم کی جرم بخشی فرما کر اسے مدینہ آنے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ شفیق عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درخواست کو شرف قبول بخشا لیکن چونکہ تنہائی میں عرض معروض کیا تھا اسلئے کسی دوسرے کو اس اجازت بخشی کا علم نہ ہو سکا۔

جب حضرت ابو بکر صدیق رضؓ مسند خلافت پر بیٹھے تو ذوالنورین رضؓ نے بارگاہِ خلافت میں حاضر ہو کر کہا امیر المومنین! میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حکم کی واپسی کی اجازت لے لی تھی اس لیے اذن دیجیے کہ اسے یہاں بلا لیا جائے"۔ چونکہ شریعت میں کسی دعوے کے ثبوت کے لیے کم از کم دو گواہوں کی ضرورت ہے حضرت صدیق اکبر رضؓ نے فرمایا کہ آپ کا بیان سر آنکھوں پر لیکن حکم شریعت کے مطابق ایک اور گواہ بھی درکار ہے"۔ حضرت عثمان رضؓ کے بیان کی تائید کرنے والا کوئی گواہ موجود نہ تھا اس لیے بے نیل مرام واپس چلے آئے۔ اس کے بعد جب حضرت فاروق اعظم رضؓ مسند آرائے خلافت ہوئے تو جناب ذوالنورین رضؓ نے ان سے بھی

کی اجازت بخشی کا ذکر کر کے حکم کی واپسی کی درخواست کی لیکن انھوں نے دوسرا گواہ طلب فرمایا اور حضرت عثمان رضہ اپنے بیان کی تائید میں کوئی گواہ پیش نہ کر سکے۔

انجام کار جب حضرت عثمان رضہ خود مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو انھوں نے اپنے یقین و اذعان پر عمل کر کے حکم کو واپس بلا لیا۔ اس کے علاوہ مدینہ منورہ کی سیاسی اور مذہبی فضا اب تک بالکل بدل چکی تھی کفر و نفاق حجاز میں بالعموم اور مدینۃ الرسول میں بالخصوص دم توڑ رہا تھا کیونکہ منافق تو بالکل معدوم ہو چکے تھے اور یہود و نصاریٰ بھی عہد فاروقی میں جزیرۂ عرب سے خارج کیے جا چکے تھے اور ظاہر ہے کہ جب کوئی حکم کسی علت اور سبب کے ساتھ وابستہ ہو تو علت کے رفع ہو جانے کے بعد وہ حکم بھی مرتفع ہو جاتا ہے۔ چونکہ وہ حالت جس کے ماتحت حکم کا اخراج عمل میں آیا تھا یکسر بدل چکی تھی، اب جلا وطنی بھی بے سود تھی۔ ان دوگونہ وجوہ کے پیش نظر امیر المومنین رضہ نے اپنے چچا کو مدینہ آنے کی اجازت دے دی (اصابہ، اسد الغابہ)

اور صحیح روایت میں ہے کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرضِ وصال میں فرمایا کہ کاش! میرے پاس کوئی صالح شخص آئے کہ اس سے گفتگو کروں۔ ازواج مطہرات رضہ اور آستانِ نبوت کے خدام نے گزارش کی یا رسول اللہ! ابوبکر رضہ کو بلائیں؟ فرمایا نہیں۔ پھر التماس کی گئی کہ عمر رضہ کو بلا بھیجیں؟ فرمایا نہیں۔ پھر عرض کیا گیا کہ علی رضہ کو

بلائیں ؟ فرمایا نہیں۔ پھر معروض ہوا کہ عثمان رضؓ کو بلا بھیجیں ؟ فرمایا ہاں "۔ جب حضرت عثمان رضؓ حاضر ہوئے تو آپؐ نے خلوت فرمائی اور دیر تک ان سے سرگوشی کرتے رہے (رواہ احمد والترمذی وابن سعد)

پس عجب نہیں کہ اس سرگوشی اور رازداری میں جو لطف و کرم کا وقت تھا اُس گنہ گار کی شفاعت بھی کی گئی ہو اور اُس شفاعت نے شرفِ قبول حاصل کر لیا ہو۔

مزید برآں یہ امر بھی پایہ ثبوت کو پہنچا ہے کہ حکم نے اخیر عمر میں نفاق و فساد سے توبہ کرلی تھی۔ چنانچہ اس کے بعد اس سے کوئی ایسی بات ظاہر نہ ہوئی جو اس کے فسادِ نیت پر دلالت کرتی۔ اس کے ساتھ ہی اب وہ پیر فرتوت ہوگیا تھا۔ عمر سو سال سے بھی متجاوز تھی اور قوئے سخت مضمحل و متساقط ہو چکے تھے اور اس سے کسی قسم کے فتنہ کا خوف نہ رہ گیا تھا۔ (اصابہ، اسد الغابہ)

فصل ۱۹

شمشیر صمصامہ کے حق ملک کا مقدمہ

آج بندوق، مشین گن، توپ اور بم وغیرہ جدید مہلکات نے تلوار کی وقعت کھو دی ہے اور طریق حرب و قتال کے تغیر سے بہادروں کے لیے جوہر شجاعت دکھانے کے مواقع مفقود ہو گئے ہیں۔ ان مغربی ایجادوں کے شیوع سے پہلے تلوار کو جو اہمیت حاصل تھی۔ صمصامہ کی تاریخ اس پر گواہ ہے۔ صمصامہ کی مختصر رُوداد یہ ہے:۔

جب حضرت سید کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو سعید خالد بن سعید (بن عاص بن اُمیہ بن عبد شمس) کو یمن کا عامل مقرر فرما کر روانہ کیا تو راستے میں قبیلہ مذحج سے ان کی مڈبھیڑ ہو گئی۔ خالد کے ساتھ بھی کافی جمعیت ہو گی۔ اس مقابلہ میں رئیس قبیلہ عمرو بن معدی کرب زبیدی کی بیوی اور اس کی قوم کے چند افراد گرفتار ہو گئے۔ حضرت خالد بن سعید رضؓ ان اسیروں کو اپنے ساتھ یمن لے چلے۔ عمرو بن معدی کرب نے درخواست کی کہ قیدیوں کو

چھوڑ کر ہم پر احسان کیجیے۔ ہم اسلام لائیں گے۔ خالدؓ نے عمرو کی درخواست کو شرف قبول بخشا اور عمرو اور اُن کا قبیلہ مشرف باسلام ہو گیا۔ اس کے بعد عمرو نے اپنی مشہور تلوار صمصامہ اُن کی نذر کر دی۔

عہد صدیقی کے آخری ایام یعنی سنہ ۱۳ھ میں یرموک کی مشہور جنگ ہوئی۔ نصرانی سپاہ کی تعداد دو لاکھ چالیس ہزار تھی اور اس کے مقابلہ میں لشکر اسلام ہمگی چھیالیس ہزار تھا۔ اسلامی جمعیت کو ایک ہزار صحابہ کرامؓ کی شرکت کا فخر بھی حاصل تھا جن میں قریباً ایک سو وہ نفوس قدسیہ بھی داخل تھے جنھیں غزوۂ بدر میں سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف ہمرہی حاصل ہوا تھا۔ اس معرکہ میں مسلمانوں نے ظہر اور عصر کی دو نمازیں اشاروں سے پڑھیں۔ لشکر اسلام قلتِ تعداد کے باوجود تائید الٰہی سے مؤید ہو کر مظفر و منصور ہوا۔ تین ہزار مجاہدین نے جرعۂ شہادت نوش فرمایا جن میں حضرت عکرمہؓ بن ابوجہل اور عکرمہ کے فرزند عمرو بن عکرمہ اور ان کے عم محترم حضرت سلمہ بن ہشام بھی داخل تھے۔ (ابن اثیر)

رومیوں نے یرموک میں منہزم ہو کر ایک اور فوج گراں منظم کی جس نے مرج الصُفّر کے مقام پر مسلمانوں سے مقابلہ کیا۔ یہ ہلال محرم سنہ ۱۴ھ کا واقعہ ہے۔ نصاریٰ شکست کھا کر ایسے بھاگے کہ دمشق اور بیت المقدس تک راستہ میں کوئی چیز انھیں نہ روک سکی۔ حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ اسی معرکہ میں شہید ہوئے۔ انھوں نے اسی رات جس کی صبح انھوں نے شربت شہادت نوش فرمایا جناب عکرمہ رضی اللہ عنہ بن

ابو جہل کی بیوہ محترمہ اُمِ حکیم رضہ بنت حارث بن ہشام سے شادی کی تھی۔ جب اُمِ حکیم رضہ کو شوہر کے قتل کی خبر ہوئی تو وہ اپنے خیمہ کا چوب اکھاڑ کر کفار پر حملہ آور ہوئیں اور اسی سے اعدار کو مارنے لگیں۔ کہتے ہیں کہ انھوں نے اسی چوب سے اس دن سات آدمی ہلاک کیے۔ اس وقت ان کے چہرۂ مبارک پر خَلُوق ملا ہوا تھا (فتوح البلدان) خَلوق ایک قسم کے خوشبودار اُبٹنا کو کہتے ہیں جس میں زعفران جزءِ اعظم ہوتا ہے۔ عربوں میں رواج ہے کہ شبِ عروسی میں دلہن کے چہرے پر ملتے ہیں۔

جس وقت خالد رضہ بن سعید نے جرعۂ شہادت نوش فرمایا تھا، اُس وقت وہ تلوار صَمصامہ سے مسلح تھے۔ معاویہ بن ابی سفیان رضہ نے یہ تلوار لے لی اور کئی سال تک اپنے قبضے میں رکھی۔ خالد اور معاویہ رضی اللہ عنہما کی قرابت یہ تھی کہ خالد رضہ کا دادا عاص اور معاویہ رضہ کا دادا حرب حقیقی بھائی اور اُمیّہ کے بیٹے تھے۔ جب سے معاویہ رضہ نے اس تلوار پر قبضہ کیا تھا حضرت خالد رضہ کے برادر زادہ سعید بن عاص بن سعید بن عاص بن اُمیہ جو عہد عثمانی میں کوفہ کے عامل تھے، ان سے اس کا مطالبہ کر رہے تھے لیکن معاویہ رضہ اغلباً اس تلوار پر اپنے دو حق جتلاتے ہوں گے۔ ایک یہ کہ وہ بھی سعید بن عاص رضہ شہید کے قرابت دار ہیں اور دوسرے یہ کہ وہ مرجُ الصُفر کی جنگ میں خالد کے دوش بدوش غزا تھے۔

کئی سال کے بعد جب حضرت عثمان ذوالنورین رضہ نے اورنگ خلافت کو زینت بخشی تو سعید بن عاص بن سعید بن عاص بن اُمیہ نے

دربار خلافت میں معاویہ رض کے خلاف دعویٰ دائر کیا۔ گو معاویہ رض بھی خالد شہید سے نسبی تعلق رکھتے تھے لیکن مدعی سعید بن عاص کا حق ان سے فائق تھا۔ اس لیے امیر المومنین رض نے مدعی کے حق میں فیصلہ کیا اور امیر معاویہ رض کو بادلِ ناخواستہ تلوار واپس دینی پڑی۔

جن ایام میں اعدائے ملت نے امام شہید حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مکان کا محاصرہ کر رکھا تھا، ان دنوں ایک موقع پر مروان زخمی ہو گیا تھا اور سعید بن عاص نے بھی چوٹ کھائی تھی اور گر کر بے ہوش ہو گئے تھے ان کی بے ہوشی کے وقت قبیلہ جُہینہ کے ایک شخص نے صمصامہ پر قبضہ جما لیا اور ایک زمانہ تک یہ اس کے پاس رہی۔ لیکن جب وہ ایک مرتبہ اس کو صیقل کرانے کے لیے صیقل گر کے پاس لے گیا تو صیقل گر کو یقین نہ آیا کہ ایسی شاندار تلوار کا حقیقی مالک یہ جُہینی ہو گا۔ وہ اس کو لے کر مروان بن حَکَم کے پاس گیا جو ان ایام میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مدینہ منورہ کا حاکم تھا۔ مروان نے جہینی سے دریافت کیا تو اس نے اس کا سارا ماجرا کہہ سنایا۔ مروان نے کہا ارے خدا کی قسم! یوم الدّار کو میری تلوار بھی چوری گئی تھی اور سعید بن عاص کی بھی۔ سعید بلائے گئے تو انہوں نے اپنی تلوار پہچانی۔ چنانچہ یہ ان کے حوالے کر دی گئی۔

اب سعید بن عاص رض نے اس پر اپنی مُہر لگائی۔ سعید کے مرنے کے بعد یہ تلوار مدت تک عاص بن امیّہ کی اولاد میں گردش کرتی رہی۔ آخر سعید بن عاص کی اولاد میں سے ایک شخص ایّوب نے یہ تلوار مہدی عباسی

کے ہاتھ خلیفہ ہارون رشید کا باپ تھا اسّی ہزار درہم سے زیادہ قیمت پر فروخت کر دی۔ خلیفہ مہدی نے اس پر از سر نو سونے کا کام کرایا۔ پھر یہ تلوار خلیفہ موسیٰ الہادی کے پاس آئی۔ وہ اس تلوار کو دیکھ کر اتنا گرویدہ ہوا کہ وقت کے ایک مشہور شاعر ابو الہول کو اس کی تعریف میں کچھ کہنے کا حکم دیا چنانچہ اس نے اس کی صفت پر ایک نظم لکھی جو بلاذری نے فتوح البلدان میں نقل کی ہے۔ پھر یہ تلوار خلیفہ واثق باللہ کو ورثہ میں ملی (فتوح البلدان)

فصل ۲۰

مدینہ منورہ کی حفاظت کے لیے بند بندھوانا

خلافت عثمانی کی ایک مشہور یادگار وہ بند بھی ہے جو حضرت خلافت مآبؓ نے مدینہ منورہ کی حفاظت کے لیے بندھوایا تھا۔ کہتے ہیں کہ جب یہود عہد اسلام سے پہلے مدینہ منورہ آئے تھے تو اس وقت ایک ایسی نشیب

زمین میں اُترے تھے جہاں انہیں طرح طرح کی تکلیفوں کا سامنا رہا۔ انھوں نے ایک ہوشیار آدمی کو اس کام پر متعین کیا کہ قیام کے لیے کوئی اور موزوں مقام تلاش کرے۔ وہ پھرتا پھراتا عالیہ کے پاس بُطحان اور مہزور نام کی دو وادیوں میں پہنچا جن میں سنگلاخ زمین سے برآمد ہو کر نہایت خوش گوار میٹھا پانی ہر وقت آہستہ آہستہ چلتا رہتا تھا۔ اس نے واپس جا کر ان کو مژدہ سنایا کہ میں تمھارے لیے بڑی پاک طیّب جگہ دیکھ کر آیا ہوں اور وہاں کی مفصل کیفیت بیان کی۔ وہ لوگ اُس جگہ سے اٹھ کر وہاں منتقل ہو گئے۔ بنو نضیر اور ان کے ساتھی تو بُطحان میں فروکش ہوئے اور قُریظہ اور ہَذل نے مہزور میں طرح اقامت ڈالی۔ (معجم البلدان)

مہزور سے بھی کبھی ایسا خطرناک سیلاب مدینہ منورہ کی طرف آیا کرتا تھا کہ اس سے شہر کی آبادی کو سخت نقصان برداشت کرنا پڑتا تھا نیز مسجد نبوی کو اس سے صدمہ پہنچنے کا خدشہ رہتا تھا۔ ایک مرتبہ خلافت عثمانی میں مہزور میں اتنا سیلاب آیا کہ مدینۃ الرسول بالکل ڈوبنے کے قریب ہو گیا اس دائمی مصیبت کا سدّباب کرنے کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے شہر سے تھوڑے فاصلہ پر مدری کے قریب ایک بند بندھوا دیا اور نہر کھود کر سیلاب کا رُخ دوسری طرف پھیر دیا۔ اس بند کو بند مہزور کہتے ہیں۔ اور فی الحقیقت رفاہ عام کی تعمیرات میں یہ کام حضرت ذوالنورین رض کے کارناموں میں سب سے روشن کارنامہ ہے۔ (فتوح البلدان ووفاء الوفاء بحقوق دار المصطفیٰ)

اس واقعہ کے قریباً سوا سو سال بعد یعنی ۱۵۶ھ میں بھی سیلاب کی وجہ سے مدینہ منورہ کو از سر نو سخت خطرہ لاحق ہوگیا تھا۔ ان ایام میں، خلیفہ ابوجعفر منصور عباسی کی طرف سے مدینہ منورہ کا صوبہ دار عبد الصمد بن علی بن عبد اللہ رض بن عباس رض تھا۔ اس نے لوگوں کی جان و مال کی حفاظت کا انتظام کرنے کے لیے عبد اللہ بن ابو سلمہ عُمری کو بھیجا۔ عبد اللہ نے موقع پر پہنچ کر لوگوں کو خطرے سے نکالا۔ اس وقت پانی حضرت سید موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقات میں بھر چکا تھا۔ اہل عالیہ میں سے ایک بڑھیا نے عبد اللہ بن ابو سلمہ کو ایک جگہ کا پتہ بتایا جس کا تذکرہ وہ لوگوں سے سُنا کرتی تھی۔ وہ جگہ کھودی گئی تو وہاں سے پانی کو باہر نکلنے کا راستہ مل گیا اور سارا پانی وادی بُطحان کی طرف بہ گیا۔ کھُور سے مذینب تک ایک پہاڑی راستہ ہے جس میں پانی جمع ہو جاتا ہے (فتوح البلدان)

یہاں یہ بتا دینا بھی بے محل نہ ہوگا کہ اہل مدینہ کو اس وادی کے سیلاب سے آب پاشی میں مدد بھی ملتی تھی۔ چونکہ زمینیں ایک سطح پر نہیں تھیں اور ان مزارعین کو جن کی زمینیں نشیب پر تھیں پانی نہ پہنچنے کی شکایت رہتی تھی۔ پیشوائے امت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بغرض محاکمہ اس کے جھگڑے پہنچتے رہتے تھے آپ کا ایک فیصلہ کتاب مشکوۃ المصابیح سے نقل کیا جاتا ہے:-

عمرو بن شعیب نے اپنے باپ سے اور شعیب نے اپنے والد محمد

بن عبداللہ بن عمرو سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مہزور کے پانی کی نسبت یہ فیصلہ کیا کہ ان مواضع میں جو بالاتر ہیں ان کا پانی اس حد تک روکا اور بند کیا جائے کہ آدمی کے ٹخنوں تک پہنچ جائے (یعنی اوپر والا اپنے کھیت میں ٹخنوں تک پانی بھر کر) ان زمینوں کی طرف چھوڑ دے جو نشیب میں ہیں۔ رواہ ابو داؤد وابن ماجہ۔

فصل ۲۱

طرابلس الشام کی تسخیر

اہل عرب طرابلس کو اطرابلس باضافۂ الف کہتے ہیں۔ طرابلس دو ہیں۔ طرابلس المغرب اور طرابلس الشام طرابلس الشام جو حمص سے مغرب کی طرف اور بیروت سے بجانب شمال بحر روم کا ایک ساحلی مقام ہے' اس کی فتح کا حال یہاں لکھا جاتا ہے۔ ساحل بحر کے قریب قریب تمام حصے امیر معاویہ رض کی عمل داری میں داخل ہو چکے تھے۔ البتہ طرابلس الشام باقی تھا جس کی نسبت خدشہ تھا کہ کسی وقت قیصر روم یا کوئی اور

مغربی طاقت اچانک فوجیں اتار کر مشکلات کا موجب نہ بنے۔ اس لیے امیر معاویہ رضہ نے خلافتِ عثمانی کے آغاز میں اس کی تسخیر کا قصد کیا۔

چنانچہ سفیان بن مُجیب اُزدی کو طرابلس کی طرف بھیجا۔ بلاذری کا بیان ہے کہ یہ تین قلعوں کا مجموعہ تھا۔ سفیان نے اس سے چند میل کے فاصلہ پر ایک چراگاہ میں ایک قلعہ بنوایا اور اس کا نام حصنِ سفیان رکھا۔ جب اپنی حفاظت کا سامان مہیا ہو گیا تو اہل شہر پر سمندر وغیرہ کی طرف سے رسد بند کر کے ان کا محاصرہ کر لیا۔ جب اس حصار سے ان کو تکلیف پہنچنے لگی تو وہ تینوں قلعوں میں سے ایک قلعہ میں جمع ہو گئے اور قیصر روم سے مدد بھیجنے کی درخواست کی۔ اور اس کو لکھ بھیجا کہ یا تو ہماری مدد کو آؤ، ورنہ ہمیں جہاز بھیجو کہ ہم ان میں بیٹھ کر تمہارے پاس بھاگ آئیں۔"

قیصر روم نے ان کے پاس بہت سے جہاز بھیج دیے جن میں وہ راتوں رات سوار ہو کر بھاگ گئے۔ سفیان کا معمول تھا کہ رات اپنے قلعہ میں گزارتے اور تمام مسلمانوں کو بھی اس میں محفوظ کر دیتے۔ پھر جب دن طلوع ہوتا تو قلعہ سے برآمد ہو کر دشمن پر حملہ آور ہوتے۔ جب دن نکلا تو سفیان نے دیکھا کہ وہ لوگ جس قلعہ میں تھے بالکل خالی پڑا ہے۔ سفیان نے اس میں داخل ہو کر شہر پر قبضہ کر لیا اور امیر معاویہ رضہ کو اس فتح کی بشارت دی۔ امیر معاویہ رضہ نے یہود کی ایک بڑی جماعت یہاں آباد کر دی۔ یہ وہی قلعہ ہے جس میں آج کل بندرگاہ ہے۔

(فتوح البلدان)

فصل ۲۲

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کا تقرر

حضرت عمر فاروق رضی اللہ نے وصیت کی تھی کہ میرے بعد جو خلیفہ ہو وہ میرے عاملوں کو کم از کم ایک سال تک اُن کے عہدوں پر بحال رکھے۔ کسی کو برطرف نہ کرے۔ اسی بنا پر حضرت عثمان رضہ نے ایک سال تک سابق نظم و نسق کو بحال رکھا۔ اس میں کسی قسم کا تغیر نہ کیا۔ جب ایک سال کی مدت منقضی ہو گئی تو مغیرہ بن شعبہ رضہ کو ۲۵ھ میں معزول کر دیا اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو جو عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں ان کی جگہ متعین فرما دیا (ابن کثیر و ابن اثیر)

حضرت عمر رضہ نے یہ بھی وصیت کی تھی کہ جو کوئی میرے بعد خلیفہ ہو، اُس پر لازم ہے کہ وہ سعد بن ابی وقاص رضہ کو حکومت کا عہدہ دے اور میں نے سعد رضہ کو کسی بُرائی یا خیانت کی بنا پر معزول نہیں کیا تھا۔ پس سب سے پہلا عامل جس کو وصیتِ فاروقی کے ماتحت حضرت عثمان رضہ نے مقرر فرما کر بھیجا وہ حضرت سعد رضہ تھے۔ (ابن اثیر)

مغیرہ بن شعبہ رض کی معزولی کا باعث حضرت ذوالنورین رض نے یہ بیان کیا کہ میں نے مغیرہ کو کسی خیانت یا جرم میں برطرف نہیں کیا بلکہ عمر فاروق رض کی وصیت کے پیش نظر یہ تقرری اور معزولی وجود میں آئی (ابن خلدون) یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ ان ایام میں عرب کے اندر چار اشخاص ایسے تھے جن کو دہاۃ العرب کہتے تھے۔ یعنی جو فن سیاست و تدبیر میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ امیر معاویہ، عمرو بن عاص، مغیرہ بن شعبہ اور زیاد بن سمیہ (اسد الغابہ) حضرت عمر رض نے زیاد کے سوا تینوں کو حکومت کے عہدے دیے چونکہ یہ لوگ صاحب اذعا بھی تھے، اس لیے فاروق اعظم رض نے ان کو ممالک محروسہ میں عامل بنا کر ان پر قابو رکھا کہ کسی قسم کی خودسری نہ کرنے پائیں۔

لیکن جناب عثمان رض کا مطمح نظر حضرت عمر رض کی مصلحت اندیشی سے جداگانہ تھا۔ ذوالنورین رض ہمیشہ اس بات کو ملحوظ رکھتے تھے کہ زیادہ وفادار اور اطاعت شعار رہنے کے علاوہ کس عامل کی ذات سے اسلام کو زیادہ عروج و اقبال نصیب ہو سکتا ہے؟ پس اغلب یہ ہے کہ حضرت ذوالنورین نے مغیرہ رض کو اپنے معیار پر پورا اور اپنے ڈھب کا حاکم نہ پا کر معزول کیا ہوگا۔

فصل ۲۳

عمّوریہ پر امیر معاویہؓ کا حملہ

جن ایام میں قیصر قسطنطینِ اول نے شہر قسطنطنیہ آباد کیا ہے' اس سے پہلے اٹلی یا اطالیہ کی ایک ہی عظیم الشان متحدہ سلطنت تھی جس کو رُوم یا رومن امپائر کہتے تھے اور رومہ اس کا دار السلطنت تھا۔ لیکن کچھ زمانہ کے بعد قیصر کے دو بیٹوں کی باہمی نزاع نے سلطنت کو مغربی اور مشرقی دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ مغربی روم کا دار الحکومت رومہ رہا جس کے ماتحت اٹلی کے یورپی مقبوضات تھے اور مشرقی روم کا دار السلطنت قسطنطنیہ قرار پایا جس کو آرمینیہ۔ ایشیا کوچک، شام، مصر اور دوسرے ایشیائی و افریقی ممالک کی فرمانروائی سپرد ہوئی۔ اس تاجدار کو عام طور پر لوگ قیصر رُوم کے لقب سے یاد کرتے تھے۔

عہد نبوی اور خلافتِ راشدہ کے ایام میں قیصر قسطنطنیہ کا نام ہرقل یا ہرقلس تھا۔ ہرقل کے دو دار الحکومت تھے۔ قسطنطنیہ اور انطاکیہ گمان غالب یہ ہے کہ وہ موسم گرما قسطنطنیہ میں گزارتا تھا اور جاڑوں میں

انطاکیہ چلا آتا تھا۔ جب مسلمانوں نے عہد فاروقی میں شام اور دوسرے
قیصری مقبوضات پر یلغار کی اُن ایام میں قیصر روم یعنی شاہ ہرقل انطاکیہ
ہی میں اقامت فرما تھا۔ ۱۵ھ میں جب سنا کہ یرموک کے میدان جنگ میں
۴۲ ہزار مسلمانوں نے اس کی دو لاکھ فوج کو تہس نہس کر دیا تو وہ خوف زدہ
ہو کر انطاکیہ سے قسطنطنیہ بھاگ گیا۔ انطاکیہ آج کل ترکی عمل داری میں
داخل ہے اور دار الصدر انقرہ سے قریباً ۱۵۰ میل جنوب مغرب کی طرف
واقع ہے۔

جس طرح عساکر اسلامی نے عہد فاروقی میں تاج قیصری کے
دو بیش بہا ہیرے یعنی شام اور مصر چھین لیے تھے، اسی طرح مسلمانوں
نے عہد عثمانی میں بھی قیصر روم کو شمالی افریقہ اور آرمینیہ کی شہنشاہی سے
محروم کر دیا تھا۔ ہرقل کو مسلمانوں کی طرف سے صرف یہی چرکے نہیں لگے
تھے بلکہ امیر معاویہ رض والی شام نے ایشیائے کوچک میں پیش قدمی کر کے
خاص قیصری سلطنت کے جگر میں بھی ہاتھ ڈالا تھا۔ امیر معاویہ رض عموریہ
تک برابر بڑھتے چلے گئے۔ رومیوں پر ایسا رعب چھایا کہ رومی لشکر انطاکیہ
اور طرسوس کے تمام درمیانی قلعے بھی خالی کر کے بھاگ گیا۔ (ابن خلدون)
ابن خلدون نے اس لشکر کشی کی کوئی تاریخ نہیں بتائی۔ لیکن
بلاذری نے لکھا ہے کہ جب معاویہ رض نے ۲۵ھ میں عموریہ پر حملہ کیا تو
انطاکیہ اور طرسوس کے درمیان تمام قلعے خالی پائے، اس لیے واپسی تک کے
لیے ان میں شام، جزیرہ اور قنسرین کی ایک ایک جماعت متعین کر دی (فتوح البلدان)

عموریہ قیصری دار السلطنت انطاکیہ سے پچاس ساٹھ میل کی مسافت پر شمال میں ہے۔ انطاکیہ عہد فاروقی میں حضرت ابو عُبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں فتح ہوا تھا۔ اب عہد عثمانی میں امیر معاویہ رضؓ نے اس سے بھی آگے پچاس ساٹھ میل تک پیش قدمی کی۔

فصل ۲۴

فتح رے کی تکمیل

رَے بالفتح وہی شہر ہے جسے امام ابو حاتم رازی اور رئیس المفسرین امام فخر الدین رازی شافعی رہ اور تاج المفسرین جصاص رازی حنفی وغیرہم کے مرز د بوم ہونے کا فخر حاصل ہے۔ یہ شہر دریائے جیحون کے ساحل پر بخارا کے سامنے اس طرح واقع ہے کہ جیحون دونوں کے درمیان حایل ہے۔ رَے پر ابتدائی لشکر کشی کا واقعہ یہ ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عمار بن یاسر رضؓ کو جوان کی طرف سے کوفہ کے عامل تھے حکم بھیجا کہ عُروہ بن زید طائی کو آٹھ ہزار سپاہ کے ساتھ رَے بھیجو۔

جب عُروہ فوج لے کر پہنچے تو دَیلم ان کے مقابلہ پر جمع ہوئے اور اہل رَے نے ان کی مدد کی لیکن خدائے عزیز نے مسلمانوں کو مظفر و منصور کیا۔ اس معرکہ نے دَیلم اور اہل رَے کی قوت بالکل توڑ دی۔ ایک بڑے رئیس فرخان بن زینبدی کے پاس ایک مضبوط قلعہ تھا۔ وہ بھی اسلامی لشکر سے معرکہ آرا ہوا لیکن ہزیمت کھا کر اس پر صلح کر لی کہ وہ ذمی ہو گا۔ اور جزیہ و خراج ادا کیا کرے گا۔ اسی کے ساتھ اس نے اہل رَے و قُومِس کی طرف سے پانچ لاکھ درم کی رقم اس غرض سے پیش کی کہ ان میں سے نہ کسی کو قتل کیا جائے۔ نہ گرفتار کیا جائے اور نہ ان کا کوئی آتش کدہ منہدم کیا جائے۔ عُروہ نے یہ درخواست بھی قبول کر لی۔

اس کے بعد جب حضرت عمرؓ نے عمار کو معزول کر کے مغیرہ بن شعبہ کو کوفہ کا والی مقرر کیا تو مغیرہ نے اپنی جانب سے کثیر بن شہاب حارثی کو رَے کا عامل مقرر کر کے بھیجا۔ کثیر رَے پہنچے تو انھوں نے اس کے باشندوں کو برسر بغاوت پایا۔ جب اہل رَے کی طرف سے اطاعت و انقیاد کی کوئی علامت ظاہر نہ ہوئی تو ناچار برسر مقابلہ ہوئے۔ لڑائی ہوئی اور اہل رَے ذلیل و مقہور ہو کر اطاعت پر مائل ہوئے اور ادائے جزیہ و خراج پر معاہدہ کر لیا۔

کہتے ہیں کہ کثیر بن شہاب جو رَے اور قزوین وغیرہ کا والی تھا حسین و جمیل اور صاحب عزم سردار تھا لیکن لنگڑا اور سخت بخیل آدمی تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ میرے سوا کوئی لنگڑا ایسا نہ ہو گا جو اپنے گھر والوں پر

بار نہ ہو۔ جب وہ گھوڑے پر سوار ہوتا تو اس کی ننگڑیاں پوری طرح جم جائیں جب فوج کشی کرتا تو اس کی فوج کے ہر سپاہی کے پاس یہ چیزیں لازماً موجود ہوتیں۔ ڈھال، زرہ، خود، سُوا، پانچ سوئیاں، ریشم کے تار، سُتلی یعنی رسّی، قینچی، توبرا اور ٹوکری۔ اس کے بخل کی نسبت کہتے ہیں کہ اس کے پاس ایک گھر اباد یہ تھا جو اس کے سامنے رکھا جاتا تھا۔ جو کوئی اس کے پاس جاتا تو وہ ازراہ بخل کہتا کہ کم بخت دُور ہو۔ کیا تیری آنکھیں ہماری ہی طرف لگی ہوئی تھیں۔ ایک دن اس نے غلام سے کہا کھانا لاؤ۔ غلام نے کہا کہ روٹی اور ساگ کے سوا اور کچھ نہیں۔ کہنے لگا کہ کیا میں نے محض ساگ کے لیے فارس اور روم سے جنگ کی تھی؟۔

۲۴ھ میں اہل رے نے از سر نو علم بغاوت و خودسری بلند کیا جب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ دوسری مرتبہ کوفہ کے والی مقرر ہوئے تو انھوں نے رے پر لشکر کشی کی اور وہاں کے سرکشوں کو مقہور و منقاد کر کے واپس گئے۔ الغرض اہل رے ہمیشہ بغاوت کرتے اور مفتوح و مقہور ہوتے رہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے واقعۂ شہادت کے بعد رے والوں نے پھر علم خودسری بلند کر دیا اور یہ ان کی آخری بغاوت و سرکشی تھی۔ امیر المومنین عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے اپنے عامل کوفہ ابوموسیٰ اشعریؓ کے نام فرمان بھیجا کہ وہ قرظہ بن کعب انصاری خزرجی کو ایک لشکر گراں کے ساتھ رے بھیجیں اور اگر ضرورت ہو تو کمک کے لیے لکھ بھیجیں۔ حضرت

قرظہ رضہ جو فضلائے صحابہ میں سے تھے غزوۂ اُحُد میں سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک غزارہ چکے تھے۔ امیر المومنین عثمان رضہ نے ان کا انتخاب اس لیے بھی موزوں خیال فرمایا کہ وہ عہد فاروقی میں بھی رَے کی ایک جنگ میں شرکت فرما چکے تھے۔ الغرض حضرت قرظہ وہاں پہنچے، سرکشوں کو مار مار کر ان کے پرخچے اڑادیے یہاں تک کہ ان کی بغاوت وخود سری کا جذبہ بالکل فنا ہو گیا اور وہ ہمیشہ کے لیے پوری طرح مطیع ہو گئے (فتوح البلدان وغیرہ)

فصل ۲۵

مسجد الحرام کی توسیع

اسلام میں مسجد الحرام کی سب سے پہلی توسیع سنہ ھ میں حضرت عمر فاروق رضہ کے عہد خلافت میں ہوئی تھی۔ بلاذری ناقل ہیں کہ زمن رسالت اور عہد صدیقی میں مسجد حرام کے گرد کوئی دیوار نہیں تھی۔ حضرت عمر رضہ نے توسیع مسجد کے لیے قرب وجوار کے مکانات خریدنے کا قصد

فرمایا۔ اب قیمتوں کا سوال تھا۔ امیر المومنین نے چند ثقہ افراد نامزد کیے کہ جتنی قیمتیں وہ مقرر کریں گے اتنی رقم بیت المال سے ادا کر دی جائے گی۔ چنانچہ قیمتیں مقرر کی گئیں لیکن مالکوں نے مقررہ قیمتوں پر بیچنے سے انکار کیا۔ حضرت عمرؓ کو یہ ناگوار ہوا لیکن پھر انھوں نے وہی مقررہ قیمتیں منظور کرلیں۔ یہ مکانات منہدم کر کے مسجد میں شامل کیے گئے۔ اب امیر المومنین کے حکم سے ایک دیوار بنوائی گئی جو قد آدم سے کم تھی۔ اس پر چراغ رکھے جاتے تھے۔ (فتوح البلدان)

دوسری توسیع عہد عثمانی میں ہوئی ۲۶ھ میں حضرت عثمان رضؓ عمرہ کے قصد سے مکہ مبارکہ آئے۔ رات کے وقت طواف اور سعی فرما کر صبح صادق سے پہلے حلال ہوگئے اور عمرہ سے فراغت پائی۔ امیر المومنین رضؓ نے محسوس کیا کہ اسلام کو جو غیر معمولی وسعت ہوتی جا رہی ہے، اس کے لحاظ سے مسجد الحرام کی عمارت کافی نہیں رہی، اس لیے توسیع کا قصد فرمایا اور حکم دیا کہ مسجد کے ارد گرد کے تمام مکانات خرید کر مسجد میں شامل کیے جائیں۔ (روضۃ الاحباب)

عہد فاروقی کی طرح اب بھی مکہ مکرمہ کے چند ممتاز آدمی قیمتیں مقرر کرنے پر متعین ہوئے اور انھوں نے نہایت عدل و انصاف کے ساتھ قیمتیں متعین کر دیں لیکن مالکوں نے ان قیمتوں پر مکان بیچنے سے انکار کیا اور بیت اللہ کے پاس آکر شور مچانے لگے اور اپنی منہ مانگی قیمتیں وصول کرنے پر اصرار کیا۔ حضرت عثمان رضؓ نے فرمایا کہ یہ میرا حلم اور بُردباری ہے جس نے تمھیں اتنا جری بنا دیا ہے۔ یہی بات مجھ سے پہلے عمرؓ نے کی تھی اور

تم راضی ہو گئے تھے؟ لیکن ان پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔ امیر المومنین رضہ نے مانعین کو بہتیرا سمجھایا کہ وہ مقررہ قیمتیں لے کر مکانات خالی کر دیں لیکن وہ اپنی ہٹ سے باز نہ آئے۔ چونکہ آفاق عالم کے زائرین کے لیے مسجد کی توسیع ناگزیر تھی، حضرت خلافت مآب رضہ نے حکم دیا کہ سب کو قید کر دیا جائے۔ عبداللہ بن خالد بن آسید نے ان کی رہائی کے لیے گفتگو کی اور ان کو رہا کیا گیا (فتوح البلدان)

شاہ ولی اللہؒ کا بیان

ابن اثیر نے بھی اختصار کے ساتھ یہ واقعہ اسی طرح سپرد قرطاس کیا ہے۔ لیکن شاہ ولی اللہ رحہ نے اس بیان کی تردید کی ہے اور اس کی صحت سے بشدت انکار فرمایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ وہ لوگ اپنے اپنے گھر فروخت کر چکے تھے۔ لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ حکومت لوگوں کی منہ مانگی قیمتوں پر خریدنے کو تیار تھی تو دو چند قیمتیں وصول کرنے کی طمع میں اپنے قول و قرار سے پھر گئے۔ چونکہ ان کی بیع مکمل ہو چکی تھی، امیر المومنین نے ان کے مزید مطالبہ زر کو مسترد فرما دیا اور جب وہ ہٹ سے کسی طرح باز نہ آئے تو ان کے قید کرنے کا حکم دیا۔ پس یہ قطعی ممکن نہیں کہ کسی کی زمین جبراً لی گئی ہو اور اگر ایسا ہوتا تو سر طرف سے مخالفت کا طوفان امنڈ آتا۔ (ازالۃ الخفاء)

بلاذری رحہ لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان رضہ سب سے پہلے خلیفہ تھے جنھوں نے مسجد حرام میں رواقیں بنوائیں۔ یہ تعمیر بھی اسی وقت مکمل ہوئی جب مسجد کی توسیع کی گئی۔ (فتوح البلدان)

خلیفہ ولید بن عبد الملک نے بھی اپنے عہد سلطنت میں مسجد حرام وسیع کی اور اس کے لیے سنگِ رُخام کے ستون اور پتھر بھیجے۔ اس کے بعد خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی نے ۱۳۹ھ میں مسجد حرام میں اضافہ کیا۔ پھر جب خلیفہ مہدی عباسی نے اپنے ایک قرابت دار جعفر بن علی کو مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور یمامہ کی حکومت سپرد کی تو سلیمان نے مسجد حرام اور مسجد نبوی دونوں میں توسیع کی۔ اس کے بعد ہارون رشید کے پوتے خلیفہ متوکل علی اللہ نے رخام کعبہ کی تجدید کی اور اس کے لیے چاندی کا حلقہ بنوایا اور تمام دیوار و اور چھتوں پر زرّین پوششیں چڑھائیں۔ یہ کام اس سے پہلے کسی نے نہیں کیا تھا۔ مزید براں ستونوں پر دیبا کے غلاف بھی چڑھائے۔ (فتوح البلدان)

درِ کعبہ کا بلند کیا جانا

کہتے ہیں کہ کعبہ معلّٰی کا دروازہ حضرت ابراہیم خلیل علیہ السّلام اور جرہم اور عمالیق کے عہد سے قریش کی تعمیر تک زمین پر تھا اور کوئی کرسی نہیں تھی۔ قریش کے ایک رئیس ابو حُذیفہ بن مغیرہ نے ایک مرتبہ مجمع قریش میں کہا اے قوم! کعبہ کا دروازہ بلند کر دو۔ اس سے یہ فائدہ ہو گا کہ جن لوگوں کا آنا تمہیں پسند نہ ہو گا وہ اندر داخل نہ ہو سکیں گے اور اگر کبھی کوئی ایسا شخص اندر آجائے گا جس کی آمد تمہیں پسند نہ ہو گی تو اس صورت میں تم اسے اوپر کو نیچے پھینک سکو گے اور وہ بلندی سے گر کر دوسروں کے لیے باعثِ عبرت ہو گا۔ چنانچہ قریش نے کعبہ کا دروازہ کرسی دے کر بلند کر دیا۔

(فتوح البلدان)

بعد کی تبدیلیاں

حضرت سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضہ سے فرمایا تھا کہ اگر تمہاری قوم قریش مشرف باسلام ہونے میں قریب العہد نہ ہوتی تو میں موجودہ عمارت کعبہ کو منہدم کرا کر اس کو انہی بنیادوں پر استوار کرا دیتا جن پر ابراہیم علیہ السلام نے اس کو تعمیر فرمایا تھا۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضہ کے خواہر زادہ عبداللہ بن زبیر رضہ نے جو ۶۴ھ سے ۷۳ھ تک ممالک اسلامیہ کے فرمانروا تھے عزم کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس آرزو کو عملی جامہ پہنا ئیں۔ سیوطی لکھتے ہیں کہ انھوں نے کعبۂ معلیٰ کی تجدید کرتے وقت حضرت خلیل علیہ السلام کے زمانہ کے موافق اس کے دو دروازے بنوا دیے اور اپنی خالہ حضرت عائشہ رضہ سے سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی مبارک معلوم کر کے حجر کو بھی کعبہ میں داخل کر دیا (تاریخ الخلفاء) حجر کو اس لیے داخل کیا کہ انھوں نے کعبہ کی بنیاد حجر سے متصل پائی تھی اور یہ وہی بنیاد تھی جس پر ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی تشئید فرمائی تھی۔ ابن زبیر رضہ نے ایک جدت یہ کی کہ کعبہ کے دروازوں پر سونے کے پترے جڑوائے اور ان کے لیے سونے کی کنجیاں بنوائیں۔ (فتوح البلدان)

معلوم ہوگا کہ معاویہ بن یزید بن معاویہ کے مرنے کے بعد مروان جو حضرت عثمان رضہ کا عم زاد بھائی تھا عنانِ حکومت ہاتھ میں لے کر مصر اور شام پر قابض ہوگیا تھا اور مرنے کے وقت اپنے بیٹے عبدالملک کو ولی عہد بنا گیا تھا۔ عبداللہ بن زبیر برابر خلیفہ رہے یہاں تک کہ عبدالملک بہت

زور پکڑ گیا اور اس نے حجاج بن یوسف کو چالیس ہزار فوج دے کر ان سے لڑنے کو بھیجا۔ حجاج نے آتے ہی مکہ معظمہ کو جو ابن زبیرؓ کا دار الخلافہ تھا محصور کر لیا اور منجنیق لگا کر پتھر برسانے شروع کیے۔ ابن زبیرؓ گرفتار ہو کر سولی پر چڑھائے گئے اور تمام ممالک اسلامیہ پر عبدالملک کی حکومت قائم ہو گئی۔ (تاریخ الخلفاء)

حملہ آور فوج کی سنگ باری سے کعبہ معلّٰی کو بہت نقصان پہنچا تھا اس لیے عبدالملک نے حکم بھیجا کہ کعبہ کو از سر نو تعمیر کیا جائے۔ چنانچہ ۷۳ھ میں حجاج نے کعبہ کو منہدم کیا اور اس کو از سر نو انہی بنیادوں پر تعمیر کرا دیا جن پر قریش نے بنایا تھا۔ اور حجر کو اس میں سے خارج کر کے اسی ہیئت و وضع پر بنا دیا جس پر عہد حاضر میں ہے۔ اس کے بعد عبدالملک کہا کرتا تھا کہ یہ میری بڑی عزیز خواہش ہے کہ کعبہ معلّٰی کو از سر نو اسی وضع پر تعمیر کروں جس پر ابن زبیرؓ نے اس کی تشئید کی تھی (فتوح البلدان)

غلافِ کعبہ یہاں ضمناً غلاف کعبہ کے متعلق بھی کچھ لکھا جاتا ہے۔ جاہلیت میں کعبہ کی پوشش کبھی تو چمڑے کے ٹکڑے ہوتے تھے جنھیں سی کر باہم ملا دیتے تھے اور اس کو نطع کہتے تھے اور کبھی غلاف نفیس قسم کے یمنی ریشمین کپڑے سے بناتے تھے جو معافر کے نام سے موسوم ہوتا تھا۔ بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک قسم کے یمنی کپڑوں کا غلاف چڑھایا۔ پھر حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے قباطی کے غلاف چڑھائے یزید بن معاویہ نے پوشش کعبہ کے لیے دیبائے خسروانی کا غلاف تیار کرا کر

بھجوایا۔ اس کے بعد عبداللہ بن زبیر رضؓ نے اور ان کے بعد حجاج دیبائے غلاف چڑھائے۔ پھر بنو امیہ نے اپنی عملداری میں وہ غلاف چڑھائے جو اہلِ نجران بھیجتے تھے (فتوح البلدان)

حضرت عمر رضؓ کا معمول تھا کہ ہر سال نیا غلاف چڑھاتے وقت پرانی پوشش اتار لیتے تھے اور اس کے ٹکڑے حاجیوں میں تقسیم کر دیتے تھے حضرت عثمان رضؓ بھی یہی کرتے رہے۔ بنو امیہ کا بھی یہی معمول تھا لیکن بنو عباس میں یہ طریقہ بند ہو گیا۔ (فاکہی)

فصل ۲۶

حکومت کوفہ پر ولید بن عقبہ کی سرفرازی

جناب ذوالنورین رضؓ نے ۲۶ھ میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ فاتح ایران کو کوفہ کی حکومت سے معزول کر کے ولید بن عقبہ کو وہاں کا عامل بنا دیا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ جناب سعد رضؓ نے بیت المال سے ایک بڑی رقم قرض لی تھی۔ جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ مہتمم بیت المال نے

اس رقم کا تقاضا کیا تو ناداری کا عذر کر کے بروقت ادا کرنے سے قاصر رہے
اس پر دونوں میں بات بڑھی اور سخت کلامی تک نوبت پہنچی۔ حضرت
سعد رضؓ کے برادر زادہ ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص اس مجلس میں موجود
تھے۔ وہ دونوں سے خطاب کر کے کہنے لگے کہ آپ حضرات رسول امین
صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور امت کے لیے نمونہ ہیں، اس لیے آپ
حضرات کو ایسے امور سے حذر کرنا چاہیے جو آپ کی عظمت شان کے
منافی ہوں۔" حضرت سعد رضؓ کے مزاج میں کسی قدر حدت تھی۔ انھوں نے
فرط غیظ میں جناب عبداللہ رضؓ پر بددعا کرنے کے لیے ہاتھ اٹھائے اور کہا
اے آسمانوں کے اور زمین کے پروردگار! ابھی اتنا ہی کہنے پائے تھے کہ
حضرت عبداللہ رضؓ نے ان کے ہاتھ پکڑ لیے اور فرمایا بندۂ خدا! منہ سے
اچھی بات نکالو اور لعنت کرنے سے بچو۔ سعد رضؓ نے کہا واللہ! اگر خدائے
قہار کا خوف نہ ہوتا تو میں تم پر ایسی بددعا کرتا جو کبھی خطا نہ جاتی۔ یہ سن کر
حضرت عبداللہ بعجلت تمام وہاں سے چل دیے۔

اب جناب عبداللہ رضؓ کو صحیح طور پر یہ خطرہ درپیش تھا کہ اگر
بیت المال سے قرض دینے کا معاملہ امیر المومنین کے سمع مبارک تک
پہنچا تو وہ سخت ناخوش ہوں گے، اس لیے بعض مقتدر ہستیوں سے
درخواست کی کہ وہ سعد رضؓ سے کہہ کر بیت المال کی رقم جلد واپس
کرنے کا انتظام کرا دیں۔ اس کے برخلاف حضرت سعد رضؓ نے بعض
ممتاز افراد سے کہا کہ تم عبداللہ رضؓ کو مہلت دینے کے لیے کہو۔ جب

عامۃ المسلمین کو اس قرضہ کا حال معلوم ہوا تو بعض لوگ حضرت ابن مسعود رض پر حرف گیری کرنے لگے اور دوسروں نے حضرت سعد رض کو ملزم گرداننا شروع کیا۔

شدہ شدہ یہ قصہ دربار خلافت تک جا پہنچا۔ حضرت خلافت مآب دونوں بزرگوں پر سخت برہم ہوئے اور حضرت سعد رض کو معزول کرکے ولید بن عقبہ کو جو حضرت عمر رض کے عہد خلافت سے عرب الجزیرہ کا حاکم چلا آتا تھا عامل کوفہ بنا دیا۔ اور گو حضرت عبداللہ رض سے بھی اظہار ناراضی فرمایا لیکن چونکہ ان کی غلطی کی نوعیت محض بے احتیاطی تھی، اس لیے ان کو عہدہ پر برقرار رکھا۔ جب ولید نے آکر حضرت سعد رض سے دفتر تفویض کرنے کو کہا تو وہ بولے کیا تم پہلے سے زیادہ عاقل ہوگئے ہو یا مجھ میں جہل وحماقت پیدا ہوگئی ہے؟ ولید نے کہا اے ابو اسحاق! ان دونوں میں سے کوئی بات بھی نہیں، بلکہ زمانہ رنگ بدلتا رہتا ہے۔ (ابن اثیر)

یاد رہے کہ ولید بن عقبہ امیر المومنین عثمان رض کا سوتیلا بھائی تھا یہ دونوں اروی بنت کریز کے بیٹے تھے جو سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپی زاد بہن تھیں۔

اس واقعہ میں یہ درس عبرت وموعظت پنہاں ہے کہ مسلمان کو حتی الامکان قرض سے بچنا چاہیے اس بارہ میں ہادی انام صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی ہمارے لیے دلیل راہ ہیں۔

فصل ۲۷

آذربیجان کی دوبارہ تسخیر

پہلوی لغت میں آذر آگ کو کہتے ہیں اور بائیگان کے معنی محافظ و نگاہ دارندہ کے ہیں۔ چونکہ اس صوبہ میں اسلام کی آمد سے بیشتر آتش کدوں کی کثرت تھی، اس بنا پر اس کا نام آذر بائیگان ہو گیا جس کو عربوں نے اپنی زبان میں آذربیجان کر لیا۔ اوائل میں اس کا صدر مقام مراغہ تھا پھر کچھ زمانہ تک اردبیل رہا اور آج کل تبریز ہے اسلامی عمل و دخل سے بیشتر آذربیجان مفصلہ ذیل سولہ اضلاع پر مشتمل تھا۔ طبرستان، رے، قزوین، زنجان، قم، اصفہان، ہمدان، نہاوند، دینور، حلوان، ماسندان، مہرجان، قذق، شہر زور، صامغان اور آذربیجان۔

آذربیجان کی ابتدائی تسخیر اس طرح ہوئی کہ امیر المومنین عمر فاروق رض نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک مقتدر صحابی حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ آذربیجان پر فوج کشی کریں۔ حضرت حذیفہ رض وہاں کے دار الحکومت اردبیل پہنچے۔ یہ دیکھ کر مرزبان نے

ایک انبوہ جمع کر کے مقابلہ کیا اور شکست کھائی۔ آخر آٹھ لاکھ درہم سالانہ خراج دینے کا وعدہ کر کے ان شرائط پر صلح کرنی چاہی کہ وہاں کے کسی، باشندہ کو قتل یا قید نہ کیا جائے گا۔ ان کا کوئی آتش کدہ منہدم نہ ہوگا انھیں ان کی عیدوں اور تیوہاروں میں رقص وغیرہ کرنے کی آزادی رہے گی۔" جناب حُذیفہ رض نے یہ تمام شرطیں منظور فرمائیں اور معاہدۂ صلح لکھا گیا۔ حضرت حُذیفہ نے اس کے بعد موقان اور جیلان پر حملہ کیا اور ہر جگہ فتح وکامرانی کے پھریرے اُڑائے۔

جب حضرت حذیفہ رض نے ان فتوحات سے فراغت پائی تو فاروق اعظم رض نے ان کو مدینہ منورہ بلا لیا اور عتبہ بن فرقد سلمی کو آذربیجان کا مستقل والی مقرر کر کے روانہ فرما دیا۔ عتبہ وہاں پہنچے تو اہل آذربیجان کو برسر نقض پایا۔ اس لیے انھوں نے دوبارہ فوج کشی کر کے اس کو از سرِ نو فتح کیا (فتوح البلدان)

ابو عثمان نہدی کا بیان ہے کہ عُتبہ نے فتح آذربیجان کے بعد حضرت عمر فاروق رض کے لیے مٹھائی کی دو سفطیں اپنے حُریت یافتہ غلام کے ہاتھ روانہ کیں۔ جب یہ مٹھائی مدینہ منورہ پہنچی تو حضرت عمر رض نے کھولنے کا حکم دیا اور مٹھائی چکھ کر فرمایا کہ مزا تو اچھا ہے لیکن کیا یہ چیز تمام مہاجرین نے سیر ہو کر کھائی ہے؟ غلام نے کہا نہیں یہ صرف آپ کے لیے ہے۔ اس پر خلافت مآب نے مٹھائی واپس کر دی اور لکھ بھیجا اے اُم عتبہ کے بیٹے! تو مٹھائیاں کھاتا ہے جو نہ تیری اپنی کوشش کا پھل ہے۔ نہ تیری ماں کی

محنت و مشقت کا اور نہ تیرے باپ کی جدّ و جہد کا۔ ہم ایسی کوئی چیز نہیں کھاتے جو تمام مسلمانوں کے گھروں میں کافی مقدار میں نہ ہو۔ (فتوح البلدان)

جب حضرت عمرؓ نے اس سرائے فانی سے رحلت فرمائی تو اہل آذربیجان نے اُن کی وفات سے جَری ہو کر دوبارہ اُس معاہدے سے رُوگردانی کی جس پر اہل اسلام نے ان سے عہد فاروقی میں مصالحت کی تھی اس لیے امیر المومنین حضرت عثمان ذوالنورین رضؓ نے ولید بن عُقبہ عامل کوفہ کو لشکر کشی کا حکم دیا۔ (تاریخ ابن کثیر)

اس یورش میں اشعث بن قیس ولید کے ساتھ تھے۔ عبداللہ بن شُبَیل احمسی لشکر کے مقدمہ پر تھا۔ اس نے سب سے پہلے اہل موقان اور باشندگانِ بَبر و طیلسان پر تاخت کر کے غنیمت حاصل کی اور بہتوں کو قیدی بنایا۔ یہ دیکھ کر اضلاع آذربیجان کے باشندے سخت مرعوب ہوئے اور از سرِنو صلح کی درخواست کرنے لگے۔ عبداللہ نے ان سے انہی شرائط پر پھر صلح کر لی جو پہلی مرتبہ حضرت حُذیفہ رضؓ سے طے ہوئے تھے (فتوح البلدان و ابن اثیر)

جب آذربیجان پوری طرح مسخر و مفتوح ہو چکا تو ولید بن عُقبہ نے اشعث بن قیس کو آذربیجان کا والی بنا کر کوفہ کو مراجعت کی لیکن کچھ دنوں کے بعد وہاں کے باشندوں نے پھر نقضِ عہد کیا، اس لیے اشعث نے ولید کو کمک کے لیے لکھ بھیجا۔ ولید نے ایک جیشِ عظیم کوفہ سے روانہ کیا۔ اشعث نے چپّہ چپّہ زمین میں وہاں کے بغاوت شعار رئیسوں کا تعاقب کیا اور سب کی

گوش مالی کر کے ملک کو روند ڈالا۔ آخر انھوں نے انہی شرائط پر از سر نو سراطاعت وانقیاد خم کر دیا جو اس سے پیشتر حضرت حذیفہ رض اور عتبہ بن فرقد سے طے ہوئے تھے۔ اب اشعث نے یہاں عربوں میں سے اہل عطا اور اہل دیوان کو آباد کیا اور ان کو حکم دیا کہ لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دیں (فتوح البلدان)

آذربیجان کی مکرر تسخیر کے بعد امیر المومنین عثمان رض کی باقی ماندہ مدت خلافت میں اشعث بن قیس ہی آذربیجان کے والی رہے۔ اشعث کی ایک لڑکی امیر المومنین حضرت عثمان ذوالنورین رض کے ایک صاحب زادہ سے بیاہی گئی تھی۔ حضرت عثمان رض کے حادثۂ شہادت کے بعد امیر معاویہ رض نے اشعث سے بیعت کا مطالبہ کیا لیکن انھوں نے کوفہ جا کر حضرت علی رض کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اشعث کی ایک چھوٹی صاحب زادی حضرت علی بن حسین معروف بہ امام زین العابدین رح کی زوجیت میں تھیں۔ (الاخبار الطِوال)

فصل ۲۸

شُعَیبیہ کے بجائے جدّہ کو مکّہ کی بندرگاہ بنانا

خلافت عثمانی سے پہلے مکہ معظمہ کی بندرگاہ جہاں سے لوگ سمندر پار کے ملکوں کو آتے جاتے تھے قدیم الایام سے شعیبیہ چلی آتی تھی۔ چنانچہ اوائل دعوت میں جب دوسرے مسلم بلاکشوں کی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قریشی جابرہ کے پنجہ ستم کی سختیاں سہتے سہتے ترکِ وطن پر مجبور ہوئے تو وہ اپنی رفیقۂ حیات سیدہ رقیہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کو ساتھ لے کر شعیبیہ ہی کی بندرگاہ سے عازم حبش ہوئے تھے۔

یہ بندرگاہ مکہ معظمہ سے کسی قدر زیادہ فاصلہ پر تھی، اس لیے اہل مکہ کی خواہش تھی کہ بندرگاہ ساحلِ بحر کی کسی قریب ترین آبادی میں ہو۔ اس ضرورت کے پیش نظر اہل مکہ کا ایک وفد ۲۶ھ میں مدینہ منورہ پہنچا اور امیر المومنین حضرت عثمان ذوالنورین رض سے درخواست کی کہ شعیبیہ کے بجائے جدّہ کو مکہ معظمہ کی بندرگاہ قرار دیا جائے۔" حضرت خلافت مآب نے

فرمایا کہ میں جدہ کا موضع اور محلِ وقوع دیکھ کر ہی کچھ فیصلہ کرسکوں گا۔ چنانچہ اس کے بعد کسی موقع پر وہاں تشریف لائے اور جدّہ کو بندرگاہ کے لیے بہت موزوں پاکر فرمایا کہ یہ بابرکت موقع و محل ہے اور سمندر میں اُتر کر پہلے خود غسل کیا۔ پھر اپنے رفقائے سفر سے فرمایا کہ تم لوگ بھی نہانے کے لیے سمندر میں اترو۔ عہد جاہلیت میں دوسروں کے سامنے برہنہ غسل کرنا کسی درجہ میں بھی معیوب نہیں خیال کیا جاتا تھا اس لیے امیرالمومنین نے از راہِ احتیاط پہلے ہی برملا کہہ دیا کہ ہر شخص چادر پہن کر نہائے اور پھر صاف لفظوں میں یہ بھی فرمادیا کہ خبردار کوئی شخص برہنہ غسل کرکے عہد جاہلیت کی رسم کہن کو تازہ نہ کرے۔

حضرت خلافت مآب رضہ اس کام سے فراغت پاکر جدہ سے روانہ ہوئے اور عسفان کے راستے مدینۃ الرسول کو مراجعت فرمائی۔ ان ایام سے لوگ شعیبیہ کے ساحل سے غیر مانوس اور بے تعلق ہوگئے اور جدہ کی سر زمین مستقل طور پر مکہ مکرمہ کی بندرگاہ قرار پائی۔

علامہ حموی لکھتے ہیں کہ جدّہ بحرِ یمن کے ساحل پر واقع ہے۔ یہاں جُدّہ بن حزم بن ریّان بن حُلوان بن عمران بن حاف بن قُضاعہ پیدا ہوا تھا، اس لیے یہ موضع جُدّہ کے نام سے موسوم ہوگیا (معجم البلدان)

جدّہ مکہ معظمہ سے ۶۵ میل بجانب مغرب واقع ہے۔ اس کی آبادی قریباً ۳۰ ہزار نفوس پر مشتمل ہے۔ اہل لغت اور اہل جغرافیہ نے جدّہ کو بالاتفاق بضم الجیم لکھا ہے باستثناء صاحب منتخب اللغات کے جن کے

نزدیک یہ لفظ اِس معنیٰ میں بالکسر ہے اور یہاں لاہور کے علمی حلقوں میں عام طور پر بالکسر ہی مشہور رہے۔ جُدہ کوئی نہیں بولتا۔

فصل ۲۹

عبداللہ بن سعد کا عاملِ مصر مقرر کیا جانا

یہ حقیقت باخبر افراد سے مخفی نہیں کہ مصر ایک زرخیز و شاداب ملک ہے لیکن اس کے باوجود مصر سے جو خراج آتا تھا وہ اس کی شادابی کے لحاظ سے کم تھا۔ امیر المومنین عمر فاروق رضؓ نے عمرو بن عاص فاتح مصر کو جو اس وقت عامل مصر تھے لکھ بھیجا کہ مصر نہایت شاداب و زرخیز ملک ہے لیکن اس کی شادابی و زرخیزی کے مقابلہ میں اس کا خراج بہت کم ہے مگر انھوں نے کوئی توجہ نہ کی اور برابر تساہل سے کام لیتے رہے۔ عہد عثمانی میں بھی قلت خراج کی شکایت موجود رہی۔ حضرت عثمان رضؓ نے ان کو بار بار توجہ دلائی لیکن حضرت عمروؓ نے کوئی اعتناء نہ کیا بلکہ آخری مرتبہ بطور دفع الوقتی لکھ دیا کہ گلّے میں اس سے زیادہ دودھ کی گنجایش نہیں۔

امیر المومنین حضرت عمر رض نے اپنے آخری ایام خلافت میں حضرت عثمان ذو النورین رض کے رضاعی بھائی عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح کو مصر کے ایک چھوٹے سے حصہ کا جسے صعید مصر کہتے ہیں والی بنا دیا تھا۔ جب عمرو بن عاص رض کی طرف سے ترقیٔ خراج کی نسبت قطعی انکاری جواب آیا تو ناچار حضرت عثمان رض نے خراج و محاصل کا محکمہ عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح سے متعلق کر دیا۔ عبد اللہ بن سعد نے مداخل کو بہت ترقی دی۔ حضرت عمرو رض کے ایام عمل میں مصر کا سالانہ خراج ایک کروڑ بیس لاکھ دینار تھا۔ عبد اللہ بن سعد کے انتظام و نگرانی میں یہ رقم ایک کروڑ چالیس لاکھ دینار تک پہنچ گئی۔ (کتاب المواعظ و الاعتبار مقریزی)

اور لطف یہ ہے کہ عبد اللہ بن سعد نے زیادتی لگان و محصولات میں رعایا پر کوئی ظلم نہیں کیا تھا بلکہ یہ ترقی محض ان کے حسن انتظام اور خوش تدبیری کی مرہونِ منت تھی۔ لیکن جب سے محکمۂ مال عبد اللہ بن سعد سے متعلق ہوا تھا دونوں میں سخت رقابت و کشیدگی پیدا ہو گئی تھی اور دونوں ایک دوسرے کے خلاف دربار خلافت کو شکایتیں لکھتے رہتے تھے (طبری و ابن اثیر)

امیر المومنین رض نے حکومت کی کل کا صرف ایک پرزہ بدلا تھا۔ اس کے سوا تمام محکمے عمرو بن عاص رض کے دستِ اختیار میں تھے لیکن وہ اس پر قانع و مطمئن نہ تھے۔ انھوں نے امیر المومنین رض کو لکھ بھیجا کہ اس کے

میری حیثیت محض گائے کے سینگ پکڑنے والے کی سی رہ گئی ہے کہ میں سینگ تھامے رہوں اور عبداللہ بن سعد دودھ دوہتے رہیں۔ حضرت عثمان رضؓ اس دوعملی سے تنگ آ گئے اور اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہ دیکھا کہ ایک کو علیحدہ کر دیں۔ چنانچہ ابن عاص رضؓ کو مصر کی حکومت سے برطرف کر کے عبداللہ بن سعد کو وہاں کا مستقل والی بنا دیا۔ (فتوح البلدان)

ایک غالی فرقہ کے پیرو اعتراض کیا کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضؓ نے ایک مرتد شخص کو والیٔ مصر مقرر کر کے مسلمانوں کے سیاہ و سپید کا مالک بنا دیا۔ اس کی نسبت گزارش ہے کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح امیر المومنین کے رضاعی بھائی تھے اور انہی کی تحریک و ترغیب سے مسلمان ہوئے تھے۔ اور اس میں شبہ نہیں کہ فتح مکہ کے دن بارگاہِ نبوت سے ان کے قتل کا حکم صادر ہوا تھا لیکن جب حضرت عثمان رضؓ نے جو خویش و اقارب کی امداد کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے، ان کی جاں بخشی کی سفارش کی تو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو معاف کر دیا تھا۔ اس واقعہ کی تفصیل ان شاء اللہ العزیز آپ کو راقم الحروف کی کتاب "شمائلِ کبریٰ" میں ملے گی۔

عبداللہ اس کے بعد تائب ہو کر بڑے راسخ العقیدہ مسلمان ثابت ہوئے۔ اسی بنا پر حضرت ذوالنورین رضؓ نے ان کو مصر کا مستقل والی بنا دیا۔ پورے مصر کی عنانِ حکومت سنبھالنے کے بعد عبداللہ بن سعد نے

ایسے بڑے بڑے کارنامے ظہور میں آئے جو بعض جلیل القدر صحابہ اور اکابر اہل بیت سے بھی نہ بن پڑے تھے۔ انھوں نے قیصر روم اور دوسرے عیسائی تاجداروں کے ایسے دانت کھٹے کیے کہ پھر کسی کو اسلامی ممالک پر تاخت کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ انھوں نے شمالی افریقہ فتح کیا۔ مدینہ منورہ سے جو لشکر ان کی کمک پر افریقہ بھیجا گیا اس میں سیدا شباب اہل الجنۃ حسن بن علی اور حسین بن علی، عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن جعفر اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم جیسی جلیل القدر ہستیاں بھی داخل تھیں۔ اگر عبداللہ بن سعد کی توبہ درست نہ ہوتی یا وہ فاقدالایمان ہوتے تو اتنے بڑے بڑے اکابر ملت ان کے تحت رہ کر اعداء سے جہاد نہ کرتے۔ اور ان کی لشکر کشی کسی طرح اسلامی جہاد متصور نہ ہوتی اور صحابہ کرام حصول فتح کے بعد مال غنیمت کا حصہ قبول نہ فرماتے حالانکہ ایسا نہ ہوا تھا۔

حضرت مولٰنا شاہ عبدالعزیز دہلوی رح لکھتے ہیں کہ گو عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے ابتدائے امر میں جرم ارتداد کا ارتکاب کیا تھا، لیکن حضرت عثمان رض کی سفارش کے بعد ان سے کوئی ایسا امر شنیع وقوع میں نہ آیا جو ان کے ضعف ایمان پر دلالت کرتا بلکہ اُن کے حسن تدبیر اور خوبی نیت سے مغرب کی تمام سرزمین مفتوح ہوئی اور انھوں نے خزائن وافرہ حضور خلافت میں بھیجے اور بلاد دور دست کو دارالاسلام بنایا۔ یہاں تک کہ جزائر مغرب کو بھی زیرنگین کر کے مال غنیمت مدینہ منورہ روانہ کیا۔ اہل تاریخ لکھتے ہیں کہ

ان کے غنائم سے پچیس لاکھ دینار زرِ سرخ نقد جمع ہوا تھا۔ اور اثاث، پوشاک زیور، مویشی اور دوسرے اصنافِ مال کا تو کوئی شمار ہی نہ تھا۔ عبد اللہ نے ان تمام چیزوں کا پانچواں حصہ بارگاہِ خلافت میں روانہ کیا جو مسلمانوں میں تقسیم ہوا اور باقی چار خمس اپنے لشکر میں بوجہ مشروع تقسیم کیے۔ جس قدر صحابہ اور اولادِ صحابہ نے عبد اللہ کی سپاہ میں شرکت کی، وہ سب ان کے اخلاق و سیرت سے خوش تھے کبھی کسی کو اُن کے اوضاع و اطوار پہ حرف گیری کرنے کی نوبت نہ آئی۔ آخر حضرت عثمان رضؓ کے واقعۂ شہادت کے بعد بقیۃ العمر تادمِ واپسیں عزلت و انزوا میں گزار دی۔ (تحفہ)

یہ امر قابلِ لحاظ ہے کہ جب امیر المومنین حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ بن سعد کو صعیدِ مصر کا والی بنایا تھا، تو کوئی شخص ان کے سابقہ ارتداد کی بنا پر اُن کے تقرر پر معترض نہ ہوا تھا۔ بلکہ عہدِ عثمانی میں جب وہ سارے مصر کے والی بنا دیے گئے تو اُس وقت بھی کسی نے لب کشائی نہ کی تھی، لیکن جونہی سبائی فتنہ انگیزی کی آندھیاں فضائے ملک پر محیط ہوئیں اور ابن سبا کے نشریہ نے لوگوں کے دل و دماغ کو مسموم کیا تو من جملہ دوسرے مطاعن کے یہ اعتراض بھی ہونے لگا کہ امیر المومنین رضؓ نے ایک مرتد شخص کو مصر کا حاکم بنا رکھا ہے۔ حالانکہ اسی مرتد نے دوبارہ مشرف باسلام ہو کر عروجِ اسلام اور تائیدِ دین میں اپنی شجاعت و قابلیت کے وہ جوہر دکھائے کہ مسلمان قیامت تک اُس کے احسانات سے عہدہ برآنہ ہو سکیں گے چہ جائیکہ اُسے الٹا طعن و تشنیع کا آماج گاہ بنایا جائے۔

فصل ۳۰

سکندریہ پر رومیوں کا حملہ

مصر کی قدیم تاریخ

سکندریہ مصر کی مشہور بندرگاہ ہے۔ مصر ان ممالک میں داخل ہے جو عہد فاروقی میں اسلامی حلقۂ اقتدار میں داخل ہیں۔ ۳۳۲ قبل مسیح میں جب کہ سکندر اعظم نے سکندریہ آباد کیا، مصر سکندری عملداری میں داخل تھا۔ سکندر ۳۲۳ ق م میں مرا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ہرقولوس تخت نشین ہو کر ۳۱۷ ق م میں طعمۂ اجل ہوگیا۔ اس وقت سکندری حکومت کا نظام کمزور ہو چکا تھا، اس لیے بطالسہ برسر اقتدار آگئے۔ بطالسہ کی حکومت ۳۰۵ ق م سے ۳۰ ق م تک رہی۔ اس خاندان میں بارہ بادشاہ ہوئے۔ ان سب کا لقب بطلیموس تھا۔

بطلیموس یازدہم کا عہد ۵۱ ق م ۴۷ ق م تک رہا۔ چونکہ یہ بادشاہ کم عمر تھا، سلطنت کے اختیارات اس کی شہرۂ آفاق بہن قلوبطرہ کو

حاصل تھے۔ بطلیموس یازدہم کے بعد یہاں رومی قابض ہو گئے جو ۳۰ ق م سے عہد فاروقی تک رہے۔ جن فرمانرواؤں کو سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتی خطوط بھیجے تھے، اُن میں مصر کا موجودہ حاکم مقوقس بھی داخل تھا اس نے اسلام تو قبول نہ کیا لیکن آپ سے اظہار عقیدت کیا اور آپ کی خدمت میں تحائف بھیجے۔

عَمرو بن عاص رضؓ کی پیش قدمی

فتح شام کے بعد عَمرو بن عاص رضؓ نے بارگاہِ خلافت میں درخواست کی کہ لشکرِ اسلام کو مصر پر پیش قدمی کرنے کی اجازت دی جائے امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضؓ نے اس بارے میں استخارہ کیا اور جب فتح و نصرت کی غیبی بشارت ملی تو انھیں مصر پر حملہ کرنے کی اجازت دے دی۔ ابن عاص نے ۱۹ھ میں چار ہزار مجاہدین کے ساتھ پیش قدمی شروع کی اور مصر کے حدود میں داخل ہو کر شہر عریش کو بسہولت فتح کر لیا۔ پھر فرما کی طرف بڑھے جو جالینوس کی رصد گاہ اور مدفن ہونے کے باعث ممتاز شہروں میں شمار کیا جاتا تھا۔ مقوقس کی فوجوں نے مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی۔ فرما کے بعد اور بلاد و امصار فتح کرتے کرتے الیونہ جسے آج کل فسطاط کہتے ہیں، اس کا محاصرہ کیا۔ مقوقس اسلامی لشکر کی آمد سے پہلے قلعہ میں پہنچ چکا تھا اور لڑائی کا بذات خاص بندوبست کر رہا تھا۔

حضرت زُبیر رضؓ کی سرکردگی میں کُمک کی روانگی!

جناب عَمرو بن عاص رضؓ نے قلعہ کے استحکام اور اپنی فوج کی قلت دیکھ کر دربارِ خلافت کو اس کی اطلاع دی اور کمک کے لیے درخواست کی اتفاق سے حضرت زبیر بن عوّام رضؓ نے انہی ایام میں مدینہ منورہ سے باہر کا خیال اٹھا کیہ جانے کا قصد کیا تھا کہ وہاں جہاد فی سبیل اللہ کی سعادت حاصل کر سکیں گے۔ امیر المومنین حضرت عمر رضؓ نے ان سے فرمایا ابو عبداللہ! اگر مصر کی حکومت چاہو تو عَمرو بن عاص رضؓ کی کمک پر جاؤ۔ حضرت زُبیر رضؓ نے فرمایا مجھے حکومت کی خواہش نہیں۔ البتہ مجاہد کی حیثیت سے معاون بن کر جانے کو تیار ہوں۔ اگر عَمرو بن عاص رضؓ مصروفِ کارزار ہوئے تو ان کے ساتھ شریکِ جہاد ہو جاؤں گا اور اگر میرے پہنچنے سے پہلے اُس کو فتح کر لیا تو میں سواحل میں سے کسی طرف جا کر مرابطؔ ہو جاؤں گا۔" اس قرار داد پر حضرت خلافت مآب رضؓ نے ان کو دس ہزار فوج دے کر روانہ کیا۔ (فتوح البلدان)

ؔ مرابط اُس مسلمان کو کہتے ہیں جو کفار کی عملداری کے قریب پہنچ کر اسلامی سرحد پر پہرہ دے اور اس کی چوکیداری اور حفاظت کرے ۱۲

فسطاط کا محاصرہ

جب حضرت زُبیرؓ مصر پہنچے تو اس وقت مسلمانوں نے الیونہ کا جسے آج کل فسطاط کہتے ہیں، محاصرہ کر رکھا تھا۔ چونکہ حضرت زُبیرؓ بڑے رُتبہ کے صحابی اور عشرۂ مبشرہ میں داخل تھے، اس لیے عَمروؓ نے ان کو قائدِ اعلیٰ بنایا اور محاصرہ وغیرہ کے انتظامات ان کے ہاتھ میں دے دیے۔ انھوں نے گھوڑے پر سوار ہو کر خندق کے چاروں طرف چکر لگایا اور جہاں جہاں مناسب خیال کیا فوج متعین کی۔ اس انتظام کے رُو سے ایک طرف حضرت زُبیرؓ نے جنگ شروع کی اور دوسری جانب عَمرو بن عاصؓ نے۔ یہ قلعہ اس قدر مستحکم تھا کہ مہینوں لگ گئے مگر سر نہ ہو سکا۔

قلعہ کی تسخیر

آخر ایک دن حضرت زُبیرؓ نے تنگ آکر کہا آج میں مسلمانوں پر فدا ہوتا ہوں۔ یہ کہہ کر سیڑھی لگائی اور شمشیر بکف فصیلِ قلعہ پر چڑھ گئے۔ چند اور صحابہؓ نے بھی ان کی پیروی کی اور سیڑھیاں لگا کر فصیل پر پہنچ گئے۔ اب ان جاں بازوں نے اس زور کا نعرۂ تکبیر بلند کیا کہ محصورین حواس باختہ ہو گئے اور سمجھے کہ اسلامی لشکر کسی طرف سے قلعہ میں داخل ہو چکا ہے۔ چنانچہ خود ہی بقصدِ فرار دروازے کھول دیے تمام اسلامی لشکر دروازوں کے راستے آناً فاناً قلعہ میں داخل ہو گیا۔ مقوقس نے صلح کی درخواست کی حضرت عَمروؓ نے نہایت آسان شرطیں

منظور کرکے قلعہ پر قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضہ کو عین شمس کی طرف بھیجا۔ انھوں نے جاکر اس کو مسخر و مفتوح کیا۔ (فتوح البلدان)

فتح اسکندریہ

فتح مصر کے بعد حضرت عمرو بن عاص رضہ نے دربار خلافت سے اسکندریہ کی طرف پیش قدمی کرنے کی اجازت چاہی۔ جب حکم آگیا تو مصر میں خارجہ بن حذافہ کو اپنا جانشین مقرر کرکے اسکندریہ کی طرف بڑھے۔ رومیوں اور قبطیوں نے مسلمانوں کو راستہ ہی میں روکنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ آخر کریون کے مقام پر دونوں کی مڈبھیڑ ہوئی۔ مسلمان دشمن کو شکست دے کر آگے بڑھے اور جاکر اسکندریہ کا محاصرہ کرلیا۔ یہی وہ مقام تھا جہاں نصاریٰ کا سب سے بڑا کنیسہ اور مذہبی مرکز تھا اور مقوقس شاہ مصر بھی یہاں آموجود ہوا تھا۔ مقوقس کی دلی خواہش تھی کہ جزیہ منظور کرکے صلح کرلے لیکن قیصر روم کے خوف سے ایسا نہیں کرسکتا تھا اس لیے درخواست کی کہ ایک معین مدت کے لیے عارضی صلح ہوجائے۔ حضرت عمرو رضہ نے میعادی عارضی مصالحت کو مسترد کرتے ہوئے محاصرہ کو جاری رکھا۔

اب مقوقس نے حکم دیا کہ اسکندریہ کی تمام عورتیں شہر پناہ پر چڑھ جائیں اور اس غرض سے کہ پہچانی نہ جاسکیں، داخل شہر کی طرف منہ کرکے کھڑی ہوجائیں اور مسلح مرد خارج شہر کی طرف حملہ آوروں کے آمنے سامنے کھڑے ہوں تاکہ مسلمان کثرت فوج کا دھوکا کھا کر مرعوب ہوں۔ عمرو رضہ نے

کہلا بھیجا کہ تم نے جو کارروائی کی وہ ہم نے دیکھی لیکن آج تک ہم جس کسی پر غالب آئے ہیں اپنی کثرتِ تعداد کے بل پر نہیں آئے۔ ہم تمہارے بادشاہ ہرقل سے لڑ چکے ہیں۔ اس کا جو حشر ہوا وہ دنیا جہان نے دیکھ لیا۔ "مقوقس نے ارا کینِ سلطنت کو اس پیغام سے مطلع کر کے کہا یہ دعویٰ بالکل صحیح ہے۔ واقعی یہ قوم ہمارے بادشاہ کو قسطنطنیہ تک پہنچا چکی ہے۔ اس لیے مناسب حال اور قرینِ دانش یہ ہے کہ ہم بھی اطاعت کریں۔ لیکن اہل دربار نے اس تجویز کو مسترد کر دیا اور لڑنے پر آمادگی ظاہر کی۔

آخر تین مہینے کے شدید محاصرہ کے بعد حضرت عمرو رض نے اسکندریہ کو بزور تیغ فتح کر لیا لیکن نہ باشندوں کو قتل کیا اور نہ کسی کو لونڈی غلام بنایا بلکہ جزیہ منظور کر کے رعایا کو ذمی بنا لیا اور سب کو امان دی گئی۔ اب عمرو رض نے معاویہ بن خدیج کندی کے ہاتھ نامۂ فتح مدینہ منورہ روانہ کیا، اور انہی کی وساطت سے مال غنیمت کا خمس بھی بھیجا۔ مدینۃ الرسول ؐ میں اس فتح پر بڑی خوشیاں منائی گئیں اور امیر المومنین حضرت عمر رض نے ابن عاص رض کو حکومت مصر پر سرفراز فرما دیا۔ (فتوح البلدان)

اہل اسکندریہ کا نقضِ عہد

یہ تو مصر اور اسکندریہ کی فتح کی کیفیت تھی جو عہد فاروقی میں ہوئی۔ اب اہل اسکندریہ کے نقضِ عہد کا حال سنو جو حضرت عثمان رض کی خلافت میں ظہور پذیر ہوا۔ مصر اور اسکندریہ پر مسلمانوں کا عمل و دخل وہاں کے رومی عیسائیوں پر سخت شاق تھا۔ اس لیے

وہ در پردہ اپنے آپ کو قیصر ہرقل ہی کے ماتحت سمجھتے اور اس سے خط و کتابت کرتے رہے۔ آخر ہرقل کو جو قسطنطنیہ میں تھا مسلمانوں کی قلت تعداد کی خبر دی اور اپنی ذلت اور ادائے جزیہ کا حال لکھ بھیجا۔ قیصر نے طیش میں آکر ۲۵ھ میں مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنے ایک نامور و معتمد سپہ سالار منویل کو تین سو جہازوں کے ساتھ جو چیدہ چیدہ جنگ آزماؤں سے بھرے ہوئے تھے روانہ کیا۔

رومیوں کی ظلم رانی

منویل اس لشکر جرار کے ساتھ اسکندریہ کے ساحل پر اُترا۔ اور اسکندریہ پر قبضہ کرنے کے بعد مسلمانوں کی محافظ فوج چوکی کے سپاہیوں کو تہ تیغ کر دیا۔ اس کی دست برد سے صرف وہ سپاہی بچ سکے جو کسی حیلہ سے بھاگ نکلے تھے اب رومیوں نے اسکندریہ کے توابع و مضافات میں ہر طرف قتل و نہب کا بازار گرم کر دیا اور رعایا برایا میں سے کوئی ایسا متنفس نہ رہا جو ان کی ظلم آرائیوں سے مامون ہو۔ (ابن خلدون)

ابن عاصؓ کی طلبی

جب عبداللہ بن سعد عامل مصر کو ان حالات کی اطلاع ملی تو انہوں نے بڑی عجلت سے ایک بڑی جمعیت کے ساتھ اسکندریہ پہنچنے کا قصد کیا۔ حضرت ابن عاصؓ حکومت مصر سے ابھی ابھی معزول ہوئے تھے۔ اہل مصر نے امیرالمومنین حضرت عثمانؓ سے درخواست کی کہ ابن عاصؓ کو عارضی طور پر اتنی مدت کے لیے بحال کر دیجیے کہ وہ رومیوں کی جنگ سے فارغ ہوں کیونکہ انہیں

جنگ کا ڈھب خوب آتا ہے اور اعدائے دین کے دلوں پر اُن کی ہیبت چھائی ہوئی ہے۔" امیر المومنین رضؓ نے اس درخواست کو شرف قبول بخش کر ابن عاص رضؓ کو لکھ بھیجا کہ وہ لشکر لے کر رومیوں کے مقابلہ پر جائیں۔ (فتوح البلدان)

ان کی جگہ کوئی اور ہوتا تو ایسے نازک وقت میں امتثالِ امرِ قطعی انکار کر دیتا لیکن حضرت ابن عاص رضؓ بھی ان حضرات کے زمرہ میں داخل تھے جنھوں نے ہادئ انام صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن ہدایت میں تربیت پائی تھی اور جو اپنے جذبات و امیال پر قومی ضروریات اور ملی خدمات کو بہر حال مقدم رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ انھیں قطعاً یہ گوارا نہ تھا کہ جہاد فی سبیل اللہ کے موجودہ سنہری موقع کو ہاتھ سے جانے دیں۔

اس لیے کفار کے جہاد پر معاً تیار ہو گئے اور جھٹ پندرہ ہزار کا لشکر لے کر اسکندریہ کا رُخ کیا۔

یہاں آنے کے بعد حضرت عمرو رضؓ کے پاس ہر طرف سے شکایتیں پہنچیں کہ اسکندریہ پر عمل و دخل کرنے کے بعد رومی جنگ آزماؤں نے مضافات کے دیہات میں سخت دھما چوکڑی مچا رکھی ہے اور رعایا پر بڑے بڑے ظلم توڑے جا رہے ہیں۔ مسلمان پتہ لگا کر ان کے پیچھے گئے اور حملہ آور ہو کر ان کے پرخچے اڑا دیئے۔ رومی منہزم ہو کر ایسی بُری طرح بھاگے کہ اسکندریہ پہنچ کر دم لیا

سکندریہ کی دوبارہ تسخیر

رومی اسکندریہ آکر قلعہ بند ہو گئے اور ہر جگہ عرادے نصب کر دیے۔ اُس زمانہ میں عرادہ منجنیق سے چھوٹا ایک قلعہ گیر آلۂ جنگ ہوتا تھا جس سے مخالف پر سنگ اندازی کرتے تھے۔ اسکندریہ میں جس قدر رومی تھے، وہ بھی اپنے مذہبوں سے مل گئے۔ رومیوں نے فصیل کو سخت سنگ اندازی شروع کی۔ مسلمانوں نے بہادری اور جانبازی کا ثبوت دیا اور منجنیق لگا کر قلعہ کی دیواروں کا بھرکس نکال دیا اور بزور شمشیر قلعہ میں داخل ہو گئے۔ منویل مارا گیا اور مسلمانوں نے رومی جنگ آزماؤں کا خوب صفایا کر کے شہر پر از سر نو عملی دخل کر لیا۔ جناب عمرو رضہ نے ارادہ کر لیا تھا کہ اگر اب کی مرتبہ موفق حقیقی نے فتح و فیروزمندی بخشی تو آئندہ بغاوتوں کی روک تھام کے لیے فصیل شہر کو مسمار کر دیں گے۔ چنانچہ اس پناہ گاہ کو منہدم کرا کر زمین کے ہموار کر دیا گیا۔ (فتوح البلدان و ابن خلدون)

رعایا کے مال و اسباب کی واپسی

اختتام جنگ کے بعد اہل اسکندریہ نے درخواست پیش کی کہ منویل نے ہم لوگوں کے مال و اسباب چھین لیے تھے اور یہ لوگ آپ کے عہد و ذمہ میں تھے۔ اس لیے ہم کو ہماری ہر چیز واپس ملنی چاہیے۔ چونکہ غنیم کے قبضہ کی ہر چیز اب بطور

مالِ غنیمت مسلمانوں کے قبضہ میں تھی۔ اس لیے حضرت عمرو بن عاص رضؓ نے لوگوں سے شہادتیں لیں جس جس نے اپنے اپنے مال و اسباب کو پہچانا اور شہادت سے اپنی ملک ہونا ثابت کیا، حضرت عمرو رضؓ نے وہ مال و اسباب غنیمت علیحدہ کر کے اس کو فوراً واپس کر دیا اور شہر پناہ منہدم کرا کر مصر واپس آگئے (ابن خلدون)

جب حضرت ابن عاص رضؓ نہایت کامیابی کے ساتھ اس مہم سے فراغت پاکر مصر پہنچے تو امیر المومنین رضؓ نے ان کو لکھ بھیجا کہ وہ کم از کم محکمۂ حرب و دفاع کو اپنے ہاتھ میں رکھ کر زر [illegible] مصر سے توقع پیدا کر لیں لیکن انھوں نے اس پیش کش کو منظور نہ کیا (فتوح البلدان)

فصل ۳۱

فتح افریقہ

عربی تاریخوں میں افریقیہ (افریقہ) کا لفظ جہاں کہیں آیا ہے اس سے مراد شمالی افریقہ یعنی وہ سرزمین ہے جس پر تونس، الجزائر اور مراکش

آباد ہیں۔ حسب بیان ابوعُبید بکری اُندلسی افریقہ کی حد یہ ہے کہ اُس کا طول شرقاً غرباً برقہ سے طنجہ تک اور عرض سمندر سے کوہ ہائے سودان تک ہے (معجم البلدان حموی)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں جناب عَمرو بن عاص رضؓ نے بَرقہ اور طرابلس کی طرف جو پیش قدمی کی، وہ فتح افریقہ کی تمہید تھی۔ ابن عاص رحؒ نے ۲۱ھ یا ۲۲ھ میں بَرقہ کی طرف عنان توجہ معطوف کی تھی۔ اہل بَرقہ نے جو رومیوں کے باج گزار تھے تیرہ ہزار دینار دے کر مسلمانوں سے صلح کرلی تھی (ابن خلدون)

حضرت عَمرو رضؓ نے بَرقہ کے بعد زَوِیلہ کا رُخ کیا اور اس کو فتح کرکے امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضؓ کو لکھا کہ میں نے عُقبہ بن نافع فہری کو مغرب کا والی مقرر کیا ہے۔ وہ زویلہ پہنچ چکے ہیں۔ برقہ اور زویلہ کے درمیان پوری طرح امن قائم ہوگیا ہے اور باشندے پوری طرح مطیع ہوچکے ہیں۔ ان میں سے جن لوگوں نے اسلام قبول کیا ہے انھوں نے زکوٰۃ ادا کردی ہے اور جو معاہد و ذمّی ہیں انھوں نے جزیہ دینے کا اقرار کیا ہے۔ میں نے تمام عاملوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اغنیار سے زکوٰۃ وصول کرکے فقراء و مساکین پہ خرچ کریں (فتوح البلدان)

اس کے بعد حضرت عمرو بن عاص رضؓ نے طرابلس الغرب پر چڑھائی کی۔ یہ خطہ بھی رومیوں کے زیرنگین تھا۔ کئی مہینے تک محاصرہ جاری رہا۔ طرابلس کی شہرپناہ تین طرف سے پختہ بنی ہوئی تھی اور سمندر کی جانب

شہر پناہ کی دیوار نہ تھی۔ اثنائے جنگ میں ایک دن مسلمانوں پر یہ حقیقت منکشف ہو گئی چنانچہ اسی طرف سے حملہ آور ہو کر بزور تیغ شہر میں داخل ہو گئے۔ رومی حکمرانوں کے لیے جہازوں کے سوا کوئی جائے پناہ نہ تھی، اس لیے جتنے رومی شہر میں تھے، معدودے چند کے سوا سب لڑائی کی بھینٹ چڑھ گئے۔ بقیۃ السیف جہازوں میں بیٹھ کر طرابلس سے شہر صبرہ میں جا پہنچے۔ مسلمانوں نے صبح ہوتے صبرہ پر بھی دھاوا بول دیا اور اس کو بزور شمشیر فتح کر کے فتح طرابلس کی تکمیل کر لی (ابن خلدون)

حضرت ابن عاص رضؓ نے طرابلس فتح کرنے کے بعد سبرہ نام ایک شہر پر کسی جارحانہ کارروائی کے بغیر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد امیر المومنین حضرت عمرؓ کو لکھا کہ طرابلس فتح ہو چکا ہے۔ اب یہاں سے افریقہ صرف نو دن کی مسافت پر ہے۔ اگر اجازت ہو تو اس طرف پیش قدمی کی جائے۔" لیکن حضرت عمرؓ نے اس سے انکار کیا کیونکہ شمالی افریقہ کے باشندے شاہ قسطنطنیہ کے باجگذار تھے اور ہمیشہ غدر کرتے رہتے تھے۔ انھوں نے شاہ ہسپانیہ سے بھی صلح کر کے بے وفائی کی تھی۔ حضرت عمرؓ کو ان تمام حالات و واقعات کا بخوبی علم تھا، اس بنا پر حضرت عمروؓ کو لکھا کہ وہاں نہ جاؤ۔ وہ افریقیہ نہیں بلکہ مفرقہ ہے۔ وہ دوسروں سے بے وفائی کرتا ہے اور دوسرے اس سے غدر کرتے ہیں (فتوح البلدان) اور یہ بھی لکھا کہ افریقہ لوگوں کو مجتمع نہیں کرتا بلکہ تفرقہ انداز ہے اور اس کا پانی دل کو سخت کرتا ہے (معجم البلدان) غرض ابن عاصؓ کا سمند فتوحات یہاں پہنچ کر تھم گیا۔

ظاہر ہے کہ خلیفۂ ثانی کے خیالات و جذبات خلیفۂ ثالث سے مخفی نہیں تھے. باوجود اس کے امیر المومنین حضرت عثمان رضؓ کی اولوالعزمی اور بلند ہمتی دیکھو کہ تمام خطرات سے بے پروا ہو کر ایسے کام کی جرأت کی کہ حضرت فاروق اعظم رضؓ جیسی بے مثل ہستی کو بھی جس کا حوصلہ نہ ہوا تھا۔

جب مصر میں جناب عمرو بن عاص رضؓ کا دورِ عمل ختم ہوا اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو یہاں کی حکومت سپرد ہوئی تو حضرت ذوالنورین رضؓ نے ان کو افریقہ پر چڑھائی کرنے کا حکم دیا کیونکہ ان کی یہ بڑی عزیز خواہش تھی کہ وسطی ایشیا کی طرح افریقہ بھی اسلامی تہذیب و تمدن سے رُوشناس اور آسمانی تعلیمات کے نور سے منوّر ہو۔ مولانا شاہ ولی اللہ رحؒ نے ازالۃ الخفا میں لکھا ہے کہ عبداللہ بن سعد کے عامل مصر مقرر کیے جانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ امیر المومنین رضؓ کے زعم مبارک میں افریقہ کی مہم سر کرنے کے لیے وہی موزوں ترین شخص تھے. حضرت عثمان رضؓ نے عبداللہ بن سعد کی ہمت افزائی کے لیے اُن سے وعدہ کیا کہ اگر خدائے عزیز نے تمہیں افریقہ پر غلبہ دیا تو مال غنیمت کے خُمس کا خُمس یعنی پچیسواں حصہ تمہیں حُسنِ خدمت کے صلہ میں انعام دیا جائے گا۔

امیر المومنین نے لشکر کے ایک حصہ کی قیادت عُتبہ بن نافع بن عبدالقیس کو اور دوسرے حصہ کی عبداللہ بن نافع بن حرث کو تفویض فرمائی. دس ہزار کی جمعیت سے عساکر اسلامی نے افریقہ کی طرف کوچ کیا۔ (ابن اثیر و ابن خلدون) اس جیش میں مُعبد بن عباس بن عبدالمطلب

مروان بن حکم، حارث بن حکم۔ مسور بن مخرمہ رضؓ، نوفل بن اُہیب، عبدالرحمٰن بن زید بن خطاب، عبداللہ بن عمر رضؓ، عاصم بن عمرؓ بن خطاب، عبیداللہ بن عمرؓ بن خطاب، عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضؓ، عبداللہ بن عمرو رضؓ بن عاص، بُسر بن ارطاۃ اور ابوذُوَیب بن خویلد بن خالد ہُذلی داخل تھے۔ اس لشکر کشی میں مدینہ منورہ کے گرد و نواح کے عربوں میں سے خلقِ کثیر نے حصہ لیا۔ (فتوح البلدان)

جب یہ لشکر افریقہ کی سرحد پر پہنچا تو باشندگانِ سرحد نے جزیہ دے کر صلح کر لی۔ یہاں پہنچ کر عبداللہ بن سعد نے افریقہ کے اندرونی حصہ ملک میں داخل ہونے کے لیے از سرِ نو دربارِ خلافت سے اجازت طلب کی حضرت ذوالنورین رضؓ نے اربابِ حل و عقد اور اعیانِ صحابہ رضؓ سے مشورہ کر کے مدینہ منورہ سے ایک اور فوج روانہ کی جس میں عبداللہ بن عباس عبداللہ بن جعفر، حسن بن علی، حسین بن علی رضی اللہ عنہم جیسے عمائدِ اہل بیت داخل تھے (ابن خلدون)

اس وقت افریقہ کا فرمانروا جرجیر نام ایک افسر تھا جس کی حکومت طرابلس سے طنجہ تک تھی۔ یہ شخص ہرقل کا ماتحت اور خراج گزار سمجھا جاتا تھا وہ بہت دنوں سے اس کوشش میں منہمک تھا کہ مسلمانوں کو طرابلس اور مصر سے نکال دے۔ چنانچہ اسی کوشش میں اس نے ایک لاکھ بیس ہزار رومی اور بربری فوج جمع کر لی تھی اور مزید جنگی تیاریوں میں مصروف تھا جب اُس نے لشکرِ اسلام کی آمد کی خبر سنی تو اپنی ایک لاکھ بیس ہزار

فوج کے ساتھ نکلا۔ اُس کے دار الحکومت سُبیطلہ سے ایک شبانہ روز کی مسافت پر دونوں لشکروں میں مڈبھیڑ ہوئی۔ عبداللہ بن سعد نے حسب معمول پہلے اُن کو اسلام کی دعوت دی۔ جرجیر نے قبول اسلام سے انکار کیا تو جزیہ دینے کو کہا۔ جب اس کو بھی منظور نہ کیا تو مسلمانوں نے صف آرائی کی اور نہایت تیزی سے لڑائی شروع کر دی (ابن خلدون وغیرہ)

چالیس دن تک فریقین دادِ شجاعت دیتے رہے لیکن کوئی فیصلہ نہ ہوا۔ چونکہ بُعدِ مسافت کے باعث مدت سے کوئی اطلاع مدینہ منورہ نہ پہنچی تھی، حضرت ذوالنورین رضہ مُتردد ہوے اور ایک تیسرا لشکر حضرت عبداللہ بن زُبیر رضہ کی قیادت میں بطور کمک روانہ فرمایا۔ چونکہ حضرت خلافت مآب رضہ کی طرف سے تاکید شدید تھی، اس لیے یہ فوج برق و باد کی سی سرعت کے ساتھ مسافت طے کر کے افریقہ جا پہنچی۔ عساکرِ اسلامی نے تازہ دم فوج کی آمد پر فرطِ مسرت سے نعرہ ہاے تکبیر بلند کیے۔ جرجیر نے تکبیر کی آواز سن کر سبب دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ مدینہ سے تازہ دم فوج مسلمانوں کی مدد کو آئی ہے۔ جرجیر پر اس سے سکتہ کی سی حالت طاری ہو گئی۔

عبداللہ بن زبیر رضہ اگلے دن میدانِ جنگ میں گئے۔ مگر مسلمانوں کے قائد اعظم عبداللہ بن سعد کو نہ پایا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ جرجیر نے اپنے لشکر میں منادی کر رکھی ہے کہ جو کوئی عبداللہ بن سعد کا سر

کاٹ لائے گا، اُس کو ایک لاکھ اشرفی نقد انعام دوں گا اور اس سے اپنی بیٹی کا عقد کر دوں گا۔" اس لیے وہ لشکر کے بیچ میں رہ کر لڑنے کے بجائے پیچھے سے اپنی فوج کو لڑا رہے ہیں۔" یہ سُن کر حضرت ابن زبیرؓ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے پاس آئے اور اُن کو یہ مشورہ دیا کہ آپ بھی اپنے لشکر میں منادی کرا دیں کہ جو شخص جرجیر کا سر لائے گا، اس کو مال غنیمت سے لاکھ اشرفی دے جائے گی اور جرجیر کی مملکت کا فرمانروا بنا دینے کے علاوہ جرجیر کی لڑکی بھی اس کے حوالے کر دی جائے گی۔" قائدِ اعظم نے اس کا اعلان کر دیا اور جھٹ قلب لشکر میں پہنچ کر بذاتِ خود بڑی بہادری سے لڑائی شروع کی۔ جب جرجیر کو اس کی اطلاع ہوئی تو سخت بدحواس ہوا چنانچہ اس کے بعد اس کا معمول ہو گیا کہ لڑائی کے وقت لشکر کے پیچھے معرکہ سے دور کھڑا رہتا۔

اس وقت معمول یہ تھا کہ دونوں لشکر صبح سے ظہر تک مشغول کارزار رہتے۔ جب ظہر کی نماز ہوتی تو مصاف آرائی کو اگلے دن کے لیے ملتوی کر کے اپنے اپنے لشکر گاہوں کو واپس آجاتے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر نے قائدِ اعظم کو یہ رائے دی کہ کار آزمودہ سپاہیوں کی ایک بڑی جمعیت کو خیموں میں رہنے دو اور باقی فوج کو لے کر مقابلہ پر جاؤ اور دشمن سے جی کھول کر لڑو تا آنکہ غنیم تھک کر واپس جائے اور اسلامی سپاہ بھی اپنے فرودگاہ کی طرف لوٹنے۔ اِس وقت وہ آزمودہ کار جنگجو خیموں سے نکل کر دشمن پر شمشیر بکف ٹوٹ پڑیں۔ امید ہے کہ

رب قدیر ہمیں اس تدبیر سے دشمن پر مظفر و منصور کرے گا۔ ورنہ اس صورت سے کہ تم اتنی مدت سے لڑ رہے ہو، جنگ ختم ہوتی نظر نہیں آتی"۔ اعیان صحابہ رضؓ نے بھی اپنی سپاہ کی قلت اور دشمن کی کثرت تعداد کا لحاظ کر کے اس رائے کو پسند فرمایا۔

چنانچہ اگلے دن ایسا ہی انتظام کیا گیا۔ صبح سے ظہر تک لڑائی ہوتی رہی تا آنکہ فریقین اذان ظہر کے بعد تھک کر ایک دوسرے سے علیحدہ ہوئے۔ جب دونوں لشکر اپنے اپنے قیام گاہ میں پہنچنے کے بعد ہتھیار اُتار چکے اور آرام کرنے لگے تو حضرت عبداللہ بن زبیر رضؓ نے جو موقع کے منتظر تھے، معاً اس تازہ دم فوج کو لے کر جو پہلے سے خیموں میں ٹھیرا دی گئی تھی دشمن پر حملہ بول دیا۔ رومیوں اور بربروں کو ہتھیار لگانے کا بھی موقع نہ ملا کہ مسلمانوں نے ان کو قتل اور قید کرنا شروع کر دیا (ابن اثیر و ابن خلدون)

اِس وقت جرجیر صفوفِ جنگ کے پیچھے اپنے خچر پر سوار تھا اور دو لونڈیاں مورچھل سے اس پر سایہ کر رہی تھیں۔ جونہی دشمن کی فوج میں بھاگڑ پڑی، ابن زبیر رضؓ نے عبداللہ بن سعد کے پاس جا کر کہا کہ جھٹ چند جنگجو میرے ساتھ کر دو میں جرجیر کے قتل کو جاتا ہوں۔ چنانچہ چند شہسوار ساتھ ہو لیے اور یہ سب گھوڑے اڑاتے ہوئے جرجیر کی طرف گئے۔ وہ اب تک اس حقیقت سے بے خبر تھا کہ اس کے لشکر کا اگلا حصہ بھاگ کھڑا ہوا ہے، وہ یہ سمجھا کہ کوئی پیغام لے کر آتے ہیں لیکن جلد میں ان کا طرز عمل دیکھ کر بھانپ گیا کہ میری جاں ستانی میں کوشاں ہیں چنانچہ خچر کو ایڑ لگا کر

بھاگا انھوں نے اس کا تعاقب کیا اور حضرت ابن زبیر رضؓ نے اُس کے سر پر پہنچ کر اس کو نیزہ مار دیا اور جب زخم کھا کر گرنے لگا تو اس کو تلوار پر لے لیا اور پُھرتی سے سر کاٹ کر نیزہ پر چڑھا لیا۔

یہ دیکھ کر وہ بربری بھی بھاگنے لگے جو اب تک مقابلہ پر ڈٹے ہوئے تھے۔ مسلمانوں نے تعاقب کر کے ان کو ہر طرف ہلاک اور قید کرنا شروع کیا اموال کثیرہ اور غنائم جمّہ مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ بے شمار قیدی اسیر ہوئے جرجیر کی لڑکی بھی گرفتار ہو کر آئی جو حسبِ اعلان ابن زبیر رضؓ کے حوالے کی گئی۔ یہ سب سے پہلا موقع تھا کہ عبداللہ بن زبیر رضؓ کی شجاعت و بہادری کی چار دانگِ عالم میں دھاک بیٹھ گئی۔ (البدایہ والنہایہ یعنی تاریخ ابن کثیر)

اس جنگ کی بڑی خصوصیت یہ تھی کہ جرجیر نے ایک لاکھ بیس ہزار فوج آتشِ جنگ میں جھونک رکھی تھی اور مجاہدین اسلام کی تعداد اس کا چھٹا حصہ یعنی کل بیس ہزار تھی۔ عبداللہ بن سعد نے حضرت عثمان رضؓ کے وعدہ کے بموجب مالِ غنیمت کا پچیسواں حصہ خود لے لیا اور خمس امیرالمومنین کے پاس مدینہ منورہ بھیجنے کے لیے علیحدہ کر دیا۔ ہر ایک سوار کو تین تین ہزار دینار اور پیدل کو ہزار ہزار دینار ملا۔ اس لڑائی کے بعد افریقہ کے اکثر باشندے حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔ جو اپنے ایمان میں بہت راسخ ثابت ہوئے۔ (تاریخ ابن کثیر) اس لڑائی کو حرب العبادلہ بھی کہتے ہیں کیونکہ اس کے قلب پر عبداللہ بن سعد، میمنہ پر حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ، میسرہ پر حضرت عبداللہ

بن زبیر رضہ اور مقدمہ پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم مصروف جنگ تھے۔ (ابن جریر و ابن اثیر)

اس فتح عظیم کے بعد عبداللہ بن سعد نے مزید پیش قدمی شروع کی اور جاتے ہی جرجیر کے دارالسلطنت سُبَیطلہ کا محاصرہ کیا۔ یہ شہر قیروان سے ستر میل کی مسافت پر ہے (معجم البلدان) اسلامی لشکر نے بہت تھوڑے دنوں میں اس کو فتح کر لیا۔ اب عساکر اسلامی فتح وظفر کے پھریرے اڑاتے ہوئے قَفصہ کی سرحد پر پہنچے اور قلعہ اجَم کا محاصرہ کیا جس کو اہل افریقہ نے فوج اور آلات حرب سے پوری طرح مستحکم کر رکھا تھا۔ اہل قلعہ نے مقابلہ کی تاب نہ لاکر اطاعت کر لی۔ اس کے بعد اہل افریقہ نے بیس لاکھ پانسو دینار جزیہ دے کر مصالحت کر لی۔ (ابن اثیر و ابن خلدون)

عبداللہ بن سعد نے مال غنیمت میں سے زر نقد کا پانچواں حصہ تو خلیفۃ المسلمین کے پاس بھیجنے کے لیے علیحدہ کر دیا۔ لیکن کپڑوں، مویشیوں اور مختلف قسم کے سامان کا پانچواں حصہ بُعدِ مسافت کی وجہ سے پہنچانا مشکل تھا۔ کیونکہ مدینہ منورہ وہاں سے کئی مہینوں کی مسافت پر واقع تھا اور اس کی باربرداری کثیر مصارف چاہتی تھی۔ اس کے علاوہ راستے دشوار گذار تھے جن سے ان چیزوں کا لانا سخت مشقت طلب اور تکلیف دہ تھا۔ ان مشکلات کا اندازہ کر کے عبداللہ بن سعد نے ارادہ کیا کہ اگر کوئی شخص سارا سامان خرید کر اپنی تحویل میں لے لے تو تمام مشکلات سے نجات مل سکتی ہے۔ آخر مروان بن حکم سے جو حضرت ذوالنورین رضہ کے چچا کا بیٹا تھا سودا ہوا

اور اس نے یہ متفرق سامان لاکھ درہم میں خرید لیا۔ عبداللہ بن سعد نے یہ رقم مروان سے وصول کر لی البتہ بہت تھوڑی سی رقم اس کے ذمہ رہ گئی۔ اب مروان بشارتِ فتح کی خبر اور خمس لے کر عازم مدینہ ہوا اور عبداللہ بن سعد سے وعدہ کیا کہ باقی ماندہ قلیل رقم مدینہ منورہ پہنچ کر امیر المومنین رض کو ادا کر دے گا۔

اس وقت مدینہ منورہ کی یہ حالت تھی کہ جب سے فوج افریقہ گئی تھی، وہاں سے کوئی اطمینان بخش خبر نہ آئی تھی اور اہل مدینہ جنگ افریقہ کی صعوبت، وہاں کے بُعدِ مسافت اور دشوار گذار راستوں کا خیال کر کے بہت متردد تھے۔ بلدۃ الرسول میں حضرات مہاجرین و انصار کا کوئی گھرانا ایسا نہ تھا جس کے جگر پارے اس جہاد میں شریک نہ ہوں اور وہ اُن کی خبر نہ آنے پر مغموم اور وقفِ اضطراب نہ ہو۔ آج تک مجملاً یہ خبر آئی تھی کہ مقابلہ بڑا سخت ہے اور کثیر التعداد غازیان اسلام جام شہادت پی چکے ہیں۔ غرض اہل مدینہ افریقہ کی خبر کے لیے ہر وقت چشم براہ اور سخت مضطرب تھے۔

اس اثناء میں مروان اچانک مژدۂ فتح کے ساتھ مدینہ طیبہ پہنچا اس نے ہر گھر میں بشارت و تہنیت پہنچائی اور غازیوں کی چٹھیاں ان کے گھروں میں تقسیم کیں۔ اس وقت بلدۃ الرسول کے مکینوں کو جو خوشی ہوئی وہ بیان سے باہر ہے۔ اس دن ہر شخص مروان کے لیے دعا گو تھا اور ہر جگہ اس کی تعریف ہو رہی تھی۔ جب عین تردد اور پریشانی کے عالم میں

مروان نے مژدۂ فتح کے ساتھ لاکھوں کی رقم امیرالمومنین کی خدمت میں پیش کی تو وہ نہایت محظوظ ہوئے اور مروان کے اس کارنامہ کو دیکھ کر کہ مال غنیمت کی اتنی کثیر رقم غیر معمولی مشکلات کے باوجود پوری امانت و دیانت کے ساتھ صحیح و سلامت پہنچا دی، وہ قلیل التعداد درم جو مروان کے ذمہ واجب الادا تھے اُس کو بخش دیے۔

مولٰنا شاہ عبدالعزیز دہلوی رح لکھتے ہیں کہ امام کو شرعاً اختیار ہے کہ بشارت لانے والوں یا جاسوسوں یا اس قسم کے دوسرے لوگوں کی حوصلہ افزائی کے لیے جو مجاہدین اور ان کے پس ماندوں کی طمانیتِ قلب کا موجب ہوں، بیت المال سے انعام دے۔ باوجود اس کے امیرالمومنین حضرت عثمان رض نے مروان کو جو یہ رقم معاف کی تو وہ صحابہ کرام رض کی موجودگی میں اور تمام اہل مدینہ کی مرضی سے معاف کی (تحفہ)

اوپر لکھا گیا ہے کہ قائد اعظم عبداللہ بن سعد نے حضرت عثمان رض کے وعدہ کے بموجب مال غنیمت کا پچیسواں حصہ خود لے لیا تھا۔ لیکن جب یہ خبر اہل مدینہ کو معلوم ہوئی تو عام مسلمانوں نے حضرت عثمان رض سے آکر اس کی شکایت کی۔ امیرالمومنین رض نے فرمایا کہ اگر یہ عطیہ تمہاری مرضی کے خلاف ہے تو میں اس رقم کو واپس کرا دیتا ہوں۔ لوگوں نے کہا ہم راضی نہیں ہیں۔ فرمایا واپس ہے۔ چنانچہ عبداللہ کو واپس کرنے کا حکم نامہ لکھوا بھیجا اور عبداللہ نے ساری رقم واپس کر دی۔ (ابن جریر طبری)

فصل ۳۲

ہسپانیہ (اسپین) پر فوج کشی

فتح افریقہ کے بعد یورپ کی سرزمین کا دروازہ مسلمانوں پر کھل گیا تھا، اس لیے امیر المومنین حضرت عثمان رضؓ نے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح حاکم مصر کو، جو فتح افریقہ کے بعد ہنوز مصر واپس نہیں آئے تھے حکم بھیجا کہ عبداللہ بن نافع بن حصین فہری اور عبداللہ بن نافع بن عبدالقیس فہری کو مغرب (اسپین) پر حملہ کرنے کے لیے فوراً روانہ کرو۔ حضرت خلافت مآب نے اس فرمان میں لکھا تھا کہ قسطنطنیہ تو بھی آیندہ فتح ہوگا، بالفعل اندلس (اسپین) کی راہ سے سرزمینِ مغرب میں اتر جاؤ۔ تم میں سے جو لوگ اندلس پر پیش قدمی کریں، انھیں انہی لوگوں کے برابر اجر و ثواب ملے گا جو اخیر زمانہ میں قسطنطنیہ فتح کریں گے۔" الغرض ان دونوں فوجی افسروں نے سمندر کی راہ سے اسپین پر جسے عرب اندلس کہتے ہیں فوج کشی کی (ابن کثیر) اس جیش میں بربری نو مسلم بھی کثیر تعداد میں شامل ہوئے تھے (ابن اثیر)

جب اسلامی لشکر ساحلِ بحر پر اترا تو ہسپانیہ کی مسیحی حکومت نے سخت مزاحمت کی، تاہم مسلمانوں نے ہسپانیہ کا ایک ساحلی علاقہ زیر نگین کر لیا۔ اس دن سے اسلام کا قدم مغرب میں جم گیا۔ حضرت عثمانؓ نے افریقہ اور اسپین کے مفتوحہ علاقہ کی حکومت عبداللہ بن نافع بن عبدالقیس کو عطا فرمائی اور عبداللہ بن سعد قریباً سوا سال کے بعد افریقہ سے مصر واپس آئے۔ انھوں نے واپسی پر مال کثیر جو ان کے پیچھے مصر میں جمع ہو گیا تھا مدینہ منورہ روانہ کیا۔ (ابن اثیر و ابن کثیر وغیرہما)

یہی وہ سب سے پہلی فوج کشی تھی جو عہد عثمانی میں اسپین کے خلاف کی گئی۔ لیکن اس کے قریباً پینسٹھ سال بعد یعنی ۹۲ھ میں جب کہ ممالک اسلامیہ کی خلافت ولید بن عبدالملک اُموی کے ہاتھ میں تھی، طارق بن زیاد عامل افریقہ نے اسپین مکمل طور پر فتح کر کے اسلامی عملداری میں شامل کر لیا۔ یہاں اس کی تفصیل کا موقع نہیں ہے۔

فصل ۳۳

امیر معاویہؓ کا سیاسی عروج اور ترقی عز و جاہ

بنو ہاشم اور بنو امیہ

حضرت امیر معاویہ رضؓ خاندان بنو اُمیہ کے چشم و چراغ تھے۔ بنو امیہ کی نسبت پہلی فصل میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ یہاں قارئینِ کرام کی سہولت کے لیے مکرر لکھا جاتا ہے۔

حضرت سید الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے ایک کا نام عبد مناف تھا۔ ان کے دو بیٹے تھے۔ ہاشم اور عبد شمس۔ عبد شمس کا بیٹا اُمیہ تھا جو بنو اُمیہ کا مورثِ اعلیٰ ہے اور ہاشم ہاشمیوں کے جدّ ہیں۔ عہدِ جاہلیت میں ان دونوں قبیلوں کے درمیان ریاست کے مسئلہ پر بہت کچھ مناقشت جاری رہی۔ جب ظہور اسلام پر نبوت بنو ہاشم میں آئی تو ہاشمیوں کا پلہ اپنے حریف کے مقابلہ میں بھاری ہو گیا۔ جذباتِ حسد و کینہ نے بنو امیہ کو سرورِ انام صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی پر برانگیختہ کیا۔

ان کی عداوت کا سلسلہ فتح مکہ تک برابر جاری رہا۔ بنو امیہ کے زعیم ابوسفیان بن حرب بن امیہ تھے۔ اہل مکہ نے خلاصہ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم سے جو جنگیں کیں، اُن میں ابوسفیان بن حرب ہی عموماً ان کے قائد تھے۔ لیکن جب مکہ فتح ہو گیا تو تمام اعدائے دین مشرف با سلام ہو کر اسلامی پرچم کے نیچے آ گئے۔

حضرت مُعاویہ رضؓ کا قبول اسلام

جب سرورِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو اس وقت آپؐ کی طرف سے یہ چار اُموی عمال مختلف مقامات پر حکمراں تھے۔ عتاب بن اسید رضؓ مکہ معظمہ میں، ابان بن سعیدؓ بحرین میں، خالد بن سعید صنعا میں اور ابوسفیانؓ بن حرب نجران میں۔ حضرت معاویہ رضؓ انہی ابوسفیان رضؓ کے فرزند گرامی ہیں۔ حضرت معاویہ رضؓ عہد رسالتؐ کے بالکل آخر میں جرعہ ایمانی سے سرشار ہوئے تھے۔ اس وجہ سے انھیں حضور سیدِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کوئی امتیازی کارنامہ دکھانے کا موقع نہ ملا تھا۔ البتہ عہد صدیقی میں ان کے شجاعانہ جوہر نمایاں ہوئے۔ ذیل میں ضمناً اس کی کچھ تفصیل دی جاتی ہے۔

دِمشق کے معرکوں میں معاویہ رضؓ کی شرکت

شام کی فوج کشی میں امیر المومنین، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مختلف علاقے قائدینِ عساکر میں تقسیم

کر دیے تھے۔ حضرت ابو عُبَیدہ بن الجراح رضہ کو حمص فتح کرنے کا حکم دیا تھا۔ معاویہ رضہ کے بڑے بھائی یزید بن ابو سفیان رضہ کو دمشق کی مہم سپرد ہوئی تھی شُرَحبیل بن حَسَنہ کو اُردن کی سرزمین سونپی گئی تھی اور عَمرو بن عاص رضہ اور علقمہ بن مُجَزِّز کو فلسطین فتح کرنے کا حکم ملا تھا۔ پھر جس سپہ سالار نے جو علاقہ فتح کیا یا اس فتح میں نمایاں حصہ لیا، وہ وہاں کا عامل بنادیا گیا۔ یزید بن ابو سفیان نے دمشق کی تسخیر میں خاص حصہ لیا تھا اس لیے وہ وہاں کے حاکم بنادیے گئے۔ حضرت معاویہ رضہ نے دمشق کے معرکوں میں اپنے بھائی کی رفاقت میں خوب دادِ شجاعت دی تھی (ابن جریر طبری وغیرہ)

امیر مُعاویہ رضہ کی ابتدائی فتوحات

تسخیر دمشق کے بعد جب یزید بن ابو سفیان نے صَیدا، عِرقہ، جُبَیل اور بیروت وغیرہ ساحلی مقامات پر تاخت کی تو معاویہ رضہ اس پیش قدمی میں مقدمۃ الجیش کے قائد تھے۔ عِرقہ تمام تر معاویہ رضہ ہی کی کوششوں سے سر ہوا (فتوح البلدان) جناب معاویہ رضہ نے ساحلی علاقے کے بہت سے قلعے بھی فتح کیے (ابن جریر طبری) رومی عیسائیوں نے حضرت عمر رضہ کی خلافت کے اخیر میں یا حضرت عثمان رضہ کی ابتداءِ خلافت میں بعض ساحلی مقامات پر عمل و دخل کر لیا تھا امیر معاویہ رضہ نے ان پر حملہ کیا اور ان سب کو واپس لے کر ان کے قلعوں کی مرمت کی۔ ان میں محافظ فوجیں رکھیں اور فوجیوں کو جاگیریں دیں۔ (فتوح البلدان)

تسخیر قیساریہ

قیساریہ یا قیصریہ فلسطین کے اضلاع میں نہایت آباد اور پر رونق شہر تھا۔ ۱۳ھ میں حضرت عمرو بن عاص رضؓ نے اس پر چڑھائی کی۔ لیکن وہ متواتر حملوں کے باوجود ۱۸ھ تک فتح نہ ہو سکا۔ آخر ۱۹ھ میں یزید بن ابو سفیان رضؓ نے اپنے بھائی معاویہ رضؓ کو حضرت فاروق اعظم رضؓ کے حکم سے فوج دے کر قیساریہ کی طرف روانہ کیا۔ معاویہ رضؓ نے قیساریہ کو اپنے محاصرہ میں لے کر رزم و پیکار کا سلسلہ شروع کر دیا۔ کچھ مدت تو اہل قیساریہ نے مقابلہ کیا۔ آخر جب ان کے اسی ہزار مبارز معرکۂ جنگ کی نذر ہو گئے تو میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے اور معاویہ رضؓ نے قیساریہ پر اپنی کامیابی کا جھنڈا اگاڑ دیا۔ (ابن خلدون)

قیساریہ نے جو مفتوح ہونے میں کئی سال لگا دیے تو اس کی وجہ بلاذری نے یہ لکھی ہے کہ فتح کے بعد معاویہ رضؓ نے یہاں سات لاکھ باقاعدہ تنخواہ دار فوج پائی۔ اہل سامرہ میں سے تیس ہزار اور یہود میں سے دو لاکھ نفوس تھے۔ اس شہر میں تین سو بازار تھے، جن میں ہر وقت زور و شور سے تجارت ہوتی رہتی تھی۔ ہر روز رات کے وقت ایک لاکھ فوج اس کی فصیل پر محافظت کرتی تھی۔ (فتوح البلدان)

امیر معاویہ رضؓ نے جو تسخیر قیساریہ میں غیر معمولی شہرت و ناموری حاصل کی، تو اس کی تقریب من جانب اللہ یہ پیدا ہوئی کہ ایک یہودی رات کے وقت لشکر اسلام میں آیا اور اس شرط پر کہ اس کو اور اس کے

اہل و عیال کو امان دی جائے گی، شہر میں داخل کرا دینے کا وعدہ کیا حضرت معاویہ رضؓ نے اس کی یہ شرط قبول کر لی۔ مسلمان رات گئے اُس کی رہنمائی میں اس بدرَو میں داخل ہوئے جس میں کمر کمر پانی تھا۔ اسلامی سپاہ نے یہیں سے تکبیریں کہنی شروع کر دیں۔ رومیوں نے اسی بدرو کے رستے بھاگنا چاہا مگر جب وہاں پہنچے تو مسلمانوں کو اس جگہ موجود پایا۔ ناچار اُلٹے پاؤں بھاگے۔ لشکر اسلام نے اندر داخل ہو کر شہر کا دروازہ کھول دیا اور معاویہ رضؓ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مظفر و منصور شہر میں داخل ہو گئے۔ (فتوح البلدان)

فتح اُردن

فتح اُردن میں بھی امیر معاویہ رضؓ نے اچھی ناموری حاصل کی۔ چنانچہ بلاذری لکھتے ہیں کہ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضؓ نے عَمرو بن عاص رضؓ کو سواحل اردن کی تسخیر کے لیے بھیجا۔ رومیوں کا بڑی دَل ان کے مقابلہ میں جمع ہو گیا۔ رومیوں کو شاہ ہرقل کی طرف سے، جو اس وقت قسطنطنیہ میں تھا، برابر کمک پہنچ رہی تھی۔ عَمرو بن عاص رضؓ نے حضرت ابو عبیدہ رضؓ کو کمک بھیجنے کے لیے لکھ بھیجا۔ جناب ابو عبیدہ رضؓ نے یزید بن ابو سفیان رضؓ کو روانہ فرمایا۔ یزید کے ہراول پر ان کے بھائی معاویہ بن ابو سفیان تھے۔ یزید بن ابو سفیان رضؓ اور عَمرو بن عاص رضؓ نے مل کر سواحل اُردُن فتح کیے اور حضرت ابو عبیدہ نے یہ فتح انہی دونوں کے نام لکھ دی۔ معاویہ رضؓ نے ان معرکوں میں خاص طور پر بڑی مردانگی دکھائی اور اچھا اثر و رسوخ پیدا کیا۔ (فتوح البلدان)

سارے شام کی فرمانروائی

اس کے بعد جب یزید بن ابی سفیان نے طاعونِ عمواس میں رحلت کی تو امیرالمومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے معاویہ بن ابی سفیان رضؓ کو ان کے بھائی کی جگہ دمشق اور اُردن کا حاکم بنادیا۔ یزید بن ابوسفیان کی وفات پر امیرالمومنین حضرت عمر رضؓ ابوسفیان کے پاس تعزیت کے لیے تشریف لے گئے۔ ابوسفیان رضؓ نے پوچھا امیرالمومنین! آپ نے یزید کے عمل پر کس کو متعین فرمایا ہے؟ کہا معاویہ کو۔ ابوسفیان یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور کہا امیرالمومنین آپ نے صلۂ رحم کا حق ادا کر دیا (فتوح البلدان) امیر معاویہ رضؓ برابر دمشق و اُردن کے والی رہے یہاں تک کہ حضرت فاروقِ اعظم رضؓ نے جام شہادت نوش فرمایا۔ خلافت فاروقی میں عُمیر بن سعید انصاری حِمص و قِنسرین (واقع شام) کے عامل تھے۔ جب عمیر بن سعید نے خلافتِ عثمانی میں استعفا دیا تو حضرت ذوالنورین رضؓ نے حمص اور قنسرین کے اضلاع بھی معاویہ رضؓ کے دائرۂ حکومت میں شامل کر دیے۔ ان ایام میں عبدالرحمٰن رضؓ بن ابی علقمہ فلسطین کے حاکم تھے۔ جب عبدالرحمٰن نے توسنِ حیات کی باگ دارِ آخرت کی طرف پھیری تو حضرت عثمان رضؓ نے فلسطین کا صوبہ بھی حکومتِ معاویہ رضؓ سے ملحق کر دیا۔ پس رفتہ رفتہ خلافت عثمانی کے دوسرے ہی برس تک معاویہ رضؓ کل صوبجاتِ شام کے فرمانروا ہو گئے (ابن جریر طبری و ابن خلدون)

بحری طاقت میں، مغربی اقوام کا مقابلہ

پورے شام کی عنانِ فرمانروائی ہاتھ میں لینے کے بعد امیر معاویہ رضؓ کی ذات سے اسلام کو جس بامِ عروج و ترقی پہ چڑھنا نصیب ہوا اُس کا دُھندلا سا خاکہ اِن شاء اللہ العزیز آئندہ اوراق میں قارئینِ کرام کے سامنے آجائے گا۔ امیر معاویہ رضؓ کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اوائل میں مسلمانوں کے پاس رُومی عیسائیوں اور دوسری مغربی اقوام کے بحری حملوں کا کوئی جواب نہ تھا۔ لیکن جب امیر معاویہ رضؓ نے بحری بیڑا تیار کر کے عیسائیوں کی مدافعت شروع کی تو سواحلِ بحر کے وہ اسلامی ممالک جو ہر وقت نصاریٰ کے بحری حملوں کے خطرات میں گھرے رہتے تھے ہر قسم کی بحری دستبُرد سے مامون و مصئون ہو گئے۔ (فتوح البلدان) ابن خلدون اپنے مقدمۂ تاریخ میں لکھتے ہیں کہ اہل عرب امیر معاویہ رضؓ کے عہد حکومت سے پہلے بحری قوت سے بالکل تہی دست تھے۔ امیر المومنین حضرت عثمان رضؓ نے سب سے پہلے مسلمانوں کو سمندر میں داخل ہو کر غزا کرنے کا حکم دیا۔ بحری قوت سے محرومی و تہی دستی کی وجہ یہ تھی کہ اہل عرب ابتدائے فتوحات کے زمانہ میں بدوی ہونے کے باعث فنِ جہاز رانی سے بالکل ناواقف تھے اور فرنگی قومیں اس فن میں یدِ طولیٰ رکھتی تھیں۔ آخر جب عرب کی مملکت مضبوط ہو گئی اور اس کو عہدِ عثمانی میں غیر معمولی عظمت و شوکت نصیب ہوئی تو امیر معاویہ رضؓ نے ملاحوں اور جہاز رانوں کو نوکر رکھ کر بحری سفر کی مشق و مہارت بہم پہنچائی۔ اس کی وجہ کہ

خود عربوں میں بھی جہاز رانی کے جاننے والے بکثرت پیدا ہو گئے اور انہوں نے سمندر میں داخل ہو کر علم جہاد بلند کر دیا۔ اب عربوں نے جہازات اور ان کا ہر طرح کا سامان خود تیار کیا اور بیڑے کے بیڑے سپاہ اور آلات جنگ سے بھر بھر کر سمندر میں چھوڑ دیے اور اقوام ماوراء البحر پر مجاہدانہ حملے کر کے ساحلِ بحر کے ممالک و بلاد کی تسخیر شروع کی۔ چنانچہ شام، افریقہ، مغرب، اندلس وغیرہ ممالک ان کے زیر نگین ہو گئے۔

شام پر چہل سالہ فرمانروائی

یاد رہے کہ امیر معاویہ رضؓ چار سال تک عہد فاروقی میں اور بارہ سال تک خلافتِ عثمانی میں جائز طور پر دمشق کے والی رہے۔ اس کے بعد چار سال تک امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ رضؓ سے برسرِ پرخاش رہ کر شام پر متغلب رہے۔ حضرت علیؓ کے حادثۂ شہادت پر انھیں شام پر حکومت کرتے ہوئے بیس برس گزر چکے تھے اور جب حضرت حسن مجتبیٰ رضؓ نے ان کی طرف مصالحت کا ہاتھ بڑھا کر انھیں تمام ممالک اسلامیہ کے سیاہ و سپید کا مالک بنا دیا تو اس کے بعد وہ مزید بیس برس تک ساری اسلامی قلمرو میں مسلمانوں کے واحد فرمانروا تھے۔ اس طرح چالیس سال تک شام کی عنانِ حکومت ان کے ہاتھ میں رہی

مخبر صادق کی پیشین گوئی

معلوم ہو کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر معاویہ رضؓ کو خلافت کی بشارت دی تھی۔ چنانچہ حسب روایت ابن ابی شیبہ حضرت معاویہ رضؓ کا بیان ہے کہ

مجھے اُس وقت سے برابر خلافت ملنے کی توقع رہی، جب مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تھا کہ جب تمہیں بادشاہت ملے تو خلق خدا سے نیکی اور بھلائی کرنا۔" ایک اور روایت میں معاویہ رضہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف دیکھا اور فرمایا اے معاویہ! اگر تم کو حکومت ملے تو اللہ سے ڈرنا اور انصاف کرنا۔" اس وقت سے مجھے امید رہی کہ مجھے کہیں کی حکومت ملنے والی ہے یہاں تک کہ حضرت عمر رضہ کی طرف سے مجھے شام میں حکومت عطا ہوئی۔ اس کے بعد حسن مجتبیٰ رضہ کے ترکِ خلافت پر سارے اسلامی ممالک کی مکمل خلافت حاصل ہو گئی۔" اس حدیث کو امام احمد نے ایک مرسل سند سے روایت کیا ہے۔ مگر ابو یعلیٰ نے اس کو سند صحیح سے موصول کیا ہے۔ اور طبرانی نے اوسط میں ان الفاظ کا بھی اضافہ کیا ہے کہ نیکوں کی نیکی قبول کرنا اور گنہگاروں سے درگزر کرنا۔"

امیر معاویہؓ کی فرمانروائی میں رعایا کی خوش حالی

یہ حقیقت ہرگز فراموش نہ کرنی چاہیے کہ امیر معاویہ رضہ وہ فرمانروا تھے جن کو حضرت فاروقِ اعظم رضہ نے دمشق اور اُردن کی حکومت پر سرفراز فرمایا تھا۔ اور جب ہم اس واقعہ پر غور کرتے ہیں کہ فاروقِ اعظم رضہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضہ جیسی جلیل القدر ہستی کو جو امیر معاویہ رضہ سے بدرجہا افضل تھے، معزول کر دیا تھا لیکن معاویہ رضہ کو کبھی معزول نہ کیا تو معلوم ہوتا ہے کہ معاویہ رضہ میں حکومت و جہانبانی کے اوصاف بدرجۂ اتم ودیعت تھے۔ ورنہ حضرت

عمر رض ان کو اپنا کبھی عامل نہ بناتے یا ناقابل پاکر معزول کر دیتے۔ اسی طرح حضرت عثمان رض نے بھی ان کو اپنے دوازدہ سالہ دورِ حکومت میں نہ صرف بحال رکھا بلکہ سارے شام کی حکومت تفویض فرما کر ان کے اوج واقبال کو ترقی دی حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما سے ان کی رعایا نے اپنے عاملوں کی، شکایتیں کیں اور دونوں حضرات نے اپنے عاملوں کو معزول بھی کیا لیکن سولہ سال کی طویل مدت میں نہ کسی نے امیر معاویہ کی کوئی شکایت کی اور نہ ان پر کسی نے ظلم وجور کا الزام لگایا۔ حضرت معاویہ رض سولہ سترہ سال تو صرف امیر کہلاتے رہے، لیکن جنگِ صفین کے بعد انھوں نے اپنے تئیں خلافت کے ساتھ نامزد کیا۔ انجام کار جب حضرت حسن مجتبیٰ رض نے اپنی رضامندی سے تمام ممالک اسلامیہ کی عنانِ حکومت ان کو سونپ دی تو اس وقت سے مستقل خلیفہ ہو گئے۔

سیاست دانی میں ضربُ المثل

یاد رہے کہ امیر معاویہ رض کے جریدہ کمالات کا سب سے نمایاں صفحہ ان کی سیاست دانی اور فطری دانش وری ہے۔ تمام اسلامی تاریخوں میں انھیں اپنے عہد کا سب سے بڑا سیاست دان اور بیدار مغز فرمانروا تسلیم کیا گیا ہے۔ امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رض جو خود مملکت تدبر و سیاست کے بادشاہ تھے، معاویہ رض کی اعلیٰ شخصیت اور اوصافِ حمیدہ کی وجہ سے ان کے بڑے مداح اور قدر شناس تھے اور ان کے دل و دماغ علو حوصلہ اور تدبیر و سیاست کے پیش نظر ان کو کسرائے عرب کے لقب سے یاد فرماتے تھے (استیعاب) سعید مقبری کا بیان

ہے کہ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ تم لوگ کسریٰ اور قیصر اور ان کے تدبر کا تذکرہ کرتے ہو حالانکہ ان سے بڑھ کر معاویہ تم میں موجود ہیں (ابن جریر طبری و ابن اثیر) حضرت ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ معاویہؓ سے بڑھ کر بادشاہت کی صلاحیت میں نے کسی میں نہیں دیکھی۔ اس روایت کو امام بخاری رحؒ نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے۔ اسی طرح مروی ہے کہ جب حضرت عمرؓ ملک شام تشریف لے گئے اور امیر معاویہ اور ان کے لشکر کی کثرت اور شان و شوکت کو ملاحظہ فرمایا تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ یہ عرب کے نوشیروان ہیں یعنی اپنی عظمتِ سلطنت اور جاہ و جلال کے اعتبار سے (تطہیر الجنان)

حضرت علیؓ سے جنگ آزما ہونے کی عذر داری

علامہ ابن حجر مکی نے اُس جنگ میں جو حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ میں بمقام صفین ہوئی امیر معاویہ کو نہ صرف بے قصور بلکہ مستحق ثواب قرار دیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:-

طبرانی نے بسند صحیح روایت کی ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میرے اور معاویہؓ کے لشکر کے مقتول دونوں جنتی ہیں۔" اس بیان سے ثابت ہوا کہ حضرت معاویہؓ مجتہد تھے اور ان میں اجتہاد کے تمام شرائط جمع تھے اور ایک مجتہد کو بالاتفاق دوسرے مجتہد کی تقلید جائز نہیں، گو اس کے مخالف مجتہد کا اجتہاد زیادہ صحیح اور زیادہ واضح ہو کیونکہ وہ جو کچھ کہتا ہے دلیل ہی سے

کہتا ہے اور اگر دونوں مجتہدوں کے اقوال باہم موافق ہوجائیں تو اس کو توافق و توارد کہیں گے نہ کہ تقلید۔ حضرت علی رضؓ کا متذکرہ صدر قول ایسا صریح ہے کہ اس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت معاویہ رضؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے موافق کہ مجتہد اپنے اجتہاد میں برسر صواب ہو تو اس کو دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے اور خطا کرے تو ایک نیکی کا ثواب پاتا ہے (رواہ البخاری) ثواب کے مستحق تھے اور نہ صرف وہ بلکہ ان کے مقلد اور موافق بھی۔

اس کے بعد شیخ ابن حجر رحؒ لکھتے ہیں کہ معاویہ رضؓ کی مخالفت کچھ اس وجہ سے نہ تھی کہ وہ حضرت علی رضؓ کے دشمن یا حاسد تھے، یا ان پر کچھ طعن رکھتے تھے بلکہ یہ ان کا اجتہاد تھا جو کسی دلیل سے ان کو حاصل ہوا تھا کیونکہ مجتہد تو دلیل کا پابند ہوتا ہے۔ اس کے لیے اپنی دلیل کی خلاف ورزی جائز نہیں ہوتی۔ (تطہیر الجنان)

امیر معاویہ رضؓ بحیثیت خلیفۂ راشد

اعدائے دین نے خلفائے اربعہ رضوان اللہ علیہم کی طرح امیر معاویہؓ کے خلاف بھی طعن و تشنیع کا بازار گرم کر رکھا ہے اور طرح طرح کی غلط فہمیاں پھیلا رکھی ہیں۔ اغیار تو درکنار اہل سنت وجماعت کے اکثر علمی جہلاء بھی حضرت معاویہ رضؓ کو محض ایک دنیادار اور نفس پرست بادشاہ تصور کرتے ہیں۔ اس سوء ظن کی وجہ یہ ہے کہ امیر معاویہ رضؓ کے خلاف ہر زمانہ میں

ایسا خوفناک نشریہ ہوتا رہا کہ جس نے لوگوں کے لیے حق و باطل اور صدق و کذب میں امتیاز کرنا مشکل کر دیا۔ یہاں تک کہ ہمارے اکثر غیر مبصر تاریخ نگاروں نے اسی نشریہ کا شکار ہو کر کد و کاوش کیے بغیر رطب و یابس کے انبار میں سے جس چیز کو چاہا زیب قرطاس کر لیا اور آنکھیں بند کر کے امیر معاویہ رض کے خلاف اکثر لغو قصے اور جھوٹی روایتیں اپنی تاریخوں میں بھر لیں۔

اسی طرح ہمارے بہت سے علماء نے جو علمی اور تاریخی بصیرت سے محروم ہیں، حدیث اَلْخِلَافَةُ بَعْدِیْ ثَلَاثُوْنَ سَنَةً (خلافت میرے بعد تیس سال تک رہے گی) کے پیش نظر امیر معاویہ رض کو خلفائے راشدین کے زمرہ سے خارج قرار دیا ہے۔ اس لیے یہاں علامہ محقق ابن خلدون کا وہ بیان درج کیا جاتا ہے جو انھوں نے امیر معاویہ رض کی نسبت اپنی شہرۂ آفاق تاریخ میں "خلافتِ حسن بن علی" کے زیر عنوان سپرد قلم کیا ہے۔ علامہ ممدوح رقم طراز ہیں :-

مناسب تو یہ تھا کہ امیر معاویہ رض کے حالات بھی خلفائے راشدین رض کی حکومت کے ساتھ ہی بیان کر دیے جاتے کیونکہ فضیلت و عدالت اور صحبت نبوی کے لحاظ سے یہ ان کے تابع تھے اور حدیث الخلافۃ بعدی ثلاثون سنۃ کی طرف توجہ نہ کرنی چاہیے کیونکہ اس کی صحت پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچی۔ اور حق یہ ہے کہ امیر معاویہ رض کا شمار خلفائے راشدین میں ہے۔ مورخین نے دو وجہوں سے ان کا تذکرہ علیحدہ کر کے لکھا ہے۔ اول یہ کہ زمانہ معاویہ رض میں خلافت بوجہ غلبہ و عصبیت قائم ہوئی تھی جو اتفاق سے اس زمانہ میں قائم

ہو گئی تھی۔ اور اس سے پیشتر خلافت انتخاب و اجتماع سے قائم کی جاتی تھی پس مؤرخوں نے دونوں حالتوں کو ایک دوسری سے ممتاز کر دیا۔

خلافتِ معاویہ رضؓ ملوکیت نہ تھی

اس کے بعد ابن خلدون لکھتے ہیں کہ معاویہؓ سب سے پہلے خلیفہ ہیں جو بزور غلبہ و عصبیت سریر خلافت پر متمکن ہوئے۔ ہوا پرست اس کو ملوکیت سے تعبیر کرتے ہیں۔ حاشاللہ! معاویہ رضؓ اپنے بعد کے خلفاء سے تشبیہ نہیں دیے جا سکتے کیونکہ وہ خلفائے راشدین میں سے ہیں اور نہ وہ افراد جو دین و فضل میں خلفائے بنو امیہ میں سے ان کے متبع تھے، اُن خلفاء سے تشبیہ دیے جا سکتے ہیں جو مرتبہ میں کم ہیں۔ اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ بادشاہت رتبہ میں خلافت سے کم ہے۔ یاد رکھو کہ جو بادشاہت خلافت کی مخالف بلکہ اس کے منافی ہے وہ جبر و تیست ہے جو کسرویہ سے تعبیر کی جاتی ہے۔

آگے چل کر علامہ ابن خلدون رقم فرما ہیں کہ وہ بادشاہت جو غلبہ و عصبیت اور شوکت سے حاصل ہو وہ کسی طرح خلافت اور نبوت کے منافی نہیں۔ سلیمان اور داؤد علیہما السلام دونوں نبی بھی تھے اور بادشاہ بھی تھے۔ معاویہ رضؓ نے استکثارِ دنیا اور ازدیادِ دولت کے لیے حکومت کی خواہش نہیں کی تھی بلکہ ان کو اس امر پر ایک فطری اور طبعی خیال نے مائل کیا تھا۔ یہی حال ان خلفائے دین کا ہے جو ان کے بعد ہوئے کہ جس وقت استقلال حکومت اور نفاذِ احکام کی ضرورت داعی ہوئی، انہوں نے

گروہ بندی کے لحاظ سے بزور جبر حکومت قائم کر لی۔

خلافت اور جبروتی بادشاہت میں باہم امتیاز کرنے کا کلیہ قاعدہ یہ ہے کہ واہیات مفتریات کو نظر انداز کرکے کسی کے صحیح اور مستند حالات و واقعات کو دیکھو۔ پس جس کے افعال و اعمال کتاب و سنت کے موافق ہوں وہ خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور جس کے افعال اس مقیاس و معیار کے مطابق نہ ہوں وہ دنیاوی بادشاہ ہے۔ ایسے شخص کو خلیفہ مجازاً کہا جائے گا۔"

فصل ۳۴

فتح قبرص و رودس

یہ امر مسلم ہے کہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اسلام کی فوجی طاقت نے اگرچہ بڑی ترقی اور وسعت حاصل کر لی تھی لیکن بحری طاقت کا کچھ سامان نہ تھا۔ اس لیے ساحل بحر کے مسلمانوں کو ہر وقت رومیوں کے بحری حملوں کا کھٹکا لگا رہتا تھا۔ گو امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے بہت سے

ساحلی مقامات پر فوجی چھاؤنیاں قائم کرکے اور بندر گاہوں کو مستحکم کراکے عیسائی حملوں کی مدافعت کا سامان کر دیا تھا لیکن یہ مرض کا حقیقی علاج نہیں تھا کیونکہ بحری طاقت کے بغیر نہ تو بحری حملوں کی کامیاب مدافعت ہو سکتی تھی اور نہ جہادِ اقدام کی کوئی صورت ممکن تھی۔

حضرت فاروق اعظمؓ سے بحری جنگ کی اجازت طلبی!

چونکہ امیر معاویہ رضؓ ساحلی ملک (شام) کے فرمانروا ہونے کی بنا پر بحری طاقت کی اہمیت سے اچھی طرح واقف تھے اس لیے وہ اپنی بحری طاقت بنانے اور اس میں ترقی دینے میں برابر مصروف رہے یہاں تک کہ کچھ مدت کے بعد وہ نہ صرف اس قابل ہو گئے کہ نصاریٰ کے بحری حملوں کی کماحقہٗ مدافعت کر سکیں بلکہ اپنی ترقی پذیر بحری طاقت کے پیش نظر انھیں خود عیسائی قوموں پر بحری حملہ کرنے کا بھی حوصلہ ہوا۔

چنانچہ انھوں نے سواحل شام کی حالت اور اپنی بحری طاقت کا تذکرہ کرتے ہوئے امیر المومنین حضرت عمر رضؓ سے بحری جنگ لڑنے کی اجازت طلب کی۔ امیر المومنین نے اس درخواست کے جواب میں یہ تو لکھ بھیجا کہ "ساحلی قلعوں کی اچھی طرح مرمت کرائی جائے۔ ان میں فوجیں مرتب کی جائیں ساحلی منظر گاہوں (یعنی دید بانی کے مناروں) پر نگہبان مقرر کیے جائیں اور ان پر آگ روشن رکھنے کا انتظام کیا جائے۔" لیکن بحری جنگ کی اجازت نہ دی۔

(فتوح البلدان)

حضرت عمرؓ کی طرف سے بحری مہم کا مکرر امتناع

امیر معاویہ رضؓ نے اس کے لیے دوبارہ لکھ بھیجا لیکن امیر المومنین نے پھر بھی کچھ التفات نہ فرمایا۔ انہوں نے بار بار عرضداشتیں بھیجنی شروع کیں۔ حضرت عمر رضؓ نے ان کے زیادہ الحاح و اصرار کو دیکھ کر عمرو بن عاص رضؓ کو لکھ بھیجا کہ "سمندر اور اس کی سواری کا حال جو تمہارے مشاہدہ میں آیا ہو لکھ بھیجو۔" انہوں نے جواب میں لکھا:۔

میں نے دیکھا ہے کہ چھوٹی مخلوق بڑی مخلوق پر سوار ہوتی ہے۔ اس وقت آسمان اور پانی کے سوا کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی۔ اگر وہ چلتی چلتی ٹھیر جائے تو دل وقفِ اضطراب ہو جاتے ہیں اور چلنے لگے تو انسان خوف زدہ ہوتا ہے۔ اس سواری کی حالت میں یقین تو مفقود ہو جاتا ہے البتہ شک اور ریب کو ترقی نصیب ہوتی ہے۔ اس کے سواروں کی بس یہ حالت ہے کہ گویا لکڑی پر کوئی کیڑا بیٹھا ہو۔ اگر یہ سواری ذرا ٹیڑھی ہو جائے تو اس کا سوار پانی کی تہ میں پہنچ جائے اور اگر بچ جائے تو اس کی آنکھیں خیرہ ہوں۔"

جب یہ جواب دربار خلافت میں پہنچا تو حضرت عمر رضؓ نے امیر معاویہ رضؓ کے نام اس مضمون کا مکتوب لکھوایا کہ مجھے اُس خدائے برتر کی قسم جس نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق و صدق کے ساتھ مبعوث فرمایا، میں کسی مسلمان کو اس پر سوار کرا کر ہلاکت کے منہ میں نہ ڈالوں گا۔ (ابن اثیر و ابن خلدون)

حضرت عثمان رض کی طرف سے بحری تاخت کی حوصلہ افزائی:

معلوم ہو کہ یہ باتیں آج سے تیرہ چودہ صدیاں پہلے کے حالات کی آئینہ دار ہیں۔ اُس وقت تک دُخانی جہاز ایجاد نہ ہوئے تھے اور بحری سفر سخت مخدوش دکھائی دیتا تھا۔ چنانچہ سعدی شیرازی لکھتے ہیں :- ؎

بدریا در منافع بے شمار است
وگر خواہی سلامت برکنار است

حضرت عمر رض کو جو بحری مہم کے بھیجنے سے انکار تھا تو اس کی علت سمندری سفر کے خطرات کے علاوہ سمندر پار کے دشمنوں کی قوت سے ناواقفیت اور قیصر روم کی شوکت تھی۔ با ایں ہمہ امیر المومنین عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی معاملہ فہمی، عالی حوصلگی اور اولوالعزمی کی داد دینی پڑتی ہے کہ جس کارِ خطیر کا حوصلہ حضرت فاروق اعظم رض جیسی بلند ہستی کو نہ ہوا، جناب ذوالنورین رض نے بے کھٹکے اس کو سرانجام دیا۔ انہوں نے سند آرائے خلافت ہونے کے بعد امیر معاویہ رض کو سواحل کی تحصین و تشحین (قلعہ بندی اور ذخائر اندوزی) کی تاکید فرمائی اور لکھ بھیجا کہ جن مسلمانوں کو وہاں ٹھیراؤ اُن کو جاگیریں دو۔ اس فرمان پر جناب معاویہ رض کا نخل آرزو جسے حضرت فاروق اعظم رض کے قطعی انکار نے بالکل خشک کر دیا تھا دوبارہ سرسبز ہوا اور کہنے لگے کاش امیر المومنین عثمان رض بحری جنگ کی اجازت دے دیں۔ چنانچہ انہوں نے بیم و رجا کی

کشمکش میں حضرت خلافت مآب رضؓ سے جزیرۂ قبرص پر حملہ آور ہونے کی اجازت طلب کی۔ حضرت ذوالنورینؓ رضؓ نے نہ صرف بحری جنگ کی اجازت دی بلکہ اور بھی ضروری ہدایات سے نوازا اور لکھا کہ خواہ تم بذات خود جا کر حملہ کرو یا کسی فوجی افسر کو فوج دے کر بھیجو لیکن بہر حال سواحل پر اس سپاہ کے علاوہ جو مامور ہے وہاں کچھ اور فوجیں بھی تیار رکھو اور مرابطین کو جاگیریں دو۔ اور (بعض سرکش) باشندوں کے ترکِ وطن کے باعث جو منازل خالی ہیں وہ ان کو عطا کر دو۔ اس کے علاوہ تمام سواحل میں مسجدیں بنواؤ اور جو مسجدیں میری خلافت سے پہلے تعمیر ہو چکی ہیں ان کو وسیع کرو۔" جب حضرت عثمانؓ کا یہ فرمان شام پہنچا تو مسلمان بکثرت ہر طرف سے سواحل کی طرف منتقل ہوئے۔

حضرت عثمان رضؓ نے قبرص پر بحری تاخت کرنے کی جو اجازت دی تو اس کو اس شرط کے ساتھ مشروط کیا کہ تمہارے ساتھ تمہاری بیوی بھی شریکِ سفر ہوں۔" چنانچہ حضرت معاویہ رضؓ نے عکا سے بحری سفر شروع کیا جو شام کی ایک بندرگاہ دمشق سے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ اِن کی بیوی فاختہ بنت قرظہ بھی ساتھ تھیں۔ (فتوح البلدان)

کون کون سے صحابہ شریکِ غزا ہوئے؟

مگر دوسری روایت میں بیوی کی معیت کا ذکر نہیں بلکہ صرف یہ ہدایت لکھی ہے کہ اِس سفر میں مجاہدین ملت کو اپنی طرف سے منتخب نہ کرو اور نہ قرعہ اندازی کرو بلکہ جو کوئی اپنی خوشی سے ساتھ چلنے کو تیار ہو

اس کو لے لو"۔ چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک گروہ بخوشی رفاقت پر آمادہ ہوا۔ ازاں جملہ ابوذر غفاری، ابودرداء، شداد بن اوس، عُبادہ بن صامت اور ان کی زوجۂ محترمہ اُمّ حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہم تھے۔ عبداللہ بن قیس حلیف بنو فزارہ ان مجاہدین کے سردار مقرر کیے گئے۔ (ابن اثیر و ابن خلدون)

معلوم ہو کہ ان مجاہدین کرام میں سے حضرت ابوذر غفاری رض تو ان ایام میں صرف جہاد فی سبیل اللہ کی غرض سے دمشق میں اقامت فرما تھے۔ حضرت ابو درداء اور حضرت عُبادہ بن صامت رضی اللہ عنہما اُن دنوں سے شام میں فروکش تھے جب کہ حضرت فاروق اعظم رض نے معاویہ بن ابوسفیان رض کو ان کے بھائی یزید بن ابوسفیان رض کے بعد شام کا والی مقرر فرمایا تھا۔ حضرت عمر رض نے جناب ابودرداء کو دمشق اور اُردن کی قضا اور نماز کا محکمہ سپرد فرما رکھا تھا اور عُبادہ بن صامت رض حمص و قنسرین کی قضا و صلوٰۃ کے مہتمم تھے۔ (فتوح البلدان)

اہل قبرص کی اطاعت و سر افگندگی

قُبرص بحر شام (بحر روم) میں ایک بڑا جزیرہ ہے جو شام سے غربی جانب واقع ہے اس کی ایک لمبی دُم ساحل کی طرف نکل گئی ہے اور غربی حصہ شرقی جانب سے بہت زیادہ عریض ہے۔ اس میں معادن اور فواکہ یعنی میوہ جات بکثرت پیدا ہوتے ہیں (تاریخ ابن کثیر)

اب امیر معاویہ رض کا بحری بیڑا پہلی مرتبہ نہایت اہتمام کے ساتھ

بعزم قبرس بحر روم میں داخل ہوا۔ اور وہ ۲۸ھ میں عبداللہ بن سعد بن ابی سرح حاکم مصر کی معیت میں قبرس پہنچے۔ اہل قبرس نے سات ہزار دینار سالانہ خراج پر مصالحت کرلی۔ شرط یہ قرار پائی کہ اہل قبرس اسی قدر رقم رومی فرمانروا کو بھی دیا کریں گے۔ مسلمانوں کو اس پر کچھ اعتراض نہ ہوگا۔ دوسری شرط یہ طے ہوئی کہ اہل قبرس مسلمانوں کے حق میں دشمنان اسلام (رومیوں) کی جاسوسی کریں گے۔ تیسری یہ کہ اہل قبرس مسلمانوں کو اپنے ملک میں سے دشمنان اسلام کی طرف جانے کا راستہ دیں گے۔ (ابن خلدون)

جزیرہ قبرس فتح کرنے کے بعد لشکر جزیرہ رودس کی طرف بڑھا اور یہ جزیرہ بھی اسلامی ممالک محروسہ میں شامل کیا گیا۔ رودس میں جو مال غنیمت ملا، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کا پانچواں حصہ حضرت امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا اور چار حصے لشکر میں تقسیم کرنے کا حکم دیا۔

عُبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کا تقسیم داروغہ مقرر ہونا

تقسیم کے وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت یہ دیکھنے کے لیے ایک طرف الگ بیٹھ گئی تھی کہ تقسیم سنتِ پیغمبر کے مطابق ہوتی ہے یا نہیں؟ از انجملہ یہ حضرات تھے عُبادہ بن صامت، شداد بن اوس فہری، ابو درداء، واثلہ بن اسقع، ابو امامہ باہلی، عبداللہ بن بسر مازنی رضی اللہ عنہم۔ اس اثنا میں فوج میں سے دو آدمی دیکھے گئے جو اعلیٰ قسم کے دو گدھے لیے جا رہے تھے۔ حضرت عُبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ یہ گدھے کہاں سے لیے ہیں؟ انہوں نے

کہا کہ ہمیں اس غرض سے امیر معاویہ رضؓ نے عطا کیے ہیں کہ ہم ان پر خرچ کیا کریں گے۔ عُبادہ رضؓ نے فرمایا کہ نہ معاویہ کا دینا جائز تھا اور نہ تمہارا ان کو لینا ہی حلال ہے۔" وہ ان گدھوں کو واپس لے آئے اور کہنے لگے کہ عُبادہ رضؓ نے یہ بات کہی ہے۔ جب ان کا لینا ہی حلال نہیں تو ان پر خرچ کیونکر جائز ہو جائے گا؟۔

امیر معاویہ رضؓ نے جناب عُبادہؓ کو بلا کر صورتِ مسئلہ دریافت کی انہوں نے فرمایا کہ غزوۂ حُنین میں لوگ حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم سے غنائم کے بارہ میں گفت وشنید کر رہے تھے۔ آپؐ نے پشم شتر میں سے ایک تار لے کر فرمایا کہ ان اموال غنیمت میں سے جو حق تعالیٰ نے تمہیں عطا فرمائے ہیں، پانچویں حصے کے سوا اس ایک تار کے برابر بھی میرا کوئی حق نہیں ہے اور پھر اپنا پانچواں حصہ بھی تم ہی لوگوں پر خرچ کر دیتا ہوں۔"
یہ بیان کر کے عُبادہؓ کہنے لگے معاویہ! خدا سے ڈر اور غنیمت کو طریق سُنت پر خرچ کر اور کسی کو اُس کے حق سے زیادہ نہ دے۔" امیر معاویہ رضؓ کہنے لگے عُبادہ! از راہ نوازش آپ ہی اس غنیمت کو تقسیم فرمایئے اور مجھے اس بارِ عظیم سے سبکسار کر دیجیے۔ آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔" چنانچہ حضرت عُبادہ رضؓ نے تقسیم کا کام اپنے ہاتھ میں لیا اور ابو اُمامہ اور ابو درداء رضی اللہ عنہما بھی اس کام میں ان کے شریک و رفیق ہو گئے۔ عبادہ بن صامت رضؓ کی وفات شام میں ہوئی اور مدفن بیت المقدس ہے۔

(تحفہ)

محترمہ اُمِّ حرام رضہ کا حادثۂ شہادت

شاہ ولی اللہ رحمہ لکھتے ہیں کہ اس سفر کی اجازت بھی مرضیاتِ الٰہی میں سے تھی جس کو کارپردازان قضا و قدر نے امیر المومنین حضرت عثمان رضہ کے لیے اٹھا رکھا تھا۔

چنانچہ اس کا مرضیاتِ الٰہی میں سے ہونا بخاری کی دو حدیثوں سے ثابت ہے (ازالۃ الخفار)

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اُمِّ حرام بنت ملحان اور ام سُلیم بنت ملحان رضی اللہ عنہما سالارِ دو جہان علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کوئی رضاعی رشتہ رکھتی تھیں اس لیے آپؐ اُن دونوں کے گھروں میں بکثرت جایا کرتے تھے۔ ان میں سے اول الذکر آپؐ کے خادمِ خاص حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خالہ اور ثانی الذکر ان کی والدہ تھیں۔ محترمہ ام حرام رضہ حضرت عُبادہ بن صامت رضہ کی زوجیت میں تھیں۔ ایک مرتبہ آپؐ نے اُن کے مکان پر قیلولہ فرمایا۔ جب بیدار ہوئے تو فرمایا کہ میری امت کے بعض لوگ جو جہاد فی سبیل اللہ کے لیے جہازوں میں سوار ہوں گے میرے سامنے پیش کیے گئے۔ میں نے دیکھا کہ وہ سطحِ سمندر پر اس طرح سوار ہیں جس طرح کوئی بادشاہ تخت پہ بیٹھا ہوتا ہے۔

محترمہ ام حرام رضہ کہنے لگیں یا رسول اللہ! آپ میرے حق میں دعا کیجیے کہ خدا مجھے بھی اُن میں کرے آپؐ نے دعا کی اور دوبارہ استراحت فرمانے لگے۔ اس کے بعد جب بیدار ہوئے تو آپؐ متبسم تھے۔ اُم حرام رضہ نے

پوچھا یا رسول اللہ! آپ کس بات پر تبسم فرمارہے ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ میرے سامنے میری امت کی ایک اور جماعت بھی پیش کی گئی جو خدا کی راہ میں اس طرح سمندر میں جارہی تھی جس طرح بادشاہ تخت پر بیٹھتا ہے۔ ام حرام رضہ نے گزارش کی یارسول اللہ! آپ دعا کیجیے کہ خدا مجھے بھی اُن میں کرے۔" آپؐ نے فرمایا تم پہلے جیش میں شامل ہوگی۔"

اس پیشین گوئی کے بموجب امیر المومنین حضرت عثمان رضہ کے عہدِ خلافت میں جو اسلامی لشکر امیر معاویہ رضہ کے زیر قیادت شام سے جزیرۂ قبرس گیا، ام حرام رضی اللہ عنہا بھی اس میں اپنے شوہر حضرت عبادہ بن صامتؓ کے ہمراہ شریکِ غزا ہوئیں۔ جب یہ لشکر فتح و نصرت کے پھریرے اُڑاتا ہوا واپس آرہا تھا تو محترمہ ام حرام رضہ جو گھوڑے یا خچر پر سوار تھیں، سمندر سے نکلتے وقت سواری سے گر کر جاں بحق ہوگئیں (بخاری، مسلم، ابوداؤد، موطا امام مالکؒ)

دونوں بحری جنگوں کے شرکا کو جنت و مغفرت کی بشارت

یہ ۲۸ھ کا پہلا بحری جہاد تھا جو خلافت عثمانی میں امیر معاویہ رضہ کی قیادت میں ہوا اس کی نسبت مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:۔

اَوَّلُ جیش من اُمّتی یغزون البحر قد — میری امت کا پہلا لشکر جو سمندر میں غزا کرے گا، ان لوگوں نے جنت کو

اَوْجَبُوْا (بخاری) اپنے لیے واجب کر لیا۔

غازیوں کا دوسرا لشکر جو سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دکھلایا گیا، وہ تھا جس نے امیر المومنین حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی خلافت میں قسطنطنیہ پر یورش کی تھی۔ اس دوسری بحری لشکر کشی کے متعلق سالارِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اَوَّلُ جَیْشٍ مِنْ اُمَّتِیْ یَغْزُوْنَ مَدِیْنَۃَ قَیْصَرَ مَغْفُوْرٌ لَّھُمْ (بخاری)

میری امت کا سب سے پہلا لشکر جو قیصر کے شہر پر تاخت کرے گا وہ بخشا گیا ہے۔

قبرص کی دوبارہ تسخیر

اوپر لکھا گیا کہ اہل قبرص سے صلح کی جو شرطیں طے ہوئی تھیں ان میں ایک یہ تھی کہ وہ دشمنانِ اسلام کی مدد نہیں کریں گے بلکہ اگر مسلمان رومیوں پر حملہ کرنا چاہیں گے تو انھیں قبرص میں سے گزرنے کا اختیار ہوگا۔ چنانچہ مسلمان جب کبھی بحری جنگ کے لیے جاتے تو اہل قبرص نہ ان سے کوئی تعرض کرتے نہ مسلمانوں کی مدد کرتے اور نہ ان کے خلاف کسی دوسرے کی مدد کرتے۔ لیکن وہ اس عہد پر قائم نہ رہے چنانچہ معاہدہ کے چار ہی سال بعد ۳۲ھ میں انھوں نے مسلمانوں کے خلاف بحری حملوں کے لیے جنگی جہازوں سے رومیوں کی مدد کی۔ اس بدعہدی کی پاداش میں امیر معاویہ رضہ نے ۳۳ھ میں پانسو جنگی جہازوں کے بیڑے سے قبرص پر دوبارہ حملہ کیا اور اس کو بزورِ تیغ فتح کیا۔ اس کے بعد اُن ہی سابقہ شرائط پر ملک اہل ملک کے دستِ اختیار میں دے دیا۔ لیکن ساتھ ہی

اہل دیوان میں سے بارہ ہزار جنگ آزما یہاں متعین کیے۔ انہوں نے یہاں آکر مسجدیں تعمیر کرائیں۔ حضرت معاویہ رض نے مسلمانان بعلبک کی ایک جماعت بھی یہاں منتقل کی اور ایک شہر بسایا اور اس میں جو لوگ آکر آباد ہوئے ان کو عطیے دیے (فتوح البلدان)

فصل ۳۵

مسجد نبوی کی دوبارہ تعمیر

حضرت عثمان رض نے پہلی مرتبہ فرمانِ رسالت کے ماتحت عہد نبوی میں اور دوسری دفعہ اپنے دَورِ خلافت میں مسجد نبوی کی جو توسیع کی، وہ بھی ان کے کارہائے نمایاں میں ایک اہم کارنامہ ہے۔

بنائے اوّلین مسجد نبوی کی بنارِ اوّلین کی کیفیت یہ ہے کہ ہجرت کے دن حضور فخرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ناقہ سے اتر کر جس مقام پر نزولِ اجلال فرمایا، وہ بقعۂ مبارک ان ایام میں نخلستان تھا جس کے درمیان ایک مربد تھا۔ مربد اس مقام کو کہتے ہیں جہاں کھجوریں کو

خشک کرکے چھوہارے بناتے ہیں۔ دو یتیم لڑکے جو ایک انصاری کے کنارِ تربیت میں پرورش پا رہے تھے، اس مربد کے مالک تھے۔ قدومِ نبوی سے پیشتر مسلمانوں کی ایک جماعت اسی جگہ نماز ادا کرتی تھی۔ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے ان یتیموں کو بلا بھیجا اور فرمایا کہ اگر تمہاری خواہش ہو تو یہ جگہ بنا مسجد کے لیے میرے ہاتھ بیچ دو۔ لڑکوں نے جن کے ساتھ اُن کا سرپرست بھی آیا تھا، بہت منت سماجت کی کہ آپ یہ قطعۂ زمین بلا معاوضہ لے لیں لیکن آپؐ راضی نہ ہوئے اور قیمت ادا کر دی۔ اسی کے ساتھ بعض انصار نے کھجور کے چند درخت خرید کر قطع کیے اور ان کی زمین ہموار کر کے مربد کو میں شامل کر دی۔

اب مسجد کی بنیاد رکھی گئی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی بہ نفسِ نفیس اپنے اصحاب رض کے ساتھ اینٹیں اٹھا اٹھا کر لاتے تھے۔ مسجد کی چھت کھجور کی شاخوں سے مسقف کی گئی اور ستون بھی کھجوروں کے تنے کاٹ کر بنائے گئے اس چھت کی یہ حالت تھی کہ جب کبھی مینہ برستا تو نمازیوں کے کپڑے بھیگ جاتے۔ اس بناءِ اول میں مسجد کے تین دروازے تھے۔ طول قبلہ سے حدِ شمال تک چوّن ہاتھ اور مشرق سے مغرب تک ۶۳ ہاتھ تھا۔

مسجد نبوی کی توسیع

سنہ ۷ھ میں فتح خیبر کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے توسیعِ مسجد کا قصد فرمایا۔ مسجد کی ہمسائیگی میں ایک شخص اپنا مکان بیچتا تھا اور آپؐ کی خواہش تھی کہ وہ مکان خرید کر مسجد میں شامل کیا جائے (جذب القلوب) ایک دن آپؐ نے ابو جاں نثاروں سے

خطاب کرتے ہوئے فرمایا کون ہے جو فلاں شخص کی زمین خریدے اور جنت میں اس سے بہتر مکان حاصل کرے؟ حضرت عثمان رض اس کے پاس پہنچے اور بیس یا پچیس ہزار درہم میں مکان خرید کر آپؐ کو اس کی اطلاع دی۔ آپ بہت خوش ہوئے اور جناب عثمان رضی اللہ عنہ کو جنت کا مژدہ سُنایا (فتح الباری۔ و ازالۃ الخفاء)

حضرت عبداللہ بن عمر رض کا بیان ہے کہ مسجد نبوی عہد رسالت میں کچی اینٹوں سے بنی تھی اور اس کی چھت شاخ ہائے خرما سے پٹی تھی اور اس کے ستون کھجور کے تھے۔ (بخاری)

عہد فاروقی کی توسیع

عہد فاروقی میں نمازیوں کی تعداد بہت بڑھ گئی۔ اس لیے حضرت عمر رض نے ۱۷ھ میں گرد و پیش کے مکانات خرید کر اس کو وسیع کرنا چاہا۔ اوروں نے تو اپنے اپنے مکان بیچ ڈالے لیکن حضرت عباس رض نے اپنا مکان بیچنے سے انکار کیا۔ حضرت عمر رض بڑے سے بڑا معاوضہ دیتے تھے لیکن وہ کسی طرح راضی نہیں ہوتے تھے۔ آخر دونوں نے اُبی بن کعب رض کو ثالث ٹھیرایا۔ انھوں نے فیصلہ کیا کہ دربار خلافت کو بجبر خریدنے کا کوئی حق نہیں۔ یہ سن کر حضرت عباس نے فرمایا کہ اب میں عامۂ مسلمین کے لیے بلا قیمت دیتا ہوں۔ حضرت عباسؓ کے گھر کی طرح حضرت علی رض کے بڑے بھائی حضرت جعفر طیار رض کا گھر بھی مسجد سے ملا ہوا تھا۔ حضرت عمر رض نے اس کا نصف حصہ لاکھ درہم میں خرید کر مسجد نبوی میں داخل کر دیا۔

حضرت عمر رضہ نے جو اضافہ کیا' اس میں دیواریں پہلے کی طرح کچی اینٹوں سے بنوائیں اور چھت بھی شاخ ہائے خرما سے پٹوائی۔ البتہ ستون بدل کر لکڑی کے کر دیے (بخاری) مساجد میں دنیوی گفتگو کرنا یا آواز بلند کرنا جائز نہیں۔ اس لیے حضرت عمر رضہ نے مسجد کی تجدید کے ساتھ شرقی جانب ایک چبوترہ بھی بنوایا تاکہ جن لوگوں کو کوئی دنیوی گفتگو یا شعر گوئی یا بلند آواز سے باتیں کرنے کی ضرورت پڑے، وہ وہاں چلے جایا کریں۔

حضرت عثمان رضہ کی طرف سے مسجد کے پختہ کرنے کی تحریک

عہد نبوی سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت تک مسجد نبوی کی چھت کھجور کے پتوں اور شاخوں سے بنی ہوئی تھی اور صحن خام تھا۔ برسات کے دنوں میں جب بارش موقوف ہو جاتی تو مسجد نبوی میں اس کے بعد بھی ایک دور وز تک تقاطر رہتا۔ اس سے نمازیوں کو بہت تکلیف ہوتی تھی۔ عہد فاروقی میں حضرت ذوالنورین رضہ نے جناب عمر فاروق رضہ سے سقف اور صحن مسجد کے پختہ کرنے کی تحریک کی۔ حضرت عمر رضہ نے جواب دیا کہ بیت المال مجاہدین اور غازیان اسلام کی کفالت کو ہے نہ کہ مساجد کے مسقف کرنے اور صحن کی پختگی کے لیے۔ عہد نبوی اور زمانۂ صدیقی میں مسجد نبوی جس حالت میں تھی، میں اس کو اسی حالت میں رکھوں گا۔ اگر تم کو نمازیوں کی تکلیف کا زیادہ احساس ہے تو اپنے صرف سے پختہ بنوا دو۔" اس وقت تو جناب ذوالنورین حضرت فاروق اعظم رضہ کے پاس ادب سے خاموش ہو رہے لیکن جب ان کا اپنا

دورِ خلافت آیا تو نہ صرف مسجد کی مزید توسیع فرمائی بلکہ اپنے صرف خاص سے مسجدِ نبوی کی چھت اور صحن اور دیواروں کو بھی پختہ کرا دیا۔ یہاں اس کی تفصیل درج کی جاتی ہے۔

عہدِ خلافت کی دوسری توسیع

عہدِ خلافت کی دوسری زیادت کا شرف حضرت ذوالنورین رضؓ کے حصہ میں آیا۔ یہ زیادت اضافۂ فاروقی سے بھی فزوں تر بیان کی جاتی ہے۔ چونکہ اسلام کا دائرہ دن بدن وسیع ہو رہا تھا اور ہر نماز کی جماعت میں اتنے نمازی ہوتے تھے کہ مسجد کی وسعت ان سب کی متحمل نہ تھی۔ اس لیے لوگوں نے ۲۴ھ میں جب کہ حضرت عثمان رضؓ مسند نشین خلافت ہوئے تھے مسجد کی تنگی کا شکوہ کیا۔ حضرت خلافت مآب رضؓ نے فرمایا کہ اس مسئلہ پر غور کیا جائے گا۔ چنانچہ ایک دن صحابۂ کرام رضؓ سے جو اہل فتویٰ اور اصحاب الرائے تھے مشورہ کیا۔ سب نے توسیع کی صلاح دی۔

تعمیر میں پنج سالہ تعطل

حضرت عثمان رضؓ نے ارادہ کیا کہ مسجد کی توسیع پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ اس کو بالکل نئے سرے سے تعمیر کر کے ایک مستحکم عمارت تیار کرا دیں۔ چنانچہ جب اس مقصد کے پیش نظر اُن لوگوں سے اپنے اپنے مکان بیچنے کو کہا جو مسجد کے گرد و پیش میں سکونت پذیر تھے تو وہ کافی معاوضہ پیش کیے جانے کے باوجود کسی طرح بیچنے پر رضامند نہ ہوئے یہاں تک کہ امیر المومنین رضؓ نے ان کی رضاجوئی کے لیے مختلف تدبیریں کیں لیکن وہ کسی طرح آمادہ نہ ہوئے یہانتک

کہ پانچ سال کی مدت اسی تعطل و التوا کی نذر ہو گئی۔ بالآخر ۲۹ھ میں ایک مرتبہ حضرت ذوالنورین رضہ نے جمعہ کے دن ایک مؤثر خطبہ دیا اور نہایت درد انگیز پیرایہ میں حاضرین کو مسجد کی تنگی اور نمازیوں کی کثرت کی طرف توجہ دلائی۔ اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ تمام وہ افراد جنھیں مکانات فروخت کرنے سے انکار تھا اپنے اپنے مکانات علیحدہ کرنے پر راضی ہو گئے اور حضرت عثمان نے لوگوں کی منہ مانگی قیمتوں پر خرید کر تمام مکانات مسجد میں شامل کر لیے۔

عثمان بن ابوالعاص ثقفی کا ایک مکان بھی مسجد کے قریب واقع تھا۔ دوسرے لوگوں نے تو اپنے اپنے مسکن بڑی بڑی قیمتوں پر بیچ ڈالے لیکن عثمان بن ابوالعاص نے فروخت پر کسی طرح آمادگی ظاہر نہ کی۔ آخر امیر المومنین رضہ نے ابن ابوالعاص کو اس کے بدلے بصرہ میں نہر کے کنارے وہ زمین دے کر راضی کیا جو شط عثمان کے نام سے مشہور ہے اور اس طرح یہ مکان بھی مسجد میں شامل کر لیا گیا (فتوح البلدان)

تزئین و تحسین کا اہتمام

اب حضرت عثمان رضہ نے تعمیر اول کو جو زمانِ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام میں ہوئی تھی اور حضرت عمر رضہ نے اس پر اضافہ کیا تھا منہدم کرا دیا اور نئے سرے سے اس کی بنیاد رکھی۔ اس وقت تک دینِ اسلام شرق و غرب میں پھیل چکا تھا اور قومی عظمت اوجِ فرقد کو چشم نمائی کر رہی تھی۔ اس لیے حضرت خلافت مآب رضہ نے ارادہ کیا کہ اسلامی مرکز کا معبد اسلامی اوج و عروج پر گواہ ہو' اس لیے انھوں نے اس نئی تعمیر میں مسجد نبوی کے تحسین و تجمیل

سکھنے کا پہلو بھی پیش نظر رکھا۔ تمام دیواریں پختہ بنوائیں اوران پر گچ کرایا۔
(جذب القلوب) دوسری روایت میں ہے کہ دیواریں نقشی پتھروں اور سنگ
سنگریزوں سے بنوائیں (ازالۃ الخفاء)

تعمیر میں ذاتی دلچسپی و نگرانی:

چونہ وہاں قریب نہیں ملتا تھا۔ اس لیے موضع
بطن نخلہ سے جو مدینہ سے چند میل کی مسافت
پر ہے لانے کا انتظام کیا۔ چھت درخت سال کی
بنوائی اور اس کو لوہے اور قلعی کے منقوش ستونوں
سے مستحکم کیا (جذب القلوب) بعض ستون سنگریزوں سے تیار کرائے
جن میں قلعی مخلوط تھی (ابن اثیر) فرش منقش اور دروازے مسدس بنائے گئے
ایام تعمیر میں حضرت عثمان رضہ بہ نفس نفیس گھوڑے پر سوار ہو کر اہل عمارت
کے ارد گرد پھرتے رہتے اور کاریگروں کو انعام واکرام اور کھانے کپڑے
سے خوش دل فرماتے تھے۔ غرض مسجد کی یہ عمارت جو مضبوطی اور خوبصورتی
میں اپنا جواب نہ رکھتی تھی اس قدوۂ انام رضی اللہ عنہ کی ان تھک کوششوں
سے ربیع الاول ۲۹ھ میں شروع ہو کر محرم ۳۰ھ میں قریباً دس مہینہ
کے بعد پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ حضرت عمر رضہ کے زمانے میں مسجد کے چھ دروازے
تھے۔ حضرت عثمان رضہ نے بھی اتنے ہی دروازے رکھوائے (جذب القلوب۔
تاریخ کامل، ابن اثیر)

عہد فاروقی کی توسیع کے بعد مسجد کا طول ایک سو چالیس ہاتھ اور
عرض مشرق سے مغرب کی طرف ایک سو بیس ہاتھ ہوگیا تھا (جذب القلوب)

حضرت عثمان رضؓ نے مسجد کی جو تجدید کی، اس سے اس کا طول ایک سو ساٹھ ہاتھ اور عرض ایک سو پچاس ہاتھ ہو گیا۔ (ابن اثیر)

ان بیانات سے ثابت ہوتا ہے کہ عہد عثمانی میں مسجد طولاً بیس ہاتھ اور عرضاً تیس ہاتھ بڑھی۔ لیکن دوسرا بیان یہ ہے کہ لمبائی پچاس ہاتھ بڑھی تھی اور عرض میں کوئی تغیر نہ ہوا تھا (خلاصۃ الوفار) واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

بنائے اوّل کے انہدام کی ناگواری

صحیح مسلم میں ہے کہ جب حضرت عثمان رضؓ نے تجدید مسجد کا قصد فرمایا تو بعض لوگ اس پر معترض ہوئے۔ امیر المومنین رضؓ نے فرمایا کہ میں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا تھا کہ جو کوئی رب جلیل کی رضا جوئی کے لیے مسجد تعمیر کرے حق تعالےٰ اس کے لیے جنت میں گھر بناتا ہے۔" غالباً لوگوں کا انکار بنائے اول کے منہدم کرنے اور منقوش پتھر لگانے پر ہوگا نہ کہ فضائے مسجد کی اصل زیادت و توسیع پر کیونکہ توسیع اس سے پیشتر عہد فاروقی میں بھی ہو چکی تھی اور کوئی شخص اس پر معترض نہ ہوا تھا اور ہوتا بھی کیوں جب کہ اس کی ضرورت داعی و متقاضی تھی۔

مساجد کی تزئین و تحسین

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آج کل مسجدوں کو مزین و منقش کرنا چاہیے یا نہیں؟ اس بارہ میں اگر ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو

دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ آپؐ کو مساجد کی ظاہری زیبایش پسند نہ تھی کیونکہ مسجد کا مقصد خدائے ذوالجلال کی عبادت کرنا ہے اور عبادت نقش و نگار اور سونے چاندی کا پانی پھرائے بغیر بھی ادا ہو جاتی ہے بلکہ سچ پوچھو تو یہ تکلفات نمازی کے خشوع میں مخل ہوتے ہیں۔ مساجد کے متولی اور مال دار محلہ والے مسجد کی ظاہری آرایش کے تو بڑے دل دادہ ہوتے ہیں لیکن اس کی اصلی زیبایش کی طرف توجہ نہیں کرتے جو نماز کو خشوع و خضوع، حضورِ قلب اور اس کے تمام آداب و شرائط کے ساتھ ادا کرنا ہے۔

چنانچہ اسی معنیٰ میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک لوگ مساجد کی آرایش اور ظاہری شان و شوکت پر فخر نہیں کریں گے (ابو داؤد و ابن ماجہ) اور فرمایا کہ جب کسی قوم نے اپنی مسجدوں کو آراستہ کیا ان کے اعمال بگڑ گئے (ابن ماجہ) اس کی وجہ یہ ہے کہ ظاہر پرستی اور مخلصانہ اعمال یک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔

بعض علمائے متاخرین کا نظریہ

لیکن بعض علمائے متاخرین نے فرمایا ہے کہ دورِ حاضر میں مساجد کی بلندی اور زینت و آرایش پر سکوت کرنا چاہیے کیونکہ نصاریٰ اپنے گرجاؤں کو بہت بلند، خوب صورت اور شان دار بنا رہے ہیں اور اگر مسجدوں کو اُسی

پُرانی سادی وضع پر رکھا جائے تو غیر مسلموں کی نظر میں اسلام کی تحقیر ہوگی چنانچہ عہد رسالت میں مسجد نبوی خام اینٹوں سے تعمیر ہوئی تھی۔ ستین کھجور کی لکڑی کے تھے اور چھت محض شاخ ہائے خرما سے مسقف تھی جس کی وجہ سے برسات میں پانی ٹپکتا تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت میں اس کے ستون نئی لکڑی کے بنوائے۔ اس کے بعد امیر المومنین حضرت عثمان ذوالنورین رضہ نے اپنے دورِ خلافت میں بہت کچھ ترمیمیں کیں۔ دیوارین پتھر اور چونے کی بنوائیں اور نقش دار پتھر لگوائے اور ساگون کی چھت تیار کرائی۔ اور دوسرے صحابہ رضہ نے اس پر سکوت کیا۔ پس گویا مسجد کو پختہ اینٹوں اور پتھر چونے سے تعمیر کرانے پر اجماع ہو گیا۔ واللہ اعلم۔

فصل ۳۶

منیٰ میں قصر کے بجائے پوری نماز پڑھنا

امیرالمومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہر سال حج کے لیے مکہ معظمہ تشریف لے جایا کرتے اور خود امیرالحج ہوتے تھے۔ جب ۲۹ھ کے حج کے لیے قدوم فرمائے مکہ ہوئے تو منیٰ میں دوگانہ پڑھنے کی بجائے چار رکعت نماز پڑھائی۔ حضرات علی مرتضیٰ، عبدالرحمن بن عوف، عبداللہ بن مسعود اور بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم اس پر معترض ہوئے۔ (تاریخ ابن کثیر)

حضرت عثمان رضہ نے اس کے متعلق بعد میں فرمایا کہ میرے اہل خانہ مکہ میں ہیں۔ اس لیے میں مقیم کے حکم میں ہوں۔ پس میرے لیے قصر کی ضرورت نہیں تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضہ کے رفقاء حضرت عبداللہ سے کہنے لگے کہ آپ تو ہم سے کہا کرتے تھے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما یہاں دو رکعت پڑھا کرتے تھے۔ اب یہاں چار رکعتیں

کیوں پڑھی گئیں؟ توانہوں نے فرمایا کہ حضرت عثمان رضہ امام وقت ہیں۔ میں ان کی مخالفت نہیں کر سکتا۔ مخالفت بہت بُرا کام ہے۔ (ازالۃ الخفاء)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضہ یا دوسرے حضرات کو اس وقت معلوم نہ ہوگا کہ امیر المومنین رضہ نے کس وجہ سے نماز میں قصر نہیں کیا۔ انہی ایام میں ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضہ نے امیر المومنین رضہ کے اس فعل پر حرف گیری کی۔ حضرت عثمان رضہ نے فرمایا کہ میری یہی رائے ہے اور میرے نزدیک یہی مناسب تھا" پس صحابہ کرام میں سے بعض بزرگوں نے امیر المومنین حضرت عثمان رضہ کی رائے کا اتباع کیا اور بعض نے مخالفت کی (ابن اثیر و ابن خلدون)

یہ جواب پاکر حضرت عبدالرحمٰن رضہ امیر المومنین عثمان رضہ کے پاس سے باہر آئے۔ اتفاق سے جناب عبداللہ بن مسعود رضہ مل گئے اور حضرت عثمان رضہ کے اس فعل کا تذکرہ درمیان میں آیا۔ حضرت عبدالرحمٰن رضہ نے کہا کہ جو تم جانتے ہو اور جو (نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دونوں خلیفوں کو کرتے) دیکھا ہو، اُس پر عمل کرو یعنی دو رکعتیں ہی پڑھو۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضہ نے فرمایا کہ امیر المومنین کی رائے کے خلاف کرنا سراسر شر ہے۔ میں نے تو اپنے ہمراہیوں کے ساتھ چار ہی رکعتیں پڑھی ہیں۔" عبدالرحمٰن رضہ یہ سُن کر بولے کہ میں نے تو دو ہی رکعتیں پڑھی تھیں لیکن اب میں بھی چار ہی پڑھوں گا۔"

(ابن اثیر)

ایک مرتبہ حضرت عثمان رض نے ایک مجمع میں اپنے چار رکعت نماز پڑھنے کی حسب ذیل توجیہ فرمائی تھی:۔

یا ایھا الناس انی تاھلت بمکۃ منذ قدمت وانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من تاھل فی بلد فلیصل صلوۃ المقیم۔

(مسند امام احمد ج ا ص ۶۲)

لوگو! جب سے میں مکہ معظمہ آیا ہوں میں نے یہاں شادی کر لی ہے اور میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا تھا کہ جو کوئی کسی شہر میں نکاح کرے وہ وہاں مقیم کی سی نماز ادا کرے۔

اس بیان کی تائید دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ امام ابن کثیر البدایہ والنہایہ میں لکھتے ہیں:۔

وقیل بل قد تاھل بمکۃ فروی یعلیٰ وغیرہ عن حارث بن ابی ذباب عن ابیہ ان عثمان صلی بھم بمنیٰ اربع رکعات ثم اقبل علیھم فقال انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا تزوج رجل ببلد فھو من اھلہ وانی اتممت لانی تزوجت

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت عثمان رض نے مکہ میں نکاح کر لیا تھا چنانچہ یعلیٰ وغیرہ نے حارث بن ابی ذباب سے اور انہوں نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ حضرت عثمان رض نے منیٰ میں چار رکعتیں پڑھیں۔ پھر لوگوں سے خطاب کر کے کہنے لگے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا تھا کہ جب کوئی شخص کسی شہر میں شادی کرے تو وہ شہر

بھامنذ قد متھا۔ اس کا وطن ہے۔ میں نے اس لیے نماز پوری
پڑھی ہے کہ میں نے مکہ آکر نکاح کر لیا ہے

لیکن یاد رہے کہ اگر حضرت عثمان رضؓ نے بلا عذر بھی نماز چار رکعت پڑھی ہوتی تو بھی قطعاً قابل اعتراض نہیں تھی۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ رحؒ لکھتے ہیں :۔

امام شافعی رحؒ نے اس مبحث کو اپنی کتابوں میں بہت خوبی سے لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نماز کا قصر کرنا سُنت، اور اتمام جائز ہے۔ حضرت عثمان رضؓ اُم المومنین عائشہ رضؓ، مسوَر بن مخرمہ رضؓ، عبدالرحمٰن بن اسود رضؓ بن عبدیغوث اور سعید بن مسیّب رحؒ اتمام نماز کو جائز رکھتے تھے۔ اس کے بعد شاہ ولی اللہ رحؒ لکھتے ہیں کہ ظاہر کتاب و سُنت کا بھی یہی مقتضا ہے۔ چنانچہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کُلُّ ذلك فعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم اَتمَّ فی السفر وقصر (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں اتمام و قصر دونوں کام کیے ہیں) اور نافع رحؒ کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ منیٰ میں امام کے ساتھ چار رکعتیں پڑھتے تھے اور جب تنہا پڑھتے تو دو رکعت پڑھتے۔ امام شافعی رحؒ نے امیرالمومنین حضرت عثمان رضؓ کے چار رکعت پڑھنے کی یہی وجہ قرار دی ہے۔" (ازالۃ الخفاء)

جمہور کا مسلک اس بارے میں یہ ہے کہ سفر میں قصر واجب ہے اور حضرت عثمانؓ کا اتمام اس لیے نہیں تھا کہ وہ سفر میں اتمام کو جائز سمجھتے تھے۔ بلکہ اس کی اصل وجہ وہی ہے جو انھوں نے خود ذکر فرمائی تھی۔ واللہ اعلم۔

فصل ۳۷

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی معزولی

خلافت مآبؓ کی اصابتِ رائے

مولٰنا شاہ عبد العزیز رح لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان ذو النورین رضی اللہ عنہ نے اپنے بعض عاملوں کو جن وجوہ کی بنا پر معزول فرمایا' اُن سے حضرت خلافت مآبؓ کی اصابت رائے اور حُسنِ تدبیر کا ثبوت ملتا ہے. اس عزل و نصب نے مملکت کی خوش نظمی، ترقی و عروج اور فتوحات عظیمہ کے دروازے کھول دیے. جیوش و عساکر، ولایت و اقالیم اور قلمرو مملکت نے نئے حکم رانوں کے ہاتھ سے وہ کثرت و وسعت اختیار کی کہ اکاسرہ و قیاصرہ نے کبھی خواب میں بھی نہ دیکھی تھی. عمال عثمانی کی بدولت ولایت اسلامی کا عرض قسطنطنیہ سے عدن تک اور طول اندلس سے لے کر بلخ اور کابل تک جا پہنچا.

۞ ۞ ۞

کاش اہل فتنہ چند دن ضبط سے کام لیتے

اس کے بعد شاہ عبد العزیز رح لکھتے ہیں کہ کاش اگر قاتلینِ عثمان دس بارہ سال تک دامنِ ضبط و تحمل کو ہاتھ سے نہ چھوڑتے اور خاموش رہ کر اسلام کی ترقی و اقبال کا مشاہدہ کرتے تو سندھ، ہند، تبت، چین اور ترک پر بھی اسلام کا پرچم اقبال لہرایا ہوتا۔ وہ اشقیاء اس حقیقت کو نہ سمجھ سکے کہ حضرت عثمان رض نے اپنے خاندان کے جن بعض افراد کو حکومتوں پر سرفرازی بخشی ہے اُن حکمرانوں کی بدولت ممالکِ مفتوحہ میں ہر جگہ محمد ؐ اور علی رض کا نام بلند ہو رہا ہے۔ خراسان کو حضرت ذوالنورین رض کے بھائی جناب عبداللہ بن عامر بن کریز نے فتح کیا تھا اور حالت یہ ہے کہ اِس وقت خراسان کے ہر حصے مثلاً سبزوار، نیشاپور، ہرات، مشہد وغیرہ مقامات میں نعرۂ حیدری کے سوا کوئی صدا سُنائی نہیں دیتی اور لطف یہ ہے کہ جس جگہ بھی حضرت عثمان رض اور بنو امیہ کا لشکر نہیں پہنچا وہاں کے باشندے محمد ؐ اور علی رض کے نام سے بھی آشنا نہ ہوئے۔ ہند اور سندھ کے اصل باشندوں کا پیر و مرشد اب تک رام اور کرشن اور گنگا، جمنا چلا جاتا ہے (تحفہ)

ابو موسیٰ اشعری رض پر حضرت عمر رض کا عتاب

ابو موسیٰ اشعری رض والیٔ بصرہ نے بڑی بڑی فتوحات کے باوجود عہد فاروقی میں ایک مرتبہ ایسا خطرناک قدم اٹھایا تھا جو مصلحت ملک داری کے قطعاً منافی تھا۔

حضرت عمرؓ نے انھیں جواب دہی کے لیے مدینہ منورہ طلب فرمایا۔ وہ اپنے اقدام کی کوئی معقول توجیہ نہ کر سکے اور حضرت عمرؓ نے وہ تمام قیدی اور مالِ غنیمت واپس کرنے کا حکم دیا جو لشکر کوفہ نے ابو موسیٰ کے حکم سے رامہرمز کی فتح سے حاصل کیے تھے۔ اور ابو موسیٰؓ سے فرمایا کہ بالفعل بصرہ کی صوبہ داری اور لشکر کی عنانِ قیادت اپنے ہاتھ میں رکھو۔ لیکن جوں ہی ہمیں تمھاری جگہ کوئی موزوں آدمی مل جائے گا انھیں سبک دوش کر دیا جائے گا (تحفہ)

اس اثناء میں حضرت فاروق اعظمؓ ابو لؤلؤ فیروز کے ہاتھ سے شربتِ شہادت پی کر روضۂ رضوان میں جا چلے گئے۔ جس طرح خلافت فاروقی میں کوفہ کا لشکر ابو موسیٰؓ کی مخالفت میں سرگرم عمل رہا، اسی طرح عہد عثمانی میں بصرہ کی سپاہ بھی ان سے برسرِ پرخاش ہوئی۔ مؤخر الذکر نے ان کے خلاف داد و دہش کی تنگی کی شکایتیں شروع کیں۔ حضرت عثمانؓ برابر دفع الوقتی اور درگزر سے کام لیتے رہے لیکن ۲۹ھ میں ابو موسیٰؓ کے خلاف مخالفت کا ایک نیا طوفان اٹھ کھڑا ہوا جس کی وجہ سے حضرت خلافت مآبؓ کے لیے ان کی معزولی کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔

اہل ایذج اور کُردوں کی بغاوت

واقعہ یہ ہے کہ اہل ایذج اور کُردوں نے اس سال علمِ بغاوت بلند کیا۔ حضرت ابو موسیٰؓ نے جہاد کا وعظ کہا۔ جس میں راہِ خدا میں پیادہ پا چلنے کے فضائل خاص طور پر بیان کیے۔ پیدل چلنے کی فضیلت بیان کرنے سے اُن کا یہ مقصد تھا کہ جن لوگوں

کے پاس سواریاں نہیں، اگر وہ پیادہ پا چل کھڑے ہوں تو ان کو اور زیادہ اجر ملے گا۔ لیکن یہ بات غلط طور پر مشہور کر دی گئی کہ جن لوگوں کے پاس سواریاں ہیں وہ بھی پیدل چلیں۔ حضرت ابوموسیٰ رض کے مخالفوں نے جو ہر وقت موقع کی تلاش میں رہتے تھے، ازراہِ شرارت لوگوں سے یہ کہنا شروع کیا کہ تم لوگوں کو جلدی نہ کرنی چاہیے۔ پہلے یہ دیکھ لینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا والی خود پیدل نکلتا ہے یا سوار؟

غرض صبح کے وقت لوگ پیدل چلنے کے لیے دارالامارت کے قریب جمع ہوئے۔ اتنے میں حضرت ابوموسیٰ رض اس شان کے ساتھ محل سے برآمد ہوئے کہ چالیس خچروں پر اسباب و سامانِ جنگ بار تھا اور ایک خچر پر خود سوار تھے اعدا نے بڑھ کر خچر کی باگ پکڑ لی اور ہر طرف سے اعتراضوں کی بوچھاڑ کرنے لگے۔ ظاہر ہے کہ حضرت ابوموسیٰ رض کے بیان کا مقصد قطعاً یہ نہ تھا کہ جن کے پاس سواریاں ہیں وہ بھی پیدل چلیں۔ لیکن مفسدہ پردازوں کو تو شر انگیزی کا کوئی حیلہ چاہیے تھا۔

انھوں نے بارگاہِ خلافت میں شکایت کرنے کے لیے مدینہ منورہ کی راہ لی اور دربارِ خلافت میں پہنچ کر ان کی معزولی کا مطالبہ کرنے لگے اور اس مطالبہ میں سخت غلو کیا۔ امیر المومنین حضرت عثمان رض نے یہ دیکھ کر کہ اہل بصرہ شروع سے ان کی مخالفت میں سرگرم ہیں، ان کو معزول کر کے اپنے ماموں زاد بھائی عبداللہ بن عامر بن کریز کو جو پچیس سال کے نوجوان تھے، اس منصب پر مامور فرما دیا۔ (ابن جریر، ابن کثیر، ابن اثیر، ابن خلدون)

صحابی کی جگہ غیر صحابی کے تقرر پر اعتراض

اعداء کی طرف سے اعتراض کیا جاتا ہے کہ حضرت عثمان رض نے ابو موسیٰ اشعری رض کو جو صحابی تھے علیحدہ کرکے ان کی جگہ ایک غیر صحابی عبداللہ بن عامر کو حکومت دی۔"

اس کا جواب یہ ہے کہ عبداللہ بن عامر بن کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبد شمس کا شمار بھی صحابہ میں ہے (ملاحظہ ہو کتاب تجرید اسماء الصحابہ جلد اول صفحہ ۳۴۴) اور اگر صحابی نہ ہوتے تو بھی اعتراض کی کوئی بات نہ تھی۔ مولانا شاہ عبدالعزیز رحمۃ رقم فرما ہیں :- والی کو عاملوں کے عزل و نصب کا پورا اختیار حاصل ہے جو کسی طرح محل طعن نہیں۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بارہا صحابی کو بے وجہ بے تقصیر معزول کیا اور غیر صحابی کو اس کی جگہ نصب فرمایا۔ ازاں جملہ عمر بن ابی سلمہ ہیں جو ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پسر اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ربیب تھے۔ عمر بن ابی سلمہ امیر المومنین علی رض کی طرف سے بحرین کے صوبہ دار تھے۔ حضرت علی رض نے انھیں علیحدہ کرکے ان کی جگہ نعمان بن عجلان زرقی کو جو صحابی نہیں تھا اور علم و عمل اور تقویٰ و دیانت کے لحاظ سے عمر بن ابی سلمہ کا عُشر عشیر بھی نہ تھا منصوب فرمایا۔ اسی طرح حضرت قیس بن سعد بن عبادہ (رضی اللہ عنہما) کو جو حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے علم بردار اور عمدہ صحابی اور صحابی زادہ تھے مصر کی حکومت سے معزول کرکے مالک اشتر کو، جو نہ صحابی تھا اور نہ صحابی زادہ

ان کی جگہ متعین فرمایا حالانکہ مالک اشتر انتہا درجہ کا مفسد اور مصدرِ فتنہ تھا۔ اس شخص نے امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے حضرات طلحہ رض و زبیر رض کو اس درجہ خوف زدہ کیا کہ وہ عَلَم مخالفت بلند کرنے پر مجبور ہو گئے۔ ہر شخص کو یقین تھا کہ جب وہ مصر پہنچے گا تو امیر معاویہ رض خاموش نہیں رہیں گے اور ان کی طرف سے مصر پر حملہ کر دیا جائے گا اس کے باوجود حضرت علی رض نے اسے مصر کی حکومت تفویض فرمائی (تحفہ)

عبداللہ بن عامر آغوشِ نبوی میں

عبداللہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپی زاد بھائی عامر بن کریز رضی اللہ عنہ کے فرزند گرامی تھے۔ ولادت کے بعد لا کر آں حضرت ﷺ کی گود میں بٹھائے گئے۔ آپؐ نے یہ فرما کر کہ یہ ہمارے مشابہ ہے اپنا آبِ دہن ان کے منہ میں ڈالا۔ وہ نگل گئے۔ آپؐ بار بار ڈالتے اور وہ چوستے رہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ یہ مُسقی یعنی سیراب ہے۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ وہ جس سرزمین میں لگ جاتے ان کے لیے پانی برآمد ہو جاتا۔ انہوں نے ایک نہر بھی بنوائی جو نہر ابن عامر کے نام سے مشہور ہے۔ ابن عامر بڑے شجاع اور سخی تھے۔ حضرت عثمان رض نے ۲۹ھ میں انھیں ابو موسیٰ اشعری رض کی جگہ بصرہ کی حکومت پر سرفراز فرمایا اور کچھ دنوں کے بعد فارس کی حکومت بھی انہی کے دستِ اقتدار میں دے دی۔ ابن عامر نے اپنی امارت بصرہ کے ایام میں سارا خراسان، سجستان اور کرمان فتح کیا۔ یہاں تک کہ غزنہ کے کنارے تک جا پہنچے۔ ان غیر معمولی فتوحات

کے بعد ابن عامر نے حج بیت اللہ کا قصد کیا اور اپنے ساتھ بہت کثیر مقدار میں زر و مال لے کر مدینہ منورہ پہنچے اور مہاجرین و انصار میں تقسیم کیا۔

(تہذیب التہذیب)

فصل ۳۸

اہل فارس کی بغاوت

ایران کا جنوبی حصہ فارس کہلاتا ہے۔ اس میں چار بڑے شہر ہیں۔ شیراز، اصفہان، کرمان، یزد۔ جب عبداللہ بن عامر بن کریز رحمہ اللہ ۲۹ھ میں بصرہ کے عامل مقرر ہو کر آئے تو اس وقت تک قلعۂ اصطخر اور جور کے سوا سارا فارس فتح ہو چکا تھا۔ (فتوح البلدان)

والیٔ فارس کا حادثۂ شہادت

عبداللہ بن عامر کے تقرر کے ساتھ ہی امیر المومنین عثمان رضہ نے عبید اللہ بن معمر کو خراسان سے فارس کی گورنری پر تبدیل کیا تھا۔ اہل فارس نے اس تبدیلی پر علم بغاوت بلند کر کے اپنے فرمانروا کو

جام شہادت پلا دیا۔ امیر المومنین کو خبر پہنچی کہ اہل فارس نے عہد شکنی کر کے عبید اللہ بن معمر والی فارس کو قتل کر دیا ہے اور ہر طرف سے جمع ہو کر اصطخر کو اپنا مامن و مستقر اور لشکر گاہ بنا رکھا ہے۔ یہ سن کر امیر المومنین نے اپنی ماموں زاد بھائی عبد اللہ بن عامر بن کریز کو جو حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپی زاد بھائی کے فرزند تھے حکم بھیجا کہ بصرہ اور عمان کی فوجیں لے کر بذاتِ خود فارس پر چڑھائی کرو۔

اصطخر اور جُور کی تسخیر

ابن عامر جو ایک ۲۵ سالہ نوجوان تھے اور شجاعت اور حرارت ملی کا خون ان کی رگوں میں دوڑ رہا تھا، بڑی تیزی سے لشکر مرتب کر کے اہل فارس کی سرکوبی کے لیے اور اصطخر کے قریب پہنچ کر فوج آراستہ کی۔ لشکر اسلام کے میمنہ پر حضرت ابو برزہ اسلمی رضہ، میسرہ پر حضرت معقل بن یسار رضہ اور سواروں کے قائد، حضرت عمران بن حُصین رضی اللہ عنہم تھے اور یہ تینوں بزرگوار ہستیاں شرفِ صحابیت سے مشرف تھیں۔ اہل فارس نے بڑی خوفناک لڑائی کے بعد شکست کھائی، ہزاروں ایرانی مارے گئے اور اصطخر فتح ہو گیا۔ عبد اللہ بن عامر نے یہاں سے فارغ ہو کر دارابجرد کا رخ کیا کیونکہ یہاں کے لوگوں نے بھی نقضِ عہد کیا تھا۔ یہ سرزمین نہایت آسانی سے فتح ہو گئی۔ یہاں سے شہر جُور کی طرف (جسے بعض نے شیراز اور بعض نے اردشیر قرار دیا ہے اور بعض کے نزدیک کرمان ہے) متوجہ ہوئے۔ اس سے پیشتر ابن عامر نے ہرم بن حَیّان کو جُور بھیج دیا تھا اور انھوں نے وہاں کا محاصرہ کر رکھا تھا۔

عبداللہ بن عامر کے پہنچتے ہی جُور فتح ہو گیا (ابن خلدون)

فتح جُور کی تقریب من جانب اللہ یہ پیدا ہوئی کہ ایام محاصرہ میں ایک رات لشکر کا ایک آدمی نماز پڑھ رہا تھا اور اس کے قریب ایک تھیلا رکھا تھا جس میں روٹی اور گوشت تھا۔ کتا اس تھیلے کو منہ میں پکڑ کر شہر کو چل دیا۔ ایک سپاہی اپنے افسر کے حکم سے اس کے پیچھے چلا کہ جا کر دیکھے کہ وہ کس راستہ سے شہر میں داخل ہوتا ہے۔ کتا ایک بدر رو سے شہر میں گھسا اور سپاہی نے لوٹ کر اپنے افسر کو اس کی اطلاع دی۔ مسلمان اس راستہ کو ایک غیبی امداد سمجھ کر عین جنگ کے وقت اس بدر رو سے شہر میں گھس پڑے اور اس کو بزور تیغ فتح کر لیا۔ (فتوح البلدان)

اصطخر پر دوبارہ چڑھائی

اہل اصطخر نے عبداللہ بن عامر کے لوٹتے ہی از سر نو نقض عہد کیا اور اس مسلمان افسر کو جرعۂ شہادت پلا دیا جس کو عبداللہ وہاں کا عامل مقرر کر آئے تھے۔ عبداللہ نے جُور کا انتظام درست کر کے دوبارہ اصطخر کا رُخ کیا اور یہاں پہنچتے ہی اس کا سخت محاصرہ کیا اور منجنیقوں سے قلعہ پر سخت سنگ باری کر کے اس کو توڑ دیا۔ غرض ایک طویل اور سخت صبر آزما محاصرہ کے بعد اصطخر کو دوبارہ فتح کیا۔ لیکن اس قلعہ کے مسخر و مفتوح کرنے کا خواب اس وقت تک شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا جب تک چالیس ہزار عجمی ہلاک و برباد نہ ہو گئے۔ بہرحال ابن عامر نے امیر المومنین حضرت عثمان رضہ کو فتح کی بشارت کے ساتھ غنیمت کا پانچواں حصہ روانہ کیا۔ ان بغاوتوں کے بانی ایران کے

خاندانی امراء، بڑے گھرانوں کے لوگ اور اساورہ کے وہ سردار تھے جنھوں نے اصطخر کو اپنا ملجاؤ ماٴمن بنا رکھا تھا۔ عبداللہ بن عامر نے ان میں سے ایسے تمام افراد کو جن پر جرم ثابت ہوا قعر ہلاک میں ڈال دیا اور سرکش ایرانیوں کو اس درجہ پامال کیا کہ اس کے بعد ان کو ذلت کے سوا عزت کا ایک دن بھی دیکھنا نصیب نہ ہوا (تاریخ ابن خلدون و فتوح البلدان)

اس کے بعد ابن عامر نے اصطخر کی حکومت شریک بن اعور حارثی کے سپرد کر کے خود بصرہ کو معاودت کی۔ شریک نے اصطخر میں ایک نہایت شاندار مسجد تعمیر کرائی۔ (ابن اثیر)

فصل ۳۹

روزینوں میں اضافہ

رعایا کو مرفہ الحال اور خوش عیش کرنے کا عملی قدم اسلام میں سب سے پہلے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اٹھایا تھا۔ حضرت ذوالنورین رضؓ نے فاروقی فیض رسانیوں کا سلسلہ نہ صرف جاری رکھا بلکہ ہر ایک مد اور ہر شعبہ

میں اس پر اضافہ فرمایا۔ حضرت عمر رضہ نے اس پاک مقصد کے لیے کہ ممالک محروسہ میں کوئی متنفس فقر وفاقہ اور تنگی معاش میں مبتلا نہ ہو ہر شخص کی تنخواہ بیت المال سے مقرر کر دی تھی۔ بلا تخصیص مذہب وملت روز ینے مقرر تھے۔ اکثر شہروں میں مسافروں کو بیت المال کی طرف سے جاری کیے ہوئے مہمان خانوں سے کھانا ملتا تھا۔ مدینہ منورہ میں جو لنگر خانہ تھا، حضرت عمر رضہ بسا اوقات خود وہاں جا کر لوگوں کو اپنے اہتمام سے کھانا کھلواتے تھے۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت حذیفہ بن یمان عامل مداین کو لکھ بھیجا کہ لوگوں میں ان کے عطیے اور ارزاق تقسیم کر دو۔ انھوں نے جواب دیا کہ سب کو عطیے پہنچ گئے ہیں لیکن اس کے باوجود بہت سا مال اب بھی باقی ہے۔ حضرت خلافت مآب رضہ نے لکھا کہ یہ مال ان کے لیے فے ہے جو اللہ نے انھیں عطا کیا ہے۔ یہ مال نہ عمر کا ہے نہ آل عمر کا۔ اس لیے جو کچھ باقی ہے وہ بھی ان میں تقسیم کر دو۔

ایک مرتبہ خالد بن عرفطہ عذری مدینہ منورہ آئے۔ خلیفۃ المسلمین نے پوچھا لوگوں کو کس حال میں چھوڑ کر آئے ہو؟ بولے میں نے انھیں اس حال میں چھوڑا ہے کہ وہ اللہ سے ملتجی ہیں کہ ان کی عمریں بھی آپ کو دے دی جائیں اور کہا کہ قادسیہ کو روندنے والوں میں سے ایک متنفس بھی ایسا نہیں جسے دو ہزار یا ڈیڑھ ہزار درہم سالانہ عطا نہ ملتی ہو اور کوئی بچہ بھی لڑکا ہو یا لڑکی ایسا نہیں جو سو درہم اور دو جریب ماہانہ نہ پاتا ہو۔ فرمایا یہ ان کا حق ہے۔ جسے میں ان تک پہنچا کر سعادت اندوز ہوتا ہوں۔ اگر یہ مال میرے باپ

خطاب کا ہوتا تو ہرگز نہ دیتا۔ اور میں جانتا ہوں کہ عطا ان کی ضروریات سے زائد ہے لیکن اگر ہر شخص پس انداز کی عادت ڈالے تو ان کی اولاد بھی اس سے فائدہ اٹھاسکے گی۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :-

من مات غاشا لرعیتہ لم یرح رائحۃ الجنۃ	جو شخص اس حال میں مرا کہ اس نے اپنی رعیت کے ساتھ خیانت کی ہوگی تو اسے جنت کی خوشبو تک بھی نصیب نہ ہوگی۔ (فتوح البلدان)

ان روایتوں سے رعایا کی خوش حالی کا اندازہ ہو سکتا ہے لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ یہ رعایا پروری اور گرم گستری حضرت فاروق اعظم رضی کی ذات گرامی پر ختم ہوگئی بلکہ حضرت عمرؓ نے رعایا کی مرفہ الحالی کے لیے جو جو طریقے بھی معرض عمل میں لائے، حضرت ذوالنورین رضی نے نہ صرف ان سب کو بحال رکھا بلکہ ہر لحاظ سے ان میں اضافہ فرمایا۔

حسب روایت بلاذری رح حضرت عمر رض نے عوالی کے عمال کو حکم دیا تھا کہ اہل عوالی کے نام لکھ بھیجیں۔ جب یہ فہرست دربار خلافت میں پہنچی تو حضرت عمر رض نے ان سب کے روزینے جاری کر دیے۔ جناب ذوالنورین رض نے اپنے عہد خلافت میں ان روزینوں میں اضافہ کر دیا اور کسوت و پوشش کے لیے کچھ ورمستزاد کیا۔ حضرت عمر رض نے نوزائیدہ بچوں کی سالانہ تنخواہ سو درم مقرر کر رکھی تھی۔ جوں جوں وہ نشوونما پاتے جاتے عطا میں بھی اضافہ ہوتا رہتا یہاں تک کہ مقدار دو سو تک پہنچ جاتی اور عرصہ بلوغ میں قدم رکھنے کے بعد اس میں

اور اضافہ کیا جاتا. (فتوح البلدان)

لیکن حضرت عثمان رضؓ سب سے پہلے خلیفہ ہیں جنھوں نے ان عطیات میں سو سو درہم کا اضافہ فرمایا. حضرت عمر رضؓ ہر اس بچے کو، جو مال فے میں سے امداد دیے جانے کا مستحق ہوتا رمضان میں ایک ایک درہم دیتے تھے اور انھوں نے امہات المومنین کے لیے رمضان میں دو دو درہم روزانہ مقرر فرمائے تھے ان سے کہا گیا کہ اگر آپ کھانا پکوا کر ان لوگوں کو کھلایا کریں تو زیادہ بہتر ہو. فرمایا کہ آدمی اپنے گھر ہی میں کھانا دل جمعی کے ساتھ پیٹ بھر کر کھاتا ہے. حضرت عثمان رضؓ نے یہ سب روزینے نہ صرف اسی طرح برقرار رکھے بلکہ رمضان میں مساجد کے عبادت گزاروں، مسافروں اور گداؤں کو کھانا کھلانا ان پر مستزاد فرمادیا۔ (کتاب عثمان بن عفان مرتبہ محمد رضا مصری)

فصل ۴۰

والیٔ کوفہ پر شراب خواری کی حد

ولید بن عُقبہ حاکمِ کوفہ امیر المومنین حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا سوتیلا بھائی تھا۔ ان دونوں کی والدہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپی زاد بہن اروی بنت کریز تھیں۔ جب حضرت عثمان رض کے والد عفان رہ گزینِ عالمِ جاوداں ہوئے تو عُقبہ بن ابی مُعیط نے اروی کو نکاح کر لیا تھا جن سے عقبہ کی یہ چار اولادیں ہوئیں۔ ولید، خالد، عُمارہ اور ام کلثوم۔ ولید بن عقبہ کوفہ کی حکومت پر مامور ہونے سے پہلے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف سے عرب الجزیرہ کا عامل تھا۔ امیر المومنین حضرت عثمان رض نے اپنی خلافت کے دو ایک سال بعد اسے بنو تغلب اور جزیرہ کی سرداری سے تبدیل کر کے حضرت سعد بن ابی وقاص فاتح ایران رض کی جگہ ولایتِ کوفہ کی حکومت تفویض کی۔ کوفہ پہنچنے کے بعد لوگ ولید سے بڑے مانوس ہوئے۔ چونکہ ہر ایک سے نہایت نرمی اور محبت کا سلوک کرتا تھا

اور دروازہ پر کوئی دربان بھی متعین نہیں کر رکھا تھا۔ اس لیے لوگوں کا بڑا محبوب ہوگیا۔ پانچ سال کا زمانہ اسی اطمینان بخش حالت میں گزر گیا۔

جب ولید جزیرہ سے تبدیل ہو کر کوفہ آیا تھا تو انہی ایام میں ابوزبید شاعر بھی اپنے اعزہ واقارب بنو تغلب سے قطع تعلق کر کے اس کے پاس کوفہ چلا آیا تھا۔ ابوزبید پہلے عیسائی تھا۔ کوفہ آنے کے بعد ولید ہی کی تحریک سے مشرف باسلام ہوا لیکن قبول اسلام کے باوجود اس کی عادت شراب خواری کی نہ گئی۔ ابوزبید نے قبول اسلام سے پہلے ابوزینب، ابومورع اور جندب کے ایک عزیز کو قتل کر دیا تھا اور یہ تینوں اسکے انتقام کے لیے دانت پیس رہے تھے اور شب و روز اس کوشش میں سرگرم تھے کہ کسی طرح ابوزبید کو موت کے گھاٹ اُتار دیں حالانکہ اس کے مشرف باسلام ہونے کے بعد اس کے عفو ودرگزر کا سلوک کرنا چاہیے تھا کیونکہ اسلام اپنے پہلے کے تمام گناہوں اور جُرموں کو معدوم کر دیتا ہے۔

چونکہ ولید ابوزبید کا پشت پناہ تھا اور اس نے اس کی حفاظت کا پورا انتظام کر رکھا تھا، ان کو جاں ستانی اور انتقام جوئی کا کوئی موقع نہیں ملتا تھا۔ یہ دیکھ کر انھوں نے ارادہ کیا کہ کسی طرح ولید کو بدنام کر کے معزول کرا دیں۔ چنانچہ مشہور کر دیا کہ ولید اور ابوزبید دونوں شراب پیتے ہیں اور اس بیان کو شہرت دی کہ ہر جگہ اس کا چرچہ ہونے لگا۔ ایک دن یہ لوگ مجتمع ہو کر حضرت عبداللہ بن مسعود رض مہتمم بیت المال کے پاس گئے اور کہنے لگے کہ مسلمانوں کا امیر ولید اپنے قیام گاہ میں ہر وقت مخمور رہتا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی

فرمایا کہ ہم ایسے شخص کے تجسس کے مامور نہیں جو ہم سے چھپا کر کوئی کام کرے۔"
جب ابن مسعود رض کا یہ جواب ولید کے گوش زد ہوا تو ان کو بلا بھیجا اور ان پر عتاب کر کے کہا کہ کیا ایسے لوگوں کو یہ جواب دینا چاہیے تھا؟۔ ایسی بات تو اُس شخص کے حق میں کہی جاتی ہے جس کا چلن مشتبہ ہو۔" حضرت ابن مسعودؓ کو ولید کی یہ برہمی ناگوار ہوئی اور وہ کسی قدر بدمزگی کے بعد وہاں سے مراجعت فرما ہوئے۔

اب مخالفوں کی ایک ٹولی نے جس میں وہ افراد بھی شامل ہو گئے تھے جن کو ولید نے قصور وار پا کر اُن کے عہدوں سے برطرف کر دیا تھا مدینہ منورہ کا راستہ لیا۔ اور دربار خلافت میں پہنچ کر ولید کی شکایت کی اور شراب خواری کا الزام لگایا۔ امیر المومنین رض نے ولید کو بغرضِ جواب دہی مدینہ منورہ طلب کیا۔ جب وہ حاضر دربار ہوا تو حضرت عثمان رض نے شکایت کرنے والوں سے گواہ طلب کیے اور دریافت کیا کہ تم نے ولید کو بچشمِ خود شراب پیتے دیکھا ہے؟ ابو زینب اور ابو مورع نے کہا شراب پیتے تو نہیں دیکھا بلکہ شراب کی قے کرتے ہوئے دیکھا ہے۔"

ولید سے پوچھا گیا تو اس نے اپنے بے گناہ ہونے پر حلف اٹھایا۔ اور حضرت خلافت مآب رض کو بتایا کہ کن وجوہ کی بنا پر یہ لوگ دشمن ہو کر افترا پردازی پر آمادہ ہوئے ہیں۔ اگر کوئی دنیوی حاکم ہوتا تو اپنے بھائی کو مبتلائے الم اور چاہ مذلّت میں گرفتار دیکھنے کی بجائے اس کے دشمنوں پر دار و گیر کا ایسا سلسلہ شروع کر دیتا کہ انھیں لینے کے دینے پڑ جاتے لیکن امیر المومنین

نے فرمایا کہ چونکہ شراب کی قے مے خواری کے بغیر نہیں ہو سکتی، اس لیے ہم شہادت کی بنا پر حد قائم کرتے ہیں اور اگر شہادت جھوٹی ہے تو اس کو احکم الحاکمین عز اسمہ کے سپرد کرتے ہیں پس بھائی! تم اس ابتلاء میں صبر کرو۔" (محمد بن جریر طبری)

لیکن دوسری روایت میں ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر ولید بن عُقبہ کی بداطواری ظاہر ہوئی تو اسے معزول کر دیا اور اُس پر اقامتِ حد اس بنا پر ملتوی رکھی گئی کہ گواہوں کی اخلاقی حالت روشنی میں آجائے۔ آخر جب صورتِ حال پوری طرح منکشف ہو گئی تو آپ نے حد لگانے کا حکم دیا۔ اور مدائنی نے شعبی کے طریق سے روایت کی کہ جب لوگوں نے خلافت مآب رضؓ کے حضور میں ولید کے خلاف شہادت دی تو آپ نے اُسے قید کر دیا۔ پھر حضرت علی رضؓ کو بلا کر حکم دیا کہ وہ اسے کوڑے لگائیں چنانچہ اس کو اسّی کوڑے لگائے گئے۔ (صحیح بخاری)

علامہ ابن حجرؒ اسّی کوڑوں کی نسبت فرماتے ہیں کہ معمر کی روایت میں جو صحیح مسلم میں ہے مذکور ہے کہ ولید کو چالیس کوڑے لگائے گئے تھے اور معمر کی روایت یونس کی روایت سے جس کی بخاری نے تخریج کی زیادہ صحیح ہے حقیقت میں شبیب بن سعید راوی کو جس نے یونس سے روایت کی اس بارہ میں غلط فہمی ہوئی تھی۔ صحیح مسلم میں ابی ساسان کے طریق سے معمر کا قول نقل کیا ہے کہ جس وقت ولید کو حضرت امیر المومنین رضؓ کے پاس لایا گیا، میں اُس وقت بارگاہِ خلافت میں موجود تھا۔ ولید نے صبح کی دو رکعت پڑھا کر مقتدیوں سے

کہا تھا کہ اگر چاہو تو تمہیں زیادہ رکعتیں پڑھا دوں۔" اس کے خلاف دو شخصوں نے جن میں سے ایک حضرت عثمان رض کے مولیٰ یعنی آزاد غلام حمران تھے شہادت دی تھی کہ ولید نے شراب پی۔ حضرت عثمان رض نے جناب علی مرتضیٰ رض سے فرمایا کہ آپ اٹھ کر اس کو کوڑے لگائیے۔ حضرت علی رض نے اپنے برادر زادہ عبداللہ بن جعفر (رضی اللہ عنہما) سے کہا کہ تم کوڑے لگاؤ۔ چنانچہ حضرت عبداللہ رض نے کوڑے مارنے شروع کیے اور حضرت علی رض ان کا شمار کرتے رہے۔ جب کوڑوں کی تعداد چالیس تک پہنچ گئی تو حضرت علی رض نے فرمایا کہ اب بند کر دو۔ اس کے بعد کہنے لگے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اور ابوبکر صدیق رض نے چالیس ہی کوڑے پٹوائے تھے۔ البتہ حضرت عمر رض نے مے خوار کو اسّی کوڑوں کی سزا دی تھی۔ اس کے بعد حضرت علی رض نے فرمایا کہ ان میں سے ہر ایک فعل سنت ہے لیکن مجھے پہلی سنت زیادہ محبوب ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رح اس کے بعد لکھتے ہیں کہ اوپر کی روایت میں دوسرے گواہ کا نام مذکور نہیں۔ کہتے ہیں کہ وہ مشہور صحابی صعب بن جثامہ تھے اس کو یعقوب بن سفیان نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے اور طبری نے سیف کے طریق سے روایت کی کہ شہادت دینے والے صعب کے بیٹے جثامہ تھے جن کا نام دادا کے نام پر جثامہ رکھا گیا تھا۔ ایک اور روایت میں دوسرے گواہ ابو زینب بن عوف اسدی اور ابو مورع اسدی تھے۔ اور عمر بن شبہ نے اخبار مدینہ میں باسناد حسن ابو الضحیٰ سے روایت کی کہ ولید کے خلاف ان چار گواہوں نے شہادت دی تھی (۱) ابو زینب (۲) ابو مورع اسدی

(۳) جندب بن زہیر ازدی (۴) سعد بن مالک اشعری (فتح الباری)

جب ولید پر مار پڑنے لگی تو اس وقت اُس نے اپنے جسم پر چادر اوڑھ رکھی تھی۔ حضرت علی رضہ نے جناب عبد اللہ بن جعفر رضہ سے فرمایا کہ چادر اتار کر دُرّے لگاؤ۔ چنانچہ چادر اُتار دی گئی۔ (طبری و ابن خلدون)

یہ امر خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ ولید کو مدینہ منورہ میں اس کے خویش و اقارب اور تمام بنو اُمیّہ کی موجودگی میں اور حضرات مہاجرین و انصار کے سامنے کوڑے پٹوائے گئے۔ یہ فضیحت و رسوائی کی انتہا تھی۔ اولاً اس لیے کہ وہ کوئی معمولی درجہ کا آدمی نہیں بلکہ ایک صوبہ کا والی تھا۔ ثانیاً مے خواری شریعت اسلامیہ میں بہت بڑا جرم ہے اور والی کا یہ منصب ہے کہ حدودِ شریعت جاری کرے اور بذاتِ خود بھی صلاح و تقویٰ اور کتاب و سُنت کے اتباع میں لوگوں کے لیے نمونہ ہو۔ ثالثاً اس وجہ سے کہ وہ امیر المومنین کا بھائی تھا اور امیر المومنین نے اُسے حضرت سعد بن ابی وقاص رضہ جیسے جلیل القدر صحابی کی بجائے کوفہ کا والی بنایا تھا اور جب اس کو سزا دی گئی تو بے باک لوگوں کو جو زبان درازی کے لیے فرصت کے منتظر رہتے ہیں حضرت خلافت مآب رضہ کے خلاف لب کشائی کا موقع مل گیا تھا۔

اب امیر المومنین رضہ نے ولید کو کوفہ کی حکومت سے معزول کر کے سعید بن عاص بن امیہ کو مامور فرمایا۔ سعیدِ اوّل کافر تھا اور حالتِ کفر ہی میں مرا۔ اور سعیدِ ثانی نے حالتِ یتیمی میں امیر المومنین حضرت عثمان رضہ کی گود میں پرورش پائی تھی۔ جب شام فتح ہوا تو سعید امیر معاویہ رضہ کے ساتھ

شام میں مقیم رہے۔ پھر امیر المومنین عثمان رض نے شام سے بلا کر ان کا عقد کرا دیا کچھ زمانہ تک مدینہ میں رہے یہاں تک کہ ۳۰ھ میں ان کو ولید بن عقبہ کی جگہ کوفہ کی حکومت پر سرفراز فرمایا۔ (ابن خلدون)

فصل ۱۸

فتح خراسان

امیر المومنین حضرت ذوالنورین رض کے عاملوں نے عہد عثمانی میں جن ممالک و بلاد کو زیر نگین کیا، ان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو عہد فاروقی میں فتح ہوئے تھے لیکن حضرت عمر رض کی آنکھیں بند ہوتے ہی وہاں کے باشندوں نے کوس بغاوت بجا کر خودسری اختیار کر لی تھی اور عمال عثمانی کو وہ ممالک وامصار از سر نو فتح کرنے پڑے تھے۔ دوسرے گروہ نئے علاقے جو فاروقی فاتحین کی ترک تازیوں سے ہنوز ناآشنا تھے اور حضرت عثمان رض نے عنان خلافت سنبھالنے کے بعد اپنے عمال حکومت کو وقتاً فوقتاً ان کی تسخیر کا حکم دیا

اور وہ ان کو فتح کر کے اسلامی قلمرو میں شامل کرتے رہے۔ خراسان بھی من جملہ ان ممالک کے ہے، جو فاروقی عملداری میں داخل ہو چکے تھے لیکن اہلِ ملک نے حضرت عمر رض کی رحلت کے بعد غدّاری کر کے علمِ خود سری بلند کر دیا تھا۔

خراسان کے حدود ہر زمانہ میں مختلف رہے ہیں۔ کسی زمانہ میں تمام ماوراء النہر، خوارزم، فرغانہ، طخارستان اور سیستان کے علاقے رقبہ خراسان میں داخل تھے لیکن عہد حاضر میں خراسان سے وہ سرزمین مراد لی جاتی ہے جس کے مشہور شہر نیشاپور، مَرْو، ہرات اور بلخ ہیں۔

غزوۂ خراسان کی اجازت طلبی

مہم فارس سے فراغت پانے کے بعد لوگوں نے عبداللہ بن عامر والی بصرہ کو خراسان کی طرف پیش قدمی کرنے کی رائے دی۔ کیونکہ رحلتِ فاروقی کے بعد ان اطراف میں بھی بغاوت پھوٹ پڑی تھی۔ ابن عامر نے امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے غزوۂ خراسان کی اجازت طلب کی۔ امیر المومنین رض نے اس رائے کو پسند فرمایا۔ عبداللہ بن عامر نے بقول ابن خلدون زیاد بن عامر کو اور حسب بیان بلاذری زیاد بن ابی سفیان کو بصرہ میں اپنا قائم مقام کیا اور ایک لشکر جرار مرتب کر کے عازم خراسان ہوئے۔

چونکہ اہل کرمان نے بھی غدّاری کی تھی، اس لیے وہاں پہنچنے کے بعد مجاشع بن مسعود سلمی نام ایک صحابی رض کو کرمان کا عامل مقرر کر کے اہل کرمان پر

لشکر کشی کرنے کے لیے روانہ کیا۔ اسی طرح اہل سیستان نے بھی نقضِ عہد کر کے علم بغاوت بلند کر رکھا تھا' اس وجہ سے ربیع بن زیاد حرثی کو وہاں کی حکومت عطا کر کے ان کی سرکوبی پر متعین کیا۔ ان دونوں نے جو فتوحات حاصل کیں ان کا تذکرہ ان شاء اللہ العزیز آیندہ سطور میں ہوگا۔

نیشاپور پر یلغار

عبداللہ بن عامر نے ان افسروں کو رخصت کرنے کے بعد خود نیشاپور کا راستہ لیا۔ اس وقت احنف بن قیس ان کے مقدمۃ الجیش پر تھے۔ یہ لوگ سب سے پہلے طبسین پہنچے جو دو مشہور قلعے اور خراسان کے دروازے تھے۔ احنف نے ان قلعوں کو بصلح وامان فتح کر لیا۔ اس کے بعد قوہستان پہنچے اور محاصرہ کر کے سنگ باری شروع کر دی۔ اس اثناء میں عبداللہ بن عامر بھی آ پہنچے۔ اہل قوہستان نے مقابلہ کی تاب نہ لا کر پہاڑوں کی طرف بھاگنا شروع کیا۔ جب وہاں بھی نجات کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو چھ لاکھ درہم سالانہ خراج پر صلح کر لی (ابن اثیر وابن خلدون)

تسخیر بیہق

اب ابن عامر نے مختلف فوجی افسروں کو ایک ایک دستہ فوج دے کر نیشاپور کے مختلف علاقے فتح کرنے کو بھیجا مثلاً ابو سالم یزید بن یزید جرشی کو رستاق زام کو روانہ کیا انھوں نے اس کو بزور تیغ مسخر کیا۔ اس کے بعد یزید نے رستاق باخرز پر تاخت کی اور اس کو مسخر کر کے جوین پر اپنی کامیابی کا جھنڈا گاڑ دیا۔ اسود بن کلثوم عدوی نام ایک افسر نیشاپور کی ایک تحصیل رستاق بیہق کو بھیجے گئے تھے۔ اتفاق سے

بیہق کی شہر پناہ میں ایک روزن تھا۔ اسود اسی شگاف سے فوج کے ایک حصہ کو لے کر شہر میں داخل ہوئے۔ اہل شہر چاروں طرف سے ہجوم کر کے ان پر ٹوٹ پڑے۔ خوب گھمسان کی لڑائی ہوئی جس میں اسود اپنے ساتھیوں سمیت شہید ہوئے۔ اب لشکر اسلام کا علم ان کے بھائی ادہم بن کلثوم نے سنبھالا۔ اور نہایت بہادری سے لڑ کر بیہق فتح کیا۔ اسود دعا کیا کرتے تھے کہ الٰہی! مجھے قیامت کے دن درندوں اور پرندوں کے شکم سے اٹھانا۔ ادہم نے ان کے ساتھیوں کو تو دفن کرا دیا لیکن بھائی کی نعش ان کے حسب خواہش پرندوں کے لیے چھوڑ دی۔ (فتوح البلدان)

صوبۂ نیشاپور اسلامی عملداری میں

اس اثنا میں عبداللہ بن عامر نے صوبۂ نیشاپور میں بُشت، اسفرائن، اشبند رُخ، زادہ، خواف اور ارغیان فتح کر کے نیشاپور کا رُخ کیا۔ کامل ایک مہینہ تک اس کا محاصرہ کیے رہے۔ نیشاپور کے چار حصے تھے اور ہر حصہ پر ایک عامل حکمران تھا جن کو مرزبان کہتے تھے۔ ایک مرزبان نے اس شرط پر رات کو دروازہ کھول دینے کا اقرار کیا کہ اس کو امان دی جائے۔ ابن عامر نے یہ شرط منظور کر لی۔ اسلامی سپاہ رات کے وقت شہر میں داخل ہو گئی۔ ان چاروں میں سے جو بڑا مرزبان تھا وہ گھبرا کر کچھ فوج کے ساتھ قلعہ بند ہو گیا۔ عساکر اسلامی نے قلعہ پر دھاوا کیا اس نے مجبور ہو کر دس لاکھ درہم سالانہ خراج کا وعدہ کر کے صلح کر لی۔ ابن عامر نے صوبۂ نیشاپور پر قیس بن ہیثم سلمی کو

عامل مقرر کر دیا (فتوح البلدان و تاریخ ابن خلدون)

سرخس اور مرو پر قبضہ

اس کامیابی کے بعد ابن عامر نے عبداللہ بن حازم سُلمی کو نسا میں رستاق حُمر اندز کی طرف بھیجا۔ عبداللہ بن حازم نے رستاق کو فتح کیا۔ پھر حاکم نسا ان کے پاس آیا اور تین لاکھ درہم پر صلح ہوگئی۔ اس کے بعد عبداللہ بن عامر نے عبداللہ بن حازم کو ابی وَرد بھیجا اہل ابی ورد نے چار لاکھ درم سالانہ پر مصالحت کرلی۔ پھر ابن عامر نے عبداللہ بن حازم کو سرخس کی جانب روانہ کیا۔ سرخس کے مرزبان نے دو چار لڑائیوں کے بعد سو آدمیوں کی امان پر شہر سپرد کر دینے کا اقرار کیا اور شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔ اب طوس کا مرزبان آیا اور اس نے چھ لاکھ درہم جزیہ دے کر مصالحت کرلی۔ اس کے بعد عبداللہ بن حازم ہرات اور مَرو کی طرف بھیجے گئے۔ ہرات کے مرزبان نے دس لاکھ درہم سالانہ اور حاکم مَرو نے دو کروڑ دس لاکھ درہم سالانہ پر صلح کرلی۔ (ابن خلدون، بلاذری)

طوس اور ہرات پر عمل و دخل

اب عبداللہ بن حازم نے ایک حُریت یافتہ غلام یزید بن سالم کو ایک دستہ فوج دے کر بینہ اور کیف کی طرف بھیجا۔ اس نے جا کر دونوں مقامات کو فتح کیا۔ اس اثنا میں طوس کا حاکم جناب عبداللہ بن عامر کے پاس پہنچا اور اپنے علاقہ کے لیے چھ لاکھ درہم سالانہ پر صلح کرلی۔ ابن عامر نے ایک لشکر اوس بن ثعلبہ کے

زیر قیادت ہرات کی طرف بھیجا یہ سن کر حاکم ہرات نے اپنا ایلچی بغرض مصالحت قائد اعظم عبداللہ بن عامر کے پاس روانہ کیا۔ ابن عامر نے ہرات، باذغیس اور بوشنج کے لیے دس لاکھ درہم سالانہ پر صلح منظور کر کے نوشتہ دے دیا اب مروالشاہجان کے حاکم نے بھی بغرض مصالحت اپنا ایلچی روانہ کیا۔ عبداللہ بن عامر نے باہمی مفاہمت کے لیے حاتم بن نعمان باہلی کو حاکم کے پاس بھیجا۔ بائیس لاکھ درہم سالانہ پر صلح ہو گئی۔ حاکم نے اہل ہرات پر لازم کیا کہ وہ مسلمانوں کو اپنی منازل میں کافی جگہ دیں گے اور مقررہ خراج بحصہ رسدی عدل کے ساتھ تحصیل کر کے مدینہ منورہ بھیجتے رہیں گے۔ (فتوح البلدان)

جنگ طخارستان

اس کے بعد ابن عامر نے حضرت احنف بن قیس صحابی رضؓ کو طخارستان کی طرف روانہ کیا۔ اثناء راہ میں حاکم دارالجبرد نے تین کروڑ درہم سالانہ پر صلح کی درخواست پیش کی۔ احنف رضؓ نے بدیں شرط یہ درخواست قبول کی کہ کوئی مسلمان دارالجبرد جا کر باآواز بلند اذان دے اور نماز پڑھ کر واپس آئے۔ حاکم نے اس کو قبول کر لیا اور صلح ہو گئی۔ اس کے بعد احنف رضؓ مروالروذ پر پہنچے۔ اہل مروالروذ مقابلہ پر آئے۔ لڑائی ہوئی۔ احنف رضؓ نے ان کو شکست دے کر مروالروذ کا محاصرہ کر لیا۔ حاکم مروالروذ باذان والیٔ یمن کی جو حضور رسیدِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک غیبی اطلاع کے صحیح نکلنے پر مشرف بایمان ہوا تھا، اولاد میں تھا۔ اس نے احنف رضؓ کو لکھا کہ باذان کا اسلام مجھے مائل کرتا ہے کہ تم سے صلح کر لوں۔ چنانچہ چھ لاکھ سالانہ جزیہ پر صلح ہو گئی۔ (ابن خلدون و بلاذری)

اسلامی قائد کی غیبی رہ نمائی

مروالروذ کے مسخر ہونے کے بعد اہل طخارستان نے مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے اپنے گرد و پیش کے لوگوں اور جرجان، طالقان اور فاریاب کے باشندوں کو جمع کیا۔ یہاں تک کہ ان کی تعداد تیس ہزار تک پہنچ گئی۔ اس کے بعد اہل صغانیاں بھی ان سے آملے۔ احنف رض کو دشمن کی کثرت کا حال معلوم ہوا تو غور و فکر کرنے لگے کہ صورتِ حال کا کیوں کر مقابلہ کیا جائے؟ اسی سوچ بچار میں وہ اپنے خیمہ سے نکلے تو آگے جا کر دیکھا کہ ان کی فوج کے سپاہی آپس میں باتیں کر رہے ہیں۔ ایک نے کہا کہ دشمن سے عمدہ بر آ ہونے کی یہ صورت ہے کہ ہمارا قائد جھٹ دشمن کی طرف پیش قدمی کر دے اور جہاں مڈبھیڑ ہو وہیں ان سے گتھ جائے۔ دوسرا جو ہنڈیا کے نیچے آگ دہکا رہا تھا یا آٹا گوندھ رہا تھا بولا کہ یہ رائے صائب نہیں۔ صحیح رائے یہ ہے کہ ہمارا سپہ سالار گھاٹی میں داخل ہو کے مرغاب اور پہاڑ کے درمیان اس طرح اُترے کہ مرغاب دائیں جانب اور پہاڑ بائیں طرف ہو۔ اس موقف میں دشمن کی کثرت تعداد بے کار ہو جائے گی۔ برابر کا مقابلہ ہو گا، غنیم بھی اتنی ہی فوج مقابلہ پر لا سکے گا جتنی فوج ہمارے قائد کے پاس ہے۔" رائے صائب تھی، احنف بن قیس رض کے دل میں اتر گئی چنانچہ اسی پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

شاہ صغانیاں کا قتل

احنف رضی اللہ عنہ کے ساتھ کل پانچ ہزار مردانِ غازی تھے۔ چار ہزار عرب اور ایک

ہزار عجمی مسلمان۔ احنف رضؓ نے اسی فوج سے دشمن کا مقابلہ کیا۔ ایک بار اپنا پرچم ہوا میں لہرا کر دفعتہً ان پر ٹوٹ پڑے۔ دشمن نے جوابی حملہ کیا۔ صغانیان کا بادشاہ احنف رضؓ پر حملہ آور ہوا اور نیزے کا وار کیا۔ وار خالی گیا اور احنف نے نیزہ اس کے ہاتھ سے چھین لیا اور بادشاہ کو ہلاک کر کے اس کے تین طبل داروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس معرکہ میں دشمن کے قریب قریب تمام سردار طعمۂ اجل ہو گئے۔ مسلمانوں نے اعداء پر خوب تیغ چلائی اور انھیں بے دریغ قتل کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اعداء نے راہ فرار اختیار کی دشمن کی ہزیمت خوردہ فوج بھاگ کر جُرجان پہنچی۔ احنف رضؓ نے اقرع بن حابس تمیمی رضی اللہ عنہ کو سواروں کے ساتھ ان کے تعاقب میں بھیجا۔ جرجان میں دشمن سے مقابلہ ہوا شروع میں مسلمانوں کے قدم اکھڑے لیکن پھر سنبھل کر ایسا حملہ کیا کہ کفار منہزم ہو گئے اور جُرجان فتح ہو گیا۔ اس کے بعد خود احنف رضؓ نے طالقان اور فاریاب کو بھی صلحاً فتح کر لیا۔ (فتوح البلدان)

بلخ پر فوج کشی

اب احنف رضؓ نے بلخ پر فوج کشی کی۔ یہ طخارستان کا مشہور شہر ہے۔ اہل بلخ نے سات لاکھ درہم سالانہ پر مصالحت کر لی۔ احنف رضؓ نے اُسید بن مُتَشَمِّس کو بلخ کا عامل مقرر کر کے خود خوارزم کا قصد کیا۔ یہ پورا علاقہ دریائے جیحون سے سیراب ہوتا ہے۔ چونکہ اہل خوارزم نے دریائے جیحون کا پُل توڑ ڈالا تھا اور کشتیاں بھی ہٹا دی تھیں، اس لیے احنف رضؓ بلخ واپس آنے پر مجبور ہوئے۔ (ابن خلدون)

جب ماوراء النہر کے باشندوں نے سنا کہ مسلمانوں نے مادون النہر کا سارا

علاقہ فتح کر لیا ہے تو مصالحت کی سلسلہ جنبانی کر کے صلح کر لی (بلاذری)

شکرانۂ فتوحات میں عزم حج

چونکہ عبداللہ بن عامر کے ہاتھوں فارس خراسان کرمان، سجستان وغیرہ ممالک دوبارہ نہایت کامیابی کے ساتھ مفتوح ہوئے تھے لوگوں نے عام طور پر ابن عامر سے یہ کہنا شروع کیا کہ جس قدر فتوحات تمہارے زور بازو سے ظہور میں آئیں، اس قدر اور کسی کو نصیب نہیں ہوئیں تو ابن عامر نے جواب دیا "بے شک! یہ اس محسن حقیقی عز اسمہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھ ایسے ناچیز بندہ کے ہاتھوں سے اس قدر بلاد و امصار کو مفتوح کیا۔ میں اس کے شکریہ میں ابھی جائے اقامت سے احرام باندھ کر حج کو جاؤں گا۔" چنانچہ خراسان پر قیس بن ہیثم کو مامور کر کے نیشاپور سے احرام باندھا۔ پہلے مدینہ منورہ جا کر امیر المومنین حضرت عثمان رضہ سے ملے۔ اس کے بعد کعبۃ اللہ جا کر حج کیا۔

عبداللہ بن عامر کے جانے کے بعد قیس بن ہیثم نے طخارستان کا قصد کیا۔ اس سرزمین کا کوئی شہر ایسا نہ تھا جہاں وہ نہ پہنچے ہوں۔ سب نے نذرانۂ اطاعت پیش کیا اور مصالحت کی۔ البتہ سمنجان کے باشندوں نے ان کو روکا اور دروازے بند کر کے مزاحمت کی لیکن قیس نے ان کا محاصرہ کر کے شہر کو بزور تیغ فتح کر لیا (بلاذری و ابن خلدون) یاد رہے کہ طخارستان کے جس شہر والوں نے قیس بن ہیثم کا مقابلہ کیا اس کا نام بلاذری نے سمنجان اور ابن خلدون نے سنجار لکھا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ شہر دونوں ناموں سے مشہور رہو۔

مال غنیمت کی فراوانی

سیوطی لکھتے ہیں کہ سنہ ۳۱ھ میں جُور اور خراسان کا اکثر حصہ نیشاپور، طوس، سرخس، مرو، بیہق وغیرہ فتح ہوئے۔ ان فتوحات سے مالِ غنیمت کی اتنی فراوانی ہوئی کہ خزانے بنانے کی ضرورت پیش آئی اور امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دل کھول کر لوگوں میں زرِ نقد تقسیم کیا یہاں تک کہ ہر مسلمان کو ہزار ہزار بدرے ملے جن میں چار چار ہزار اوقیہ تھے۔ (تاریخ الخلفاء)

فصل ۴۳

فتحِ کرمان

کرمان کے حدودِ اربعہ یہ ہیں۔ شمال میں کوہستان۔ جنوب میں مکران وبحرِ عمان۔ مشرق میں سیستان جسے اہلِ عرب سجستان کہتے ہیں۔ اور مغرب میں فارس۔ اس کا دارالحکومت جیرفت ہے دوسرے شہر یہ

یہ ہیں۔ ہرموزہ، شیرجان، زرزند، ماہان، کوغون، بم، فہرج، قفص، بافت جنز، روز۔ شیرجان کرمان کا سب سے بڑا شہر جیرفت تجارت گاہ تھا۔

گو عہد فاروقی میں بھی اسلامی لشکر کرمان پر حملہ آور ہوا تھا اور جیرفت اور شیرجان تک فوجیں بڑھتی چلی گئی تھیں مگر اس وقت یہ سرزمین باقاعدہ اسلامی حلقۂ اقتدار میں داخل نہ ہوئی تھی۔ عہد عثمانی میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رض نے جو جناب عبداللہ بن عامر سے پہلے بصرہ کے والی تھے ایک فوجی سردار ربیع بن زیاد کو کرمان بھیجا تھا۔ ربیع نے شیرجان کے اطراف کا علاقہ فتح کیا اور اہل بم اور اہل اندغار نے جزیہ کے وعدہ پر صلح کی مگر پھر یہ باغی ہو گئے۔

فصل سابق میں لکھا گیا تھا کہ جب عبداللہ بن عامر بصرہ کے والی مقرر ہونے کے بعد عازم خراسان ہوئے تو انھوں نے مجاشع بن مسعود سُلمی کو کرمان کی مہم سپرد کی تھی۔ انھوں نے کرمان میں داخل ہو کر مقام ہمید یا ہمند کو بزور تیغ فتح کیا۔ باشندوں کو بحال و برقرار رکھا اور ان کو امان دی اور وہاں ایک قصر بنوایا جو ان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد مجاشع نے بمہ و خرذہ فتح کیا۔ پھر شیرجان پہنچے۔ اہل شہر قلعہ بند ہو گئے۔ اس کے بعد اس کے سوار آ آکر مقابلہ کرنے لگے۔ مجاشع نے سب کو منہزم کر کے شہر فتح کیا اور وہاں کے اکثر سرکش باغیوں کو جنھوں نے جزیہ دینے سے قطعی انکار کیا جلاوطن کر دیا اور جنھوں نے جزیہ دینا قبول کیا ان کو امان دے کر وہاں بود و باش رکھنے کی اجازت دی۔ اس کے بعد اپنے ساتھیوں

میں سے کسی کو اپنا قائم مقام مقرر کر کے بم کی طرف سدھارگئے۔ اوپر لکھا گیا ہے کہ اہل بم اور اہل اندغار نے ربیع بن زیاد سے مصالحت کی تھی لیکن اس کے کچھ عرصہ بعد باغی ہو گئے تھے۔ مجاشع بن مسعود نے ان دونوں مقامات کو از سر نو فتح کیا۔ پھر جیرفت پہنچے اور اس کو بزور شمشیر مسخر کر کے اطراف وجوانب کرمان کو پامال کرتے ہوئے قفص میں نزول اجلال فرمایا۔ یہاں پر ایرانیوں کا بہت بڑا مجمع تھا۔ عساکر اسلامی نے بڑی شجاعت سے ان پر تاخت کی ایرانیوں نے جہاں تک ان کی قوت نے یاری دی حملہ کو روکا بالآخر ہزیمت اٹھا کر میدان جنگ سے بھاگے۔ اکثر ایرانی کشتیوں پر سوار ہو کر مکران و بحستان چلے گئے اور اثناء دار و گیر میں ہزاروں مارے گئے۔

ہرموز میں جلا، وطن اور ہزیمت خوردہ عجمیوں کی ایک کثیر جماعت مسلمانوں سے لڑنے کے لیے فراہم تھی۔ دست بدست لڑائیاں ہوئیں۔ آخر مجاشع نے سب کو مغلوب کیا اور ان پر فتح پائی۔ کثیر التعداد کرمانی بھاگ گئے اور سمندر عبور کر کے مختلف مقامات پر پناہ گیر ہوئے۔ عربوں نے کرمان کو خوب آباد کیا۔ جا بجا نہریں جاری کیں اور ملک کی شادابی و سرسبزی کو خوب ترقی دی

(فتوح البلدان و تاریخ ابن خلدون)

فصل ۴۳

فتح سیستان

اہل عرب سیستان کو سجستان کہتے ہیں۔ حدود اربعہ یہ ہیں شمال میں ہرات، مشرق میں سندھ۔ جنوب میں مکران اور مغرب میں کرمان اور قوہستان۔ زرنج، آمل، فرہ، جوین وغیرہ شہر ہیں۔ زرنج میں میوہ جات بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔

سیستان امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے صاحب زادہ عاصم رح کے ہاتھ سے ۲۳ھ میں فتح ہوا تھا۔ اس ملک کی تسخیر سے بڑا فائدہ یہ ہوا تھا کہ سندھ سے لے کر نہر بلخ تک جس قدر ممالک تھے ان کی فتح کی کلید مسلمانوں کے ہاتھ آگئی۔ لیکن حضرت عمر رض کے واقعۂ شہادت کے بعد اہلِ سیستان نقض عہد کر کے باغی ہو گئے۔ (ابن خلدون)

اوپر لکھا گیا تھا کہ قائد اعظم عبداللہ بن عامر نے ربیع بن زیاد حارثی کو

سیستان فتح کرنے پر مامور کیا تھا۔ ربیع نہایت تیزی سے قطع منازل کر کے زالق پہنچے۔ زالق ایک قلعہ تھا۔ اس کے اور سیستان کے درمیان پانچ فرسنگ کا فاصلہ ہے۔ اسلامی لشکر نے وہاں کے حاکم کو گرفتار کر لیا۔ حاکم نے اپنے فدیہ میں بقدر ایک نیزہ مال پیش کیا یعنی نیزہ زمین میں پیوست کر کے اس کو سیم وزر سے ڈھانک دیا۔ ربیع نے خون معاف کر دیا اور صلح کر لی۔

پھر ربیع بن زیاد کرکویہ کو فتح کرتے ہوئے زرنج کی طرف بڑھے ایرانیوں نے شہر سے نکل کر کھلے میدان میں مقابلہ کیا۔ ربیع نے پہلے ہی معرکہ میں ان کو شکست دے کر ناشرذ اور شرواذ کو فتح کرتے ہوئے زرنج کو جا گھیرا۔ اہل زرنج نے بہت بڑے اہتمام سے مقابلہ کیا لیکن مسلمانوں نے ان کو بھی ہزیمت دے کر پیچھے ہٹا دیا۔ حاکم زرنج نے صلح کی درخواست کی اور شرائط صلح پر گفتگو کرنے کے لیے اپنی امان حاصل کر کے حاضر ہوا۔ ربیع نے ایک مقتول پر بیٹھ کر دوسرے مقتول پر تکیہ لگایا۔ دوسرے مسلمان افسروں نے بھی ایسا ہی کیا۔ حاکم زرنج یہ دیکھ کر سہم گیا اور اس قدر مرعوب ہوا کہ وہ ربیع کے سامنے کھڑا کانپ رہا تھا۔ اس نے ایک ہزار غلام اور ایک ہزار سونے کے پیالے دے کر صلح کر لی۔ اسلامی لشکر زرنج میں داخل ہو گیا۔

ربیع اگلے دن وادی سنا روز کو عبور کر کے قرنبین کے مقام پر پہنچے۔ یہاں رستم کے گھوڑوں کی مربط (باندھنے کی جگہ) تھی۔ اہل قرنبین نے تعرض کیا جس کا نتیجہ رزم وپیکار کی صورت میں ظاہر ہوا۔ خدا نے

ذی الجلال نے لشکر اسلام کو مظفر و منصور کیا۔ پھر ربیع لوٹ کر زرنج میں آئے اور ایک برس کے قیام کے بعد ایک شخص کو اپنا نائب مقرر کر کے عبداللہ بن عامر کے پاس چلے گئے۔ امام حسن بصری رح ربیع کے کاتب (یعنی پرائیویٹ سکریٹری) تھے۔ (ابن خلدون)

اس کے بعد اہل زرنج نے بدعہدی کی۔ خراج مقررہ ادا نہ کیا اور ربیع کے مقرر کیے ہوئے عامل کو شہر سے نکال دیا۔ عبداللہ بن عامر نے عبدالرحمٰن بن سمرہؓ کو سیستان کا والی مقرر کر کے روانہ کیا۔ انھوں نے آتے ہی زرنج کا محاصرہ کر لیا۔ اہل زرنج نے طویل محاصرہ سے تنگ آکر دو لاکھ درہم پر مصالحت کر لی۔ عبدالرحمٰن بن سمرہ بن حبیب عبشمی رضی اللہ عنہ حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتہ صحابی اور بڑے لائق افسر تھے۔ اب حضرت عبدالرحمٰن آگے بڑھے اور اُن تمام علاقوں پر قابض ہو گئے جو زرنج اور کش کے درمیان تھے۔ یہ علاقہ عہد حاضر میں بلوچستان میں شامل ہے۔ اس لحاظ سے پاکستان کی سرزمین پر یہ پہلا حملہ خشکی کی طرف سے ہوا اور پاکستان کا یہی پہلا علاقہ ہے جو مسلمانوں کے قبضہ میں آیا اور خود ایک صحابیٔ رسولؐ کے مقدس ہاتھوں سے مفتوح ہوا۔

اس کے بعد جناب عبدالرحمٰن رضؓ نے شہر داوین میں پہنچ کر جبل زور میں مشرکوں کا محاصرہ کیا۔ انھوں نے صلح کی درخواست کی۔ عبدالرحمٰنؓ نے اس کو منظور کیا اور زور کے بت خانہ میں داخل ہوئے۔ زور ایک بُت کا

نام تھا جس کا جسم سونے کا اور آنکھیں یاقوت کی تھیں۔ عبدالرحمٰن رضہ نے اس کی آنکھیں نکال لیں اور ہاتھ کاٹ کر مرزبان سے کہا مجھے اس سونے چاندی اور جواہرات سے کوئی غرض نہیں ہے۔ تو یہ سب کچھ لے لے۔ میں نے یہ کام محض اس لیے کیا ہے کہ تجھے معلوم ہو جائے کہ بت کسی کو کچھ نفع نقصان نہیں پہنچا سکتا بلکہ اس کو اپنی ہستی تک کا علم نہیں ہے۔ (ابن خلدون)

فصل ۴۴

کابل اور زابلستان کی تسخیر

فصل سابق میں فتح سیستان کے واقعات حوالۂ قرطاس ہوئے تھے۔ سیستان کی مہم سے فراغت پا کر عبدالرحمٰن بن سمرہ رضہ نے کابل کا رخ کیا۔ اس وقت ان کا مقدمۃ الجیش عباد بن حصین کے ماتحت تھا۔ جن علاقوں نے غدر و نکث کیا تھا، ان کو بزور یا بصلح فتح کرتے ہوئے کابل پہنچے اور اس کا محاصرہ کیا۔ مہینوں محاصرہ کیے ہوئے منجنیقوں سے سنگ باری کرتے رہے۔ انجام کار اسی سنگ باری سے شہر پناہ شق ہو گئی اور ایک بڑا

رخنہ پیدا ہو گیا۔ عبّاد اس رخنہ سے شہر میں داخل ہوئے۔ شب خون مارا مشرک بھی لڑے یہاں تک کہ لڑتے لڑتے صبح ہو گئی۔ مشرکوں نے بہتیری کوشش کی مگر اس شگاف کو بند نہ کر سکے۔ عبّاد نے اس معرکہ میں بڑی بہادری اور شجاعت کا ثبوت دیا۔ امام حسن بصری رح فرماتے ہیں کہ میں نے اس وقت تک اِس بات پر بھی یقین نہیں کیا کہ کوئی شخص ہزار آدمی کا مقابلہ کر سکتا ہے جب تک کہ میں نے عبّاد بن حُصین کو نہیں دیکھا۔ صبح کے وقت اہل شہر، ہاتھیوں کا ایک جُھنڈ لیے ہوئے مقابلہ کو نکلے۔ لشکرِ اسلام کے ایک فوجی سردار عبداللہ بن حازم سُلمی نے مردانہ وار بڑھ کر ہاتھی پر حملہ کیا ہاتھی نے ان کو سونڈ میں لے لیا لیکن انھوں نے کمال مردانگی سے ایسی تلوار ماری کہ سونڈ کٹ کر زمین پر جا گری۔ یہ دیکھ کر ہاتھی کے سوار نے عبداللہ پر نیزہ چلایا۔ عبداللہ نے وار خالی دیا۔ سوار ہاتھی سے نیچے آرہا۔ عبداللہ بن حازم نے تکبیر کا نعرہ بلند کیا جس کو لشکر اسلام نے سُن کر دُہرایا۔ دشمنان اسلام میں بد دلی پھیل گئی اور مخالف چل سی پڑ گئی۔ چنانچہ بدحواسی کے عالم میں سب نے بھاگنا شروع کیا۔ لشکر اسلام شمشیر زنی کرتا ہوا شہر میں داخل ہوا الغرض عبدالرحمٰن بن سمرہ رض کابل فتح کر کے زابلستان کی طرف گئے اور اس کو بھی لڑ کر فتح کیا۔ اس اثنار میں اہل کابل نے بدعہدی کی۔ لیکن عبدالرحمٰن نے زابلستان سے دوبارہ کابل کا رخ کیا اور ان کو زیر کر کے اچھی طرح گوشمال کیا۔

عبدالرحمٰن بن سمرہ کابل اور زابلستان کو فتح کر کے زرنجان واپس

گئے اور وہیں ٹھیرے رہے تا آنکہ امیر المومنین عثمان رضہ کی حکومت میں ایک گونہ اضطراب پیدا ہوا۔ انہی ایام میں عبد الرحمٰن زرنج پر اُمیر بن اَحمر کو اپنا نائب مقرر کر کے مدینہ منورہ چلے گئے۔ (ابن خلدون)

فصل ۴۵

تسخیر آرمینیہ

آرمینیہ بھی جس کو بلادِ ارمن کہتے ہیں خلافتِ عثمانی میں اسلامی قلمرو میں داخل ہوا تھا۔ اس کے شمال مغرب میں بحر اسود، مشرق میں جارجیا یا گرجستان، جنوب مغرب میں ایشیائے کوچک ہے۔ حضرت خلافت مآب رضہ نے حُبیب بن مَسلمہ فہری کو حکم دیا کہ آرمینیہ جا کر لوگوں کو اسلام سے رُوشناس کرائیں۔ حبیب شام اور الجزیرہ کی چھ یا آٹھ ہزار فوج کے ساتھ روانہ ہوئے۔ جب شہر قالیقلا کے قریب پہنچے تو ارمنوں نے مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی اور شہر میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ آخر جزیہ کی شرط قبول کر کے امان مانگی۔ حبیب چند ماہ اپنی فوج کے ساتھ یہاں مقیم رہے۔

شام اور کوفہ سے کمک کی آمد

اس اثناء میں خبر ملی کہ بطریق ارمینا قس نے مسلمانوں سے رزم خواہ ہونے کے لیے جمعیت عظیم فراہم کی ہے اور اہل لان انخار اور سمندر المں سے آملے ہیں۔ حبیب نے حضرت عثمان رضہ کو کمک کے لیے لکھ بھیجا۔ انھوں نے امیر معاویہ رضہ والئ شام کو حکم بھیجا کہ وہ شام اور الجزیرہ کے اُن مسلمانوں کو جو جہاد فی سبیل اللہ کے شائق ہوں جمع کر کے حبیب کے پاس بھیج دیں۔ امیر معاویہ نے دو ہزار آدمی بھیجے جن کو حبیب نے آرمینیہ کے مفتوحہ علاقہ میں آباد کیا جاگیریں دیں اور مرابطین کی حیثیت سے متعین کیا۔

پہلے لکھا جا چکا ہے کہ حضرت عثمان رضہ نے ولید بن عُقبہ کے بعد سعید بن عاص (بن سعید بن عاص بن اُمیہ) کو امارتِ کوفہ پر متعین فرمایا تھا۔ امیر المومنین نے سعید بن عاص کو بھی لکھا کہ وہ سلمان بن ربیعہ باہلی کی قیادت میں ایک لشکر حبیب بن مسلمہ کی کمک پر بھیجیں۔ سلمان چھ ہزار مجاہدین کے ساتھ کوفہ سے روانہ ہوئے۔ سلمان جو سلمان الخیل مشہور تھے۔ بڑے عالم، فاضل، متقی اور عبادت گزار افسر تھے۔

چونکہ حبیب کے پاس کمک پہنچنے میں دیر ہوگئی اور اس اثناء میں رومی اور ارمن اپنی حربی تیاریاں مکمل کر کے فرات پر خیمہ زن ہوگئے اس لیے حبیب کی فوج کا پیمانۂ صبر لبریز ہوگیا۔ ناچار حبیب نے رومیوں پر شب خون مارا اور ان کو خوب روندا۔ عیسائیوں نے سخت مقابلہ کیا لیکن جب اُن کا

سپہ سالار مارا گیا تو فرار پر مجبور ہوئے۔ حبیب کی بیوی ام عبداللہ بنت یزید کلبیہ نے اس رات ان سے پوچھا کہ تم کہاں ملو گے؟ بولے دشمن کے سرا پردہ پر یا جنت میں۔ اور جب وہ سرا پردہ پر پہنچیں تو وہاں انہیں موجود پایا۔

رومیوں کی ہزیمت

حبیب بن مسلمہ کی فوج کمک پہنچنے سے پہلے ہی اپنے دشمنوں سے فارغ ہو چکی تھی۔ اہل کوفہ نے جو سلمان کے زیر قیادت آئے تھے چاہا کہ انھیں بھی غنیمت میں شامل کیا جائے۔ مگر حبیب اور ان کی فوج نے اس سے انکار کیا۔ کوفیوں نے حضرت عثمان رض سے اس کا شکوہ کیا۔ امیر المومنین نے اس کا جواب دیا کہ یہ مال غنیمت کلیۃً اہل شام (یعنی حبیب کی فوج) کا حق ہے اور سلمان کو لکھ بھیجا کہ تم اران پر حملہ کرو (فتوح البلدان)

یہ تو بلاذری کی روایت تھی۔ اب ابن خلدون کا بیان سنو جو راقم الحروف کے نزدیک زیادہ قابل وثوق ہے۔ علامہ ممدوح رقم طراز ہیں کہ حبیب بن مسلمہ کامیابی کے بعد اپنے رفقاء کے ہمراہ کئی مہینے تک قالیقلا ٹھیرے رہے یہاں تک کہ بطریق آرمیناقس، بلاد ملطیہ، سیتو اس وقونیہ نے اسی ہزار فوج جمع کرکے خلیج قسطنطنیہ کی راہ سے حبیب پر چڑھ آیا حبیب نے امیر المومنین عثمان رض کو اس واقعہ سے آگاہ کیا۔ حضرت عثمان رض نے سعید بن عاص کو کمک بھیجنے کا حکم دیا۔ سعید نے سلمان بن ربیعہ کو چھ یا آٹھ ہزار کی جمعیت سے حبیب کی امداد کو روانہ کیا۔ حبیب اور سلمان نے بڑی

شجاعت سے دشمن کا مقابلہ کیا۔ بالآخر رومیوں کو شکست ہوئی حبیب قالیقلا کی طرف لوٹے اور سلمان بن ربیعہ نے حسب فرمان خلافت مآب بلاد اران پر چڑھائی کی۔"

اہل دبیل وجرزان کے لیے امان نامے

اب حبیب نے آرمینیہ کے اُن علاقوں کی طرف عنان عزیمت پھیری جن پر ہنوز اسلام کا پھریرا نہ لہرایا تھا، چنانچہ قالیقلا سے مربالا گئے۔ اہل مربالا نے اطاعت کرلی اور انھوں نے ان کو امان نامہ لکھ دیا۔ اس سے آگے بڑھ کر ہرک اور دشت الورک کے درمیان ایک منزل پر اترے۔ یہاں ایک عیسائی بطریق خلاط نامی وہ رقم لے کر آیا جو اُس پر واجب تھی اور اس نے ایک ہدیہ بھی پیش کیا لیکن حبیب نے وہ ہدیہ قبول نہ کیا۔ اس کے بعد شہر دبیل فتح کیا دبیل میں جو صلح نامہ لکھا گیا یہ تھا:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حبیب بن مسلمہ کی یہ تحریر نصاریٰ اہل دبیل اور وہاں کے مجوس اور یہود کے لیے ہے۔ عام اس سے کہ وہ حاضر ہوں یا غائب۔ میں نے تمھاری جانوں، تمھارے مالوں، تمھارے کنیسوں، تمھاری عبادت گاہوں اور تمھاری شہر پناہ پر تمھیں امان دی ہے۔ اب تم مکمل طور پر امان یافتہ ہو اور ہم پر تمھارے ساتھ اُس وقت تک وفائے عہد فرض ہے جب تک

کہ تم وفا کرو اور جزیہ و خراج دیتے رہو شَهِدَ اللّٰهُ وَ كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًا۔ حبیب بن مسلمہ نے اس پر اپنی مُہر لگائی"۔
جب یہاں سے کوچ کی تیاری ہوئی تو حبیب کے پاس جُرزان کے بطریق اور اس کے باشندوں کا قاصد آیا اور اطاعت کا پیغام دے کر صلح و امان کی تحریر کے لیے درخواست کی۔ چنانچہ حبیب نے اس مضمون کا ایک امان نامہ لکھ دیا:۔

ا اما بعد نُقلی نام تمہارے قاصد نے میرے اور اُن مومنین کے پاس آ کر جو میرے ساتھ ہیں، تمہاری جانب سے ہمارے متعلق بیان کیا کہ ہم ایک ایسی اُمت ہیں جسے رب العالمین نے بزرگی اور فضیلت عطا فرمائی ہے كَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ وَلَهُ الْحَمْدُ كَثِيْرًا وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ نَبِيِّهٖ وَخِيْرَةِ خَلْقِهٖ وَعَلَيْهِ السَّلَامُ تم نے بیان کیا ہے کہ تم ہم سے مُسالمت چاہتے ہو۔ میں نے تمہارے ہدیہ کی قیمت جانچ کر اس کو تمہارے جزیہ کا ایک حصہ شمار کیا ہے۔ تمہارے لیے امان لکھ دی ہے اور یہ شرط لگا دی ہے کہ اگر تم نے اس کو قبول کیا اور اس پر قائم رہے تو ہم تمہارے ساتھ وفا کریں گے ورنہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے اعلانِ جنگ ہے فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

☆ ☆ ☆

اہلِ تفلیس کے لیے شرائطِ معاہدہ

اس کے بعد اسلامی لشکر تفلیس (طفلس) پہنچا۔ اہل تفلیس نے بھی اطاعت و سرافگندگی ہی میں اپنی عافیت دیکھی۔ حبیب نے اہل تفلیس کے لیے یہ معاہدہ لکھا:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ تحریر حبیب بن مسلمہ کی طرف سے اہل تفلیس کے لیے ہے کہ ان کی جانوں اور ان کے بیعوں اور ان کے صومعوں اور ان کی نمازوں اور ان کے مذہب کے لیے امان ہے بشرطیکہ وہ عاجزی کا اقرار کریں اور گھروں کے تمام افراد پر فی گھر ایک دینار (سالانہ) جزیہ دیں۔ تمھارے لیے یہ جائز نہیں ہو گا کہ جزیہ میں کمی کرنے کی غرض سے کئی گھر ملا کر ایک کر دو اور نہ ہمارے لیے یہ جائز ہو گا کہ جزیہ میں بیشی کرنے کی غرض سے گھروں میں تفریق کریں۔ ہمارا حق یہ ہے کہ تم ہماری خیر خواہی کرو۔ اللہ اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دشمنوں کے مقابلہ میں ہماری مدد کرو اور اہل کتاب کے طعام حلال سے ایک رات حاجت مند مسلمانوں کی میزبانی کرو۔ اگر کوئی مسلمان رستہ بھول کر تمھاری طرف آنکلے تو اسے مسلمانوں کی قریب ترین آبادی تک پہنچا دو۔ اگر تم اللہ کی طرف رجوع ہو جاؤ گے (یعنی دائرۂ اسلام میں داخل ہو گے) اور نماز پڑھنے لگو گے تو تم

ہمارے دینی بھائی ہو۔ ورنہ تم پر جزیہ ہے۔ اگر مسلمان کبھی کسی دوسری طرف مشغول ہو کر تمھاری حفاظت سے عاجز ہو جائیں اور تمھارا کوئی دشمن تمھیں مغلوب کر لے تو اس کے لیے تم جواب دہ نہیں ٹھیرو گے اور نہ یہ بات تمھارے لیے ناقضِ عہد ہو گی۔
یہ ہمارے حقوق اور تمھارے فرائض ہیں شَهِدَ اللّٰهُ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا

اس کے بعد حبیب نے مقامات جوارح، کُسفر بیس، کِسال، خُنان، سمیسخی، جرَدمان، کُستیجی، شوشط اور بازلیت صُلحاً فتح کیے۔ ان کے باشندوں کا خون معاف کیا ان کی عبادت گاہیں اور ان کی دیواریں برقرار رکھیں البتہ یہ شرط لگا دی کہ وہ اپنی زمینوں اور اپنے افراد پر سالانہ خراج دیں گے۔ اسی طرح مقامات قلرجیت، ثریالیت، خاخیط، خُوجیط، ارلمحال، باب اللآل، صَنار یہ، دُودانیہ کو بھی صلحاً زیر نگین کیا۔

حبیب کا قیصرِ رُوم کے مقابلہ پر بھیجا جانا

یہ وہ وقت تھا جب کہ صوبۂ اران کے سوا تمام آرمینیہ پر اسلام کا پرچم اقبال لہرانے لگا تھا۔ جب یہ کارِ عظیم و خطیر پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا تو حبیب نے ان تمام فتوحات سے امیر المومنین حضرت عثمان رضہ کو مطلع کیا۔ امیر المومنین رضہ نے انھیں لکھ بھیجا کہ اب تم اپنے رفیقِ کار صِلہ بن زُفر عَبسی کو اپنا جانشین مقرر کر کے شام جاؤ جہاں قیصر روم سے مقابلہ درپیش ہے یہ صِلہ کو قائم مقام

چھوڑ کر عازم شام ہوئے اور رومیوں سے جنگ کرکے ان کو ہزیمت دی یہ ایسی شاندار فتح تھی کہ جریدۂ عالم میں قیامت تک حبیب بن مسلمہ کا نام نامی روشن وممتاز رہے گا۔

اس کے بعد حبیب حمص میں قیام فرما ہوئے۔ آخر امیر معاویہ رضؓ نے انھیں اپنے پاس دمشق بلالیا اور وہیں ۴۲ھ میں وفات پائی۔ اس وقت حبیب کی عمر کل ۳۵ سال کی تھی۔ (فتوح البلدان)

تسخیر شمشاط

شمشاط آرمینیہ کی جنوبی سرحد پر ایک مقام ہے۔ جب امیر المومنین عثمان رضؓ نے شام کا سارا ملک اور جزیرہ[۱] اور ان دونوں کی سرحدیں امیر معاویہ رضؓ کے زیر نگین کردیں تو انھیں لکھ بھیجا کہ شمشاط کو اسلامی عمل داری میں داخل کرنے کے لیے یا تو خود پیش قدمی کرو یا کسی دوسرے شخص کو حملہ کرنے کے لیے بھیجو۔ انھوں نے حبیب بن مسلمہ اور صفوان بن معطل سُلمی کو اس پر مامور کیا۔ ان دونوں نے جاکر شمشاط کا محاصرہ کیا۔ اہل شمشاط نے قبول اطاعت کا ارادہ ظاہر کیا۔ چنانچہ ان شرطوں پر صلح ہوگئی کہ اہل شمشاط کا ہیکل اور جو کچھ اس کے ارد گرد ہے انہی کے پاس رہے گا۔ وہ ان کنیسوں کے علاوہ جو موجود ہیں کوئی نیا کنیسہ نہیں بنائیں گے۔ اعدائے اسلام کے خلاف مسلمانوں کی مدد کریں گے۔ لیکن اگر انھوں نے ان شرائط میں سے ایک شرط بھی ترک کی تو ان کے لیے کوئی ذمہ نہیں رہے گا (یعنی

---

[۱] جزیرہ یا الجزیرہ اُس سرزمین کا نام ہے جو دجلہ اور فرات دو دریاؤں کے درمیان ہے ۱۲

حفاظت کی ذمہ داری اٹھ جائے گی) (فتوح البلدان)

تسخیر مَلَطِیَہ

مَلَطِیہ شمشاط سے قریباً اسّی میل کے فاصلہ پر جنوب مغرب میں واقع ہے۔ یہ جزیرہ کا ایک اہم شہر ہے۔ گو شمشاط اور ملطیہ دونوں آرمینیہ سے خارج ہیں لیکن چونکہ دونوں سرحد کے قریب ہیں اور حبیب بن مَسلمہ کی فتوحات میں داخل ہیں، اس لیے میں نے ان دونوں کی تسخیر کا حال یہیں درج کر دیا ہے۔ جب امیر معاویہ رضہ شام اور جزیرہ کے والی مقرر ہوئے تو شمشاط کے مسخر ہونے کے بعد امیر المومنین حضرت عثمان رضہ نے انھیں حکم بھیجا کہ ملطیہ پر بھی فوج کشی کا انتظام کیا جائے۔ انھوں نے حبیب بن مَسلمہ کو اس کی طرف پیش قدمی کا حکم دیا۔ حبیب نے ملطیہ کو بزور تیغ فتح کیا۔ اس کے بعد جب معاویہ رضہ روم جانے کے قصد سے یہاں آئے تو انھوں نے اہلِ شام و جزیرہ کی ایک جماعت یہاں محافظت کے لیے متعین کی اور اس شہر کو گرمائی مہموں کا رہ گزر بنا دیا (فتوح البلدان)

حبیب بن مَسلمہ فہری مکی نزیل شام کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔ وصال نبوی کے وقت ان کی عمر بارہ سال کی تھی۔ رومی عیسائیوں سے جہاد کرنے کی وجہ سے حبیب الروم کے نام سے مشہور تھے۔ امام بخاری رحہ لکھتے ہیں کہ انھیں شرف صحبت حاصل تھا۔ حضرت معاویہ رضہ نے انھیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی امداد کیلئے لشکر دے کر بھیجا تھا لیکن یہ ابھی وادی القریٰ ہی میں تھے کہ حضرت عثمان رضہ کے شہید ہونے کی خبر سن لی اس لیے وہیں سے واپس چلے گئے۔ مُصعب زُبیری کا بیان ہے کہ حبیب نہایت شریف الطبع تھے

بڑے عالم فاضل اور مجاب الدعوت تھے۔ امیر معاویہ رضؓ نے انھیں اپنی خلافت میں آرمینیہ کا والی بنا کر بھیجا اور وہیں ۴۲ھ میں وفات پائی۔ عمر ہنوز پچاس سال سے بھی کم تھی (تہذیب التہذیب)

اَرّان پر فوج کشی

اَرّان آرمینیہ کا ایک مشرقی صوبہ ہے جو حبیب بن مَسلمہ کے سلسلۂ فتوحات سے باہر رہ گیا تھا۔ امیر المومنین عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا حکم پاکر سلمان بن ربیعہ باہلی نے ارّان پر فوج کشی کی۔ انھوں نے جاتے ہی شہر بیلقان صلحاً فتح کیا۔ اہل شہر نے اقرار نامہ لکھ دیا کہ وہ باقاعدہ جزیہ و خراج دیتے رہیں گے۔ پھر سلمان بُرذُعہ پہنچے۔ اہل شہر نے دروازے بند کرلیے اور برسر مقابلہ ہوئے لیکن چند روز کے بعد صلح کرکے دروازے کھول دیے۔ سلمان شہر میں داخل ہوئے اور چند روز تک قیام کیا۔ اس اثنا میں اپنے رسالہ کو مقامات رَساتیق، شَقبین، مَسقوان، اُوذ، مصریان اور ہرَجلیان کی تسخیر کے لیے روانہ فرمایا۔ اس نے یہ تمام مقامات مسخر کرلیے۔ اس کے بعد سلمان اپنی پوری جمعیت کے ساتھ شمکور کی طرف جو ایک پرانا شہر تھا، بڑھے اور اس کو فتح کیا۔

پھر سلمان مجمع الرس کی طرف روانہ ہوئے اور نہر کُرّ کو عبور کرکے شہر قَبَلہ مسخر کیا۔ اس کے بعد شَکّن اور قمیران کا رُخ کیا۔ وہاں کے باشندوں نے خراج پر صلح کرلی۔ اسی طرح اہل خیزان اور حاکم شروان اور تمام ملوک جبال اور شابران اور مدینۃ الباب نے بھی اطاعت کرلی۔ یہ تمام مقامات

اس آسانی سے فتح ہوئے کہ کسی جگہ خون کا ایک قطرہ بھی نہ گرا۔ البتہ بلانجان کے کُردوں کو جب سلمان نے اسلام کی طرف دعوت دی تو انہوں نے مسلمانوں سے جنگ شروع کر دی لیکن ہزیمت اٹھائی اور جزیہ دینے پر راضی ہو گئے۔ (فتوح البلدان و تاریخ کامل و ابن اثیر)

فصل ۴۶

فتح طبرستان!

طبرستان کو مازندران بھی کہتے ہیں۔ اس میں دو شہر زیادہ مشہور ہیں۔ بسطام اور استر آباد۔ حدود اربعہ یہ ہیں شمال میں کیسپین سی (یعنی بحر جرجان یا بحر خزر) مشرق میں خراسان اور جرجان۔ مغرب میں آذربیجان جنوب میں بلادِ جبل

سعید بن عاص نے ۳۰ھ میں جب کہ وہ ولید بن عقبہ کی جگہ کوفہ کے عامل مقرر ہوئے تھے طبرستان پر فوج کشی کی اس سے پیشتر مسلمانوں میں سے کسی نے اس پر حملہ نہیں کیا تھا۔ مدائنی کا بیان ہے کہ اس جیش میں جو

سعید بن عاص کی زیر قیادت طبرستان گیا حضرات حسن بن علی، حسین بن علی، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عمرو، عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عباس حذیفہ بن یمان اور دوسرے صحابہ رضوان اللہ علیہم نے شرکت فرمائی۔ (ابن کثیر و ابن خلدون)

سعید نے پہلے جرجان کا رُخ کیا۔ حاکم جرجان نے دو لاکھ جزیہ پر مصالحت کر لی۔ اکتالیسویں فصل میں بلاذری کے حوالہ سے لکھا گیا تھا کہ حضرت اقرع بن حابس تمیمی صحابی رضہ نے جرجان فتح کیا تھا۔ ممکن ہے کہ اس وقت تسخیر جرجان نامکمل رہ گئی ہو اور اب اس کی تکمیل ہوئی ہو۔ اسکے بعد سعید نے اپنی فوج کو طیمسہ کی طرف بڑھایا۔ طیمسہ طبرستان کا ایک شہر دریا کے کنارے سرحد جرجان پر آباد تھا۔ اہل طیمسہ نے مقابلہ کیا اور سخت لڑائی ہوئی۔ اس معرکہ میں ایک موقع پر لشکر اسلام نے دیکھا کہ لڑائی تھمتی نظر نہیں آتی اور نماز کا وقت قریب الاختتام ہے تو غازیوں نے صلوٰۃ خوف کی ضرورت محسوس کی چنانچہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کرنے لگے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز خوف کس طرح پڑھی تھی؟ انھوں نے اس کا طریقہ بتایا۔ چنانچہ لشکر اسلام نے صلوٰۃ الخوف ادا کی۔ (البدایہ والنہایہ لابن کثیر)

آخر سعید نے والی طیمسہ پر ایسا وار کیا کہ تلوار زرہ کاٹ کر بغل کے نیچے ہو کر نکل گئی۔ لشکر اعدا میدان جنگ سے بھاگ کر قلعہ بند ہو گیا سعید نے محاصرہ کر لیا اور منجنیقیں نصب کر کے سنگ باری کا حکم دیا۔ تا آنکہ

طویل محاصرہ کے بعد اہل طیمسہ نے اس شرط سے امان طلب کی کہ ان میں سے کسی کی جان نہ لی جائے۔ سعید نے اس کو منظور کرلیا۔ اہل طیمسہ نے شہر پناہ کا دروازہ کھول دیا اور لشکر اسلام نے شہر پر قبضہ کرلیا۔ طیمسہ سے فارغ ہو کر مسلمانوں نے نامنہ کو جو ایک صحرائی علاقہ تھا زیر نگین گیا (ابن خلدون)

سعید نے تمام مال حملہ آوروں پر تقسیم کردیا۔ اس کے بعد طبرستان کے میدانی علاقے رویان اور دنباوند فتح کیے۔ کوہستانیوں نے جو یہ دیکھا تو جنگ وجدال سے باز رہ کر اطاعت کرلی۔ (فتوح البلدان)

فصل ۷۹

کسریٰ کی ہلاکت اور عجمی بادشاہت کا خاتمہ

کسریٰ کا ٹوکری میں لٹکا کر اُتارا جانا

جب لشکر اسلام نے سنہ ۱۶ھ میں مداین پر یلغار کی ہے تو کسریٰ یزدگرد خود تو دار السلطنت میں رہا لیکن اس سے پیشتر حرم، خاندان شاہی - خزانہ کا کچھ حصہ اور ضروری دستاویزات حلوان کی طرف منتقل کر چکا تھا۔ جب مسلمان دار السلطنت میں داخل ہونے والے تھے تو کسریٰ کو ٹوکری میں لٹکا کر مداین کے قصر ابیض سے اتارا گیا۔ اس بنا پر نبطیوں نے اس کا نام برزبیل (ٹوکری کا بیٹا) رکھ دیا۔ مداین میں مسلمانوں کو جو بیش بہا غنیمت ملی، اس میں وہ کثیر التعداد حسین و جمیل لونڈیاں بھی تھیں جو دنیا بھر سے انتخاب کر کے کسریٰ کے لیے لائی جاتی تھیں۔ (فتوح البلدان بلاذری)

کسریٰ مداین سے نکل کر حلوان پہنچا۔ حلوان سے اصفہان کا راستہ لیا

اس وقت اس کے عمائد سلطنت بھی ہمراہ تھے اہل و عیال، بیت المال اور سبک بار اسباب بھی ساتھ تھا۔ لشکر اسلام تسخیر نہاوند سے فارغ ہوا تو کسریٰ نے اصفہان سے اصطخر کی طرف راہ فرار اختیار کی۔ جب عبداللہ بن عامر ۲۹ھ میں بصرہ آئے تو اس وقت اصطخر اور جور کے سوا پورا فارس فتح ہو چکا تھا۔ یزدگرد نے اصطخر سے جور کا راستہ لیا۔ پھر وہاں سے بھاگ کر اردشیر خرہ پہنچا۔ ابن عامر نے اس کے تعاقب میں مجاشع بن مسعود کو روانہ کیا۔ وہ کرمان تک تعاقب کرتے چلے گئے لیکن اس پر قابو نہ پا سکے۔ یزدگرد کرمان سے سجستان اور وہاں سے خراسان کی طرف چل دیا۔

شاہزادی کے لیے پیام نکاح

کسریٰ مرد کی سرحد کی طرف پہنچا تو وہاں کا حاکم ماہویہ بڑی تعظیم و تکریم سے ملا۔ جب ترکی سرزمین کے حاکم نیزک طرخان کو جو ایران کا باج گزار تھا اس کی آمد کا علم ہوا تو وہ بھی اس کے پاس آیا۔ سواری حاضر کی، خلعت پیش کیا اور مہینہ بھر تک خاطر مدارات کر کے واپس گیا۔ پھر یزدگرد کو خط لکھا جس میں اس کی بیٹی سے اپنا پیام دیا تھا۔ یزدگرد کو یہ بات ناگوار گزری اور اس نے اس چٹھی کے جواب میں لکھوایا کہ "تو ہمارے غلاموں میں سے ایک غلام ہے۔ تو نے میرے ہاں پیغام دینے کی کیسے جرأت کی؟ اور ماہویہ کو حکم دیا کہ اس سے اموال کا محاسبہ کرے۔"

جب نیزک طرخان کو خلاف توقع یہ توہین آمیز جواب ملا تو غصے

بے قابو ہو گیا۔ ترکی فوج لے کر مقابلہ کو نکلا اور اس کے سر پر پہنچ کر اچانک حملہ کر دیا۔ اس معرکہ میں یزدگرد کے ساتھی مارے گئے، فوج بالکل تباہ ہو گئی اور اہل وعیال بھی آوارۂ دشتِ ادبار ہو گئے۔ یہاں سے وہ بحالت تباہ تنِ تنہا پیادہ پا دریائے مرغاب کی طرف بھاگا۔ شام کے وقت کسی گاؤں میں پہنچ کر ایک آسیابان کے گھر میں پناہ گزیں ہوا۔ چکی چلانے والے نے مہمانِ عزیز کی خاطر مدارات کی لیکن شام کو جب یزدگرد نے تاج نکال کر اپنے سر پر رکھا تو تاج دیکھ کر آسیابان کو طمع دامن گیر ہوئی۔ اس نے چکی کا پاٹ اس پر پھینکا اور ہلاک کر کے تاج اور کپڑے لے لیے اور لاش دریا میں پھینکدی۔

لاش کا دریا سے نکالا جانا

اہل مرو کو اس کی خبر لگ گئی۔ وہاں کے رؤسا، ماہویہ کی سرکردگی میں تلاش کرتے ہوئے چکی چلانے والے کے مکان کی طرف آئے اور اس کو گرفتار کر کے تشدد کرنے لگے۔ اس نے یزدگرد کے قتل کا واقعہ بتلا دیا۔ ان لوگوں نے اس کو اور اس کے گھر والوں کو نہنگ ہلاک کے حوالے کر دیا۔ تاج اور کپڑوں پر قبضہ کر کے یزدگرد کی لاش دریا سے نکالی۔ پھر تابوت میں رکھ کر اصطخر لائے اور اسے تماوس (یاناوس) کے مقام پر دفن کر دیا۔ یزدگرد کی حکومت بیس برس تک رہی۔ ازاں جملہ سولہ[۱۶] برس مسلمانوں کی لڑائیوں میں صرف ہوئے۔ اس کے مرنے سے ملوک ساسانیہ کی حکومت کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

(ابن خلدون و بلاذری)

شہر بانو کا بے اصل قصہ

عام طور پر مشہور ہے کہ حضرت علی بن حسین معروف بہ امام زین العابدین ایران کے آخری مجوس فرمانروا یزدگرد کے نواسہ تھے اور ان کی والدہ شہر بانو بنت یزدگرد تھیں۔ چنانچہ حسب بیان ابن خلکان زمخشری نے ربیع الابرار میں لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروق رض کے عہد خلافت میں جب صحابہ کرام رض کے ساتھ فارس کے اسیران جنگ مدینہ منورہ آئے تو ان میں کہ یزدگرد کی تین بیٹیاں بھی داخل تھیں۔ امیر المومنین عمر رض نے دوسرے قیدیوں کے ساتھ انھیں بھی فروخت کرنے کا حکم دیا۔ حضرت علی رض خلافت مآب سے کہنے لگے کہ خاندان شاہی کے ساتھ ایسا سلوک نہ کیجیے۔ ان لڑکیوں کی قیمت کا اندازہ کرائیے پھر تینوں لڑکیاں کسی کے اہتمام میں دے دیجیے۔ وہ ان کو فروخت کرے اور ان کی قیمت اعلیٰ سے اعلیٰ شرح پر وصول کر کے بیت المال میں داخل کر دے۔ خلافت مآب رض نے یہ لڑکیاں حضرت علی رض ہی کی سپردگی میں دے دیں۔ جناب علی مرتضیٰ رض نے ایک لڑکی اپنے صاحب زادہ حسین رض کو دوسری محمد بن ابی بکر رض کو اور تیسری عبداللہ بن عمر رض کو عطا کی۔ ان تینوں کے بطن سے علی الترتیب علی بن حسین، قاسم بن محمد اور سالم بن عبداللہ پیدا ہوئے (وفیات الاعیان)

لیکن یہ قصہ سراسر غلط ہے۔ طبری، ابن سعد، ابن اثیر، بلاذری، یعقوبی، ابن قتیبہ، ابن خلدون وغیرہ میں سے کسی نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ علاوہ ازیں تاریخی قرائن اس کو قطعاً ناقابل قبول ٹھیراتے ہیں۔ مسلمانوں

فاروقی میں یزدگرد اور خاندان شاہی پر قابو نہیں پا سکے تھے۔ اوپر لکھا گیا ہے کہ سقوط مدائن کے بعد یزدگرد اہل و عیال سمیت پہلے حلوان پہنچا اور وہاں سے اصفہان بھاگ گیا اور پھر کرمان، سجستان اور خراسان وغیرہ میں ٹکراتا پھرا اور ۳۱ھ کے آغاز میں بحالت تباہ مارا گیا اور اس کے اہل و عیال بھی ترکی حملہ کے وقت یا اس سے جدا اور مفقود الخبر ہو گئے۔ اگر اس کی آل اولاد گرفتار کر کے مدینہ طیبہ لائی جاتی تو ضرور تھا کہ کوئی نہ کوئی تاریخ نگار اس کو معرض تسوید میں لاتا۔

فیروز پسر یزدگرد کی بیٹیاں:

البتہ یزدگرد کی دو پوتیاں اس کی موت کے قریباً چالیس سال بعد عراق لائی گئی تھیں اس کی تفصیل یہ ہے کہ یزدگرد کا بیٹا فیروز ترکی معرکہ میں یا تو ترکوں کے ہاتھ قید ہو گیا تھا جیسا کہ بلاذری نے لکھا ہے اور یا قتل ہو گیا تھا جیسا کہ ابن خلکان رقم طراز ہیں اس حادثہ کے بہت مدت بعد خلیفہ عبدالملک بن مروان نے حجاج بن یوسف کو عراق اور خراسان کی حکومت دی۔ حجاج خود تو کوفہ میں تھا، لیکن خراسان میں اس نے قتیبہ بن مسلم باہلی کو اپنی طرف سے نائب مقرر کر رکھا تھا۔ ان ایام میں کہیں سے فیروز کی دو لڑکیاں قتیبہ کے ہاتھ لگیں۔ اس نے یہ لڑکیاں حجاج کے پاس کوفہ بھیج دیں۔ حجاج نے ایک لڑکی تو اپنے پاس رکھ لی اور دوسری خلیفہ ولید بن عبدالملک کے پاس دمشق بھیج دی۔ مؤخر الذکر لڑکی کا نام شاہ فرید تھا۔ اس کے بطن سے ولید کا بیٹا

خلیفہ یزید پیدا ہوا جو یزید الناقص کے نام سے مشہور ہے (وفیات الاعیان لابن خلکان)

یزید الناقص کو ناقص اس لیے کہتے ہیں کہ اس نے فوج کی تنخواہوں میں کمی کر دی تھی۔ سیوطی لکھتے ہیں کہ یزید الناقص کی ماں فیروز بن یزدجرد کی بیٹی تھی اور یزدجرد کی ماں شیرویہ کی بیٹی تھی اور شیرویہ کی ماں خاقان بادشاہ ترک کی بیٹی تھی۔ اسی بنا پر یزید الناقص نے ایک شعر میں فخریہ کہا تھا کہ میں کسریٰ کا نواسہ اور مروان کا بیٹا ہوں میرا نانا قیصر روم اور خاقان ہو (تاریخ الخلفاء)

امام زین العابدین رح کی والدہ۔

الغرض شہر بانو کا جو یزدگرد کی بیٹی بتائی جاتی ہیں سیدنا علی بن حسین معروف بہ امام زین العابدین رح کی والدہ ہونا عقل و نقل ہر لحاظ سے ناقابل وثوق ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی رح نے امام زین العابدین رح کی والدہ کا اُمّ ولد ہونا تو تسلیم کیا ہے لیکن ام ولد کا نام و نسب نہیں دیا۔ ابن کثیر رح نے ان کی والدہ کا نام سلافہ اور ابن سعد نے غزالہ لکھا ہے لیکن سلسلہ نسب دونوں نے نہیں دیا۔ مؤرخ ابن قُتیبہ المتوفی ۲۷۶ھ نے لکھا ہے کہ علی بن حسین کی والدہ سندھی تھیں (معارف ابن قتیبہ صفحہ ۹۴) علامہ ابن حجر رح نے علی بن حسین رحمہ اللہ کی نسبت لکھا ہے کہ وہ اپنے جدّ امجد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ۳۸ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ حضرت حسین کے

حادثۂ شہادت کے وقت اپنے والد بزرگوار کے ساتھ کربلا میں تھے اس وقت ان کی عمر ۲۳ سال کی تھی (تہذیب التہذیب)

خلیفہ عبدالملک کا طعن

کربلا کے واقعۂ ہائلہ کے بعد زین العابدینؒ کی والدہ نے حضرت حسین رض کے مولیٰ زُبَید سے نکاح کر لیا تھا۔ اس سے عبداللہ بن زُبَید پیدا ہوئے۔ پس عبداللہ امام زین العابدین رح کے سوتیلے بھائی تھے (طبقات ابن سعد) ابن قتیبہ نے اس مولیٰ کا نام یزید بتایا ہے اور لکھا ہے کہ یزید نے اپنی ایک لونڈی کو آزاد کر کے زین العابدین رح کی والدہ سے نکاح کر لیا۔ جب یہ خبر عبدالملک بن مروان نے سنی تو امام زین العابدین رح کے نام چٹھی لکھی جس میں انھیں اس مناکحت پر عار دلائی تھی۔ امام عالی مقام رح نے اس طعن آمیز چٹھی کے جواب میں عبدالملک کو لکھ بھیجا کہ تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی اُسوۂ حَسَنہ ہے۔ آپؐ نے صَفِیّہ بنت حیی کو آزاد کر کے انھیں شرفِ زوجیت بخشا تھا اور حضرت زید بن حارثہ رض کو آزاد کر کے ان سے اپنی پھوپی کی بیٹی حضرت زینب بنت جحش رض کا نکاح کرا دیا تھا۔ (وفیات الاعیان)

قاسم بن محمد رح کی والدہ

قاسم بن محمد اکابر تابعین اور مدینہ منورہ کے اُن فقہاء سبعہ میں سے ایک تھے جن کی زمانہ بھر میں شہرت تھی۔ یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ ہم نے مدینۃ الرسول میں کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جس کو قاسم بن محمد رح سے افضل کہہ سکیں۔ قاسم رح نے اپنی پھوپی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ

رضی اللہ عنہا کے حجر تربیت میں پرورش پائی تھی اور وہ افضل ترین زمانہ تھے۔
(اکمال و تہذیب التہذیب)

قاسم بن محمد رہ کی والدہ بھی ام ولد تھیں جن کا نام سودہ تھا۔ ان سے قاسم بن محمد پیدا ہوئے۔ قاسم بن محمد کی یہ اولادیں تھیں عبدالرحمن بن قاسم، اور فروہ بنت قاسم ام فروہ جناب جعفر بن محمد (بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب) معروف بہ امام جعفر صادق رح کی والدہ تھیں۔ ام حکیم اور عبدۃ بھی قاسم رح کی اولادیں تھیں۔ ام حکیم اور عبدۃ کی والدہ قریبہ بنت عبدالرحمن بن ابوبکر صدیق رض تھیں (طبقات ابن سعد)

لونڈیوں کے بطن سے دنیا کے تین نامور امام

اصمعی نے ابوالزناد سے روایت کی ہے کہ اہل مدینہ کنیزوں اور کنیز زادوں کو وقعت کی نظر سے نہیں دیکھتے تھے لیکن جب امام قاسم بن محمد (حضرت ابوبکر صدیق رض کے پوتے) اور امام سالم بن عبداللہ رح (حضرت عمر فاروق رض کے پوتے) اور امام زین العابدین (حضرت علی مرتضیٰ رض کے پوتے) سن رشد کو پہنچے اور علم و فضل، تقویٰ و طہارت اور عبادت و ورع میں تمام مدینہ والوں سے سبقت لے گئے تو مدینہ والوں کے خیالات بدل گئے اور لونڈی غلاموں کی قدر و منزلت بڑھ گئی۔ (تہذیب التہذیب)

الغرض یہ تو صحیح ہے کہ یہ تینوں جلیل القدر امام لونڈیوں کے بطن سے تھے لیکن یہ صحیح نہیں کہ یزدگرد کے نواسے تھے۔ واللہ اعلم

فصل ۴۸

پاکستان کو بحری مہم بھیجنے کا فرمان

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں عثمان بن ابوالعاص ثقفی عمان کے اور ان کے بھائی حکم بن ابوالعاص بحرین کے عامل تھے۔ ہندستان پر اسلامی فوج کشی کا آغاز عثمان بن ابوالعاص کی عالی حوصلگی کا نتیجہ تھا۔ انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اجازت لیے بغیر عمان سے ایک مہم تانہ (تھانہ علاقہ بمبئی) کی طرف بھیجی۔ جب یہ لوگ صحیح و سلامت واپس آگئے تو امیر المومنین حضرت عمر رض کو اس کی اطلاع دی۔ اس وقت تک عربوں کو بحری سفر کا کوئی عملی تجربہ نہ تھا اور ہر شخص اس کو خطرناک یقین کرتا تھا خصوصاً جب سے عمرو بن عاص فاتح مصر نے اپنی چٹھی میں جس کا تذکرہ اسی کتاب کی چھبیسویں فصل میں گزر چکا ہے، بحری مہم کے خطرات لکھ بھیجے تھے حضرت عمر رض جیسی جلیل القدر ہستی بھی اس سے متوحش تھی۔ حضرت خلافت مآب رض نے اس بحری مہم کی اطلاع آنے پر عثمان کو لکھ بھیجا: ثقیف کے

بھائی! تم نے کیڑے کو لکڑی پر چڑھایا۔ قسم ہے اگر وہ لوگ سمندر میں ضائع ہو جاتے تو میں تمھاری قوم سے اتنے ہی آدمی لے لیتا۔"

اس بات کا بظاہر بہت کم احتمال ہے کہ اس انتباہ فاروقی کا حال عثمان بن ابوالعاص کے بھائی حکم بن ابوالعاص سے مخفی رہا ہوگا۔ باوجود اس کے حکم کی اولوالعزمی دیکھو کہ نہ صرف خود بروص (بڑوچ) پر حملہ کر کے وہاں غالب آئے بلکہ اپنے دوسرے بھائی مغیرہ کو بھی خلیج دیبل پر حملہ آور ہونے کے لیے روانہ کیا (فتوح البلدان)

صاحب تحفۃ الکرام کے نزدیک دیبل کی جائے وقوع وہی ہے جس کے آثار پر لاہری بندر آباد ہوا۔ لاہری بندر کسی زمانہ میں ضلع کراچی میں سمندر سے قریباً تیس میل ادھر دریائے سندھ کی مغربی شاخ پر آباد تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عہد فاروقی میں اسلام کا قدم ہندستان میں پہنچ چکا تھا۔

اس کے بعد جب امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے ماموں زاد بھائی عبداللہ بن عامر بن کُریز کو والئ بصرہ مقرر کیا تو انہیں پاکستان اور ہندستان کے حالات معلوم کرنے کے لیے پاکستان کی سرحد کی طرف بحری مہم بھیجنے کا حکم دیا۔ عبداللہ بن عامر نے ایک مہم حکیم بن جبلہ عدوی کی قیادت میں سمندر کے راستے روانہ کی۔ وہ بلوچستان اور سندھ کے مشرقی علاقہ کو دیکھ کر واپس گئے۔ عبداللہ بن عامر نے حکیم بن جبلہ ہی کو دربار خلافت میں بھیج دیا کہ جو کچھ دیکھا ہے جا کے سنادیں۔ حضرت ذوالنورین

، پوچھا کہ اُس ملک کا کیا حال ہے؟ حکیم بن جبلہ نے کہا امیر المومنین! میں
، اس ملک کو چل پھر کے اچھی طرح دیکھ لیا ہے۔ وہاں پانی کم اور پھل ردّی
ے اور چور بے باک ہیں۔ لشکر قلیل ہو تو ضائع ہو جائے گا، کثیر ہو تو بھوکوں
ے گا۔" یہ سن کر امیر المومنین حضرت عثمان رضہ نے لشکر کشی کا خیال ترک کر دیا۔
توح البلدان)

حکیم بن جبلہ نے بلوچستان اور سندھ کے ریگ زاروں پر پاکستان
ر ہندوستان کی عام حالت کو قیاس کر لیا۔ اگر ان دونوں ملکوں کے صحیح
لات حضرت ذو النورین رضہ کے گوش زد ہو جاتے تو امیر المومنین رضہ عبداللہ
ن عامر جیسے کسی فاتح کو یقیناً اس سرزمین پر لشکر کشی کا حکم دیتے اور پاکستان
ر ہندوستان خلافتِ راشدہ ہی کے ایام سعادت میں اسلامی تہذیب و
مدن سے آشنا اور مانوس ہو چکا ہوتا۔ لیکن تقدیر ازلی میں ابھی اس کا وقت
ہیں آیا تھا۔

فصل ۵۲

صحابۂ کرام رض کو جاگیریں عطا کرنا

جناب ذوالنورین رض کے عہد ہمایوں میں اسلامی فتوحات کی وسعت غایتِ قصویٰ کو پہنچ چکی تھی اور حضرت خلافت مآب رض اس قابل ہو گئے تھے کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کو دل کھول کر جاگیریں دیں اور انھیں مرفہ الحالی سے پوری طرح ہم کنار کر دیں۔

موسیٰ بن طلحہ کا بیان ہے کہ عراق کی اراضی میں سے جس نے سب سے اول جاگیریں دیں وہ حضرت عثمان رض تھے۔ انھوں نے شاہ ایران کی صرف خاص اور اراضی جالیہ کو بڑی فراخ دلی سے تقسیم کیا۔ اراضی جالیہ وہ زمینیں تھیں جن کے مالک ترکِ وطن کر کے چلے گئے تھے اور ان کا کوئی مالک و وارث نہ رہا تھا اور اس طرح وہ حکومت کی ملک ہو گئی تھیں۔ ذیل میں موسیٰ بن طلحہ اور شعبی کی روایتوں سے اُن اراضی کی فہرست دی جاتی ہے جو حضرت عثمان رض نے صحابۂ کرام کو جاگیر میں عطا فرمائیں:۔

نمبر	اسمائے گرامی	نام جاگیر
۱	حضرت سعد بن ابی وقاص رضہ	قریہ ہُرمز
۲	" طلحہ بن عبید اللہ رضہ	نشاستج
۳	" زُبیر بن عوام رضہ	ایک غیر معلوم وسیع قطعہ زمین
۴	" اُسامہ بن زید رضہ	ایضاً
۵	" عبد اللہ بن مسعود رضہ	ارض نہرین میں ایک زمین
۶	" خباب بن ارت رضہ	صعنا
۷	" عمار بن یاسر رضہ	اسبینا
۸	" خالد بن عُرفطہ رضہ	حمام اعین کے قریب کی زمین
۹	" وائل بن حُجر حضرمی رضہ	زرارہ کی ملحقہ زمین
۱۰	" عدی بن حاتم طائی رضہ	روحار
۱۱	" جریر بن عبد اللہ بجلی رضہ	فرات کے کنارے کی زمین
۱۲	" اشعث بن قیس کندی رضہ	طیزناباد

موسیٰ بن طلحہ کا بیان ہے کہ سعد بن ابی وقاص اور عبد اللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہما) میرے ہمسایہ تھے۔ میں نے دیکھا کہ وہ اپنی زمینیں ثلث اور ربع لگان پر دیتے تھے۔ شعبی کہتے ہیں کہ اُسامہ بن زید رضہ کو جو زمین ملی وہ انھوں نے فروخت کر دی۔ (فتوح البلدان)

اوپر کی فہرست میں آخری نام اشعث بن قیس کندی کا ہے۔

یہاں قارئین کرام کی دلچسپی کے لیے کچھ حالات لکھے جاتے ہیں۔ اشعثؓ بن قیس بنو کندہ کے تیس سواروں کے ساتھ بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے اور عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! ہم لوگ بھی آکل المرار کی اولاد ہیں اور آپ بھی۔ آپؐ نے تبسم کر کے فرمایا نہیں ہم نضر بن کنانہ کی اولاد ہیں۔ ہم اپنی ماں کے پیچھے جا کر اپنے باپ کا نام گم نہیں کرتے۔ قبیلہ بنو کندہ نواحِ حضرموت اور یمن میں آباد تھا۔ یہ قبیلہ آخری سنین ہجرت میں دائرۂ اسلام میں داخل ہوا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قبیلہ پر مختلف امراء مقرر فرما دیے تھے۔ جب وصال نبوی کے بعد ارتداد کی آندھیاں فضائے عرب پر محیط ہوئیں تو قبیلہ بنو کندہ ارتداد کی آغوش میں چلا گیا۔ یہ دیکھ کر امراء المسلمین پہاڑوں میں متحصن و پناہ گزین ہو گئے اور حادثۂ ارتداد کی اطلاع مستقر خلافت میں بھیج دی۔

جب یہ خبر مدینہ منورہ پہنچی تو امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جہاد فی سبیل اللہ پر وعظ کہا اور ایک لشکر جرار ابوجہل کے بیٹے حضرت عکرمہؓ کے ماتحت بنو کندہ کی سرکوبی کے لیے روانہ فرمایا۔ حضرت عکرمہ رضؓ باد و برق کی سی تیزی کے ساتھ ان کے سر پر پہنچے اور حرب و پیکار کا سلسلہ شروع کر دیا۔ بنو کندہ تابِ مقاومت نہ لا سکے اور اسلامی لشکر مظفر و منصور ہوا۔ مرتدوں کے رئیسِ اعظم اشعث بن قیس اسیر کر کے مدینہ منورہ لائے گئے جب یہ بارگاہ خلافت میں پیش کیے گئے تو اس وقت ان کے ہاتھوں اور پیروں میں زنجیر پڑے تھے۔ انھوں نے

اپنی حرکت پر اظہار ندامت کیا اور توبہ کرتے ہوئے از سر نو حلقۂ اسلام میں داخل ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ حضرت عمر فاروق رضؓ کے مولیٰ (آزاد غلام) اسلم کا بیان ہے کہ وہ نقشہ اب تک میری آنکھوں کے سامنے ہے کہ اشعث بن قیس پا بزنجیر امیر المومنین ابو بکر صدیق رضؓ کے حضور میں کھڑے تھے۔

اشعث نے نہایت عاجزی سے درخواست کی امیر المومنین! میری جاں بخشی فرمایئے اور جہاد فی سبیل اللہ کے لیے مجھے زندہ رہنے دیجیے۔ میں سچے دل سے توبہ کرتا ہوں۔ میں نے اپنے جرم کی کافی سزا پالی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کی بہادری، شجاعت، سپہ سالاری اور صدقِ توبہ کے پیش نظر ان کو معاف کر دیا اور وہ دوبارہ حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ امیر المومنین رضؓ نے ان سے نہ صرف نہایت تلطف آمیز اور مربیانہ سلوک کیا بلکہ مدینہ منورہ کے چند روزہ قیام کے بعد جب انھوں نے حضرت خلافت مآب رضؓ کی بہن کے لیے پیغام نکاح بھیجا تو اس پیغام کو قبول فرما کر انہیں اپنی صہری رشتہ داری میں منسلک کرنے کی بھی سرفرازی بخشی۔ حضرت صدیق رضؓ کی اس بہن کا نام جو اشعث بن قیس کی زوجیت میں دی گئیں اُمِ فروہ بنت ابی قحافہ تھا۔ یہی محمد بن اشعث کی والدہ تھیں۔

جب حضرت فاروق اعظم رضؓ نے مسندِ خلافت کو زینت بخشی تو اشعث حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ کے ہمراہ عراق چلے گئے اور قادسیہ

مدائن، جلولا، اور نہاوند کے معرکوں میں خوب دادِ شجاعت دی۔ اس جہاد سے فراغت پاکر اشعث کوفہ آئے اور یہیں توطن اختیار کر لیا (استیعاب)

نبی علیہ السلام اور شیخین رض کا جاگیریں بخشنا

یاد رہے کہ اسلام میں سب سے پہلے حضرت ذوالنورین رض ہی نے لوگوں کو جاگیریں دے کر عزت اور فارغ البالی کی زندگی بسر کرنے کی سرفرازی نہیں بخشی بلکہ اس سے پیشتر خود شارع علیہ السلام اور آپ کے پہلے دونوں نامور جانشین بھی اسی طرح اہل ایمان کی تقویت کا سامان کرتے رہے تھے۔

شفیق عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو کھجور دل کے درخت بطور جاگیر دیئے۔ ان کے علاوہ ایک مرتبہ اُن سے فرمایا وہ ساری زمین تمہاری جاگیر ہوگی جہاں تک تمہارا گھوڑا دوڑتا ہوا چلا جائے۔ چنانچہ انھوں نے اپنا گھوڑا دوڑایا یہاں تک کہ وہ ایک جگہ پہنچ کر خود بخود ٹھیر گیا حضرت زبیر رض نے وہاں اپنا کوڑا پھینک دیا۔ آپؐ نے حکم دیا کہ زبیر کو وہ ساری زمین دے دی جائے جہاں تک ان کا کوڑا پہنچا (ابوداؤد)

آپؐ نے حضرت علی مرتضیٰ رض کو چار جاگیریں عطا فرمائیں۔ وہ فقرین میں ایک بئر قیس میں اور ایک شجرہ تھا (فتوح البلدان) آپؐ نے وائل رض کو حضرموت میں ایک زمین بطور جاگیر بخشی اور معاویہ بن ابی سفیان رض کو جو آپؐ کے کاتب تھے، اُن کے ساتھ بھیج کر حکم دیا کہ زمین ناپ کر ان کے نام

درج کر دو۔ (ترمذی و دارمی)

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک صحابی بلال بن حارث مزنی رض کو ایک زمین جاگیر میں عطا فرمائی جس میں ایک پہاڑ تھا اور ایک کان تھی کچھ زمانہ کے بعد بلال رض کی اولاد نے اس زمین کا ایک حصہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رح کے ہاتھ بیچ دیا۔ اس کے بعد اس میں کان برآمد ہوئی۔ یہ دیکھ کر آل بلال نے عمر بن عبدالعزیز رح سے کہا ہم نے آپ کے ہاتھ زرعی زمین فروخت کی ہے۔ کان نہیں بیچی اور اپنے دعوے کی تائید میں ایک دستاویز پیش کی جس میں حضور خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک تھا۔ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اس دستاویز کو چوما اور آنکھ سے لگایا اور اپنے کارندے کو بلا کر کہا حساب میں دیکھو کہ اب تک اس کان میں سے کیا نکلا اور کیا خرچ ہوا؟ جو باقی ہے وہ ان کے حوالے کر دو اور جتنا خرچ ہوا ہو اس کا ان کو معاوضہ دو (فتوح البلدان)

حضرت ابوبکر صدیق رض نے جناب زبیر بن عوام رض کو جرف سے قناۃ تک کا حصہ جاگیر میں دیا اور حضرت عمر رض نے عقیق کو جاگیروں میں دینا شروع کیا یہاں تک کہ ساری زمین بانٹ کر اس کے آخری حصے میں پہنچے اور کہا کہ اس حصۂ زمین جیسی اراضی میں نے اب تک کسی کو نہیں دی۔ اس پر حضرت خوات بن جبیر انصاری رض نے کہا امیرالمومنین! یہ مجھے دے دیجیے حضرت عمر رض نے وہ زمین انھیں دے دی۔ عروہ کا بیان ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رض نے خوات بن جبیر انصاری رض کو ایک بنجر زمین بھی جاگیر میں دی تھی جو ہم نے ان سے خرید لی (فتوح البلدان)

فصل ۵۳

قیصر روم سے بحری جنگ

مسلمانوں سے مفتوحہ ممالک واپس لینے کا عزمِ صمیم

عہدِ اسلامی کے اوائل میں شمالی افریقہ یعنی تونس اور الجزائر کے ممالک قیصر روم کے زیر نگین تھے اور جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے امیر المومنین حضرت عثمان رضہ کے رضاعی بھائی عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے ان ممالک کو فتح کر کے اسلامی عملداری میں داخل کیا تھا۔ اسی طرح مصر اور شام جیسے زرخیز ممالک نے بھی قیصری غلامی کا جُوا اپنی گردن سے اتار کر اسلامی فرمان روائی قبول کر لی تھی۔ جب قیصر ہرقل کے بعد اس کا بیٹا قسطنطین تخت نشین ہوا تو اسلامی اوج و عروج کی چمک نے اس کی آنکھیں خیرہ کر دیں اور وہ شب و روز اس خیال میں غلطاں و پیچاں رہنے لگا کہ کسی طرح شمالی افریقہ، مصر، شام، آرمینیہ وغیرہ ممالک

مسلمانوں سے واپس لے. چنانچہ اس جذبہ کے ماتحت اس نے قطعی فیصلہ کر لیا کہ اپنی پوری قوت کے ساتھ مسلمانوں پر اچانک ہلہ بول کر اسلامی قوائے حربیہ کو مضمحل کر دے

اسکندریہ پر چھ سو جنگی جہازوں کی یورش

ادھر صرف یہی ایک جذبۂ انتقام قیصر قسطنطین کے دل و دماغ پر مسلط نہ تھا بلکہ اس کے غیظ و غضب کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ جب سے امیر معاویہ رضہ نے سارے شام کی عنان حکومت سنبھالی تھی، ان کا معمول ہو گیا تھا کہ ہر سال جاڑے کے موسم میں بلاد روم پر فوج کشی کر کے نئے نئے قلعے فتح کرتے اور اموال غنیمت حاصل کر کے اسلامی عظمت و برتری کا سکہ بٹھا آتے تھے. اب قسطنطین بذات خود پانسو یا چھ سو جنگی جہازوں میں اتنی فوج گراں لے کر اسکندریہ پر چڑھ آیا کہ اس سے پیشتر مسلمانوں نے کبھی اتنا بڑا لشکر اپنے مقابلہ پر نہ دیکھا تھا (ابن کثیر و ابن خلدون)

امیر المومنین سیدنا عثمان رضہ کو اس قیصری یلغار کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے امیر معاویہ رضہ کو بعجلت تمام قیصر کے سر پر پہنچنے کا فرمان بھیجا اور ساتھ ہی عبداللہ بن سعد کو لکھ بھیجا کہ اپنی پوری جمعیت کے ساتھ فوراً، اسکندریہ پہنچیں اور معاویہ رضہ کی رفاقت میں رومیوں کو مار بھگائیں" چنانچہ یہ دونوں امیر اپنا لاؤ لشکر لے کر جھٹ اسکندریہ پہنچے. امیر معاویہ رضہ نے عبداللہ بن سعد کو صلاح دی کہ خشکی پر جنگ آزما ہونے سے پہلے رومیوں سے

سمندر ہی میں نمٹ لینا مناسب ہے۔ چنانچہ اسلامی بیڑا بڑے سروسامان سے آراستہ ہو کر بڑھا اور رومی جہازوں کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔

قیصر کے پاس امیر عبداللہ کا پیغام

اس وقت آفتاب غروب ہو چلا تھا مسلمانوں نے اپنے حریف مقابل سے کہا کہ مناسب یہ ہے کہ ہم رات آرام سے گزار لیں اور علی الصباح مقابلہ کریں قیصر کی خود بھی خواہش تھی، اس لیے جنگ صبح تک ملتوی رہی۔ رومیوں نے ساری رات ناقوس بجانے اور صلیب پوجنے میں گزاری اور مسلمان نماز و تسبیح، تلاوت قرآن اور دعا و مناجات میں مصروف رہے۔ نماز صبح سے فراغت پاکر عبداللہ بن سعد نے جہازوں ہی میں اپنی فوج کی صف بندی کی اور اسی کے ساتھ غازیوں کو ذکر اللہ اور قرآن خوانی کی بھی تلقین کی۔

اب عبداللہ بن سعد نے قیصر کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر تمہاری خواہش ہو تو خشکی پر اتر کر مقابلہ کریں اور چاہو تو سمندر ہی میں مقابلہ ہو۔ قیصر نے جواب دیا کہ نہیں پانی ہی میں ہماری تمہاری قسمت کا فیصلہ ہوگا۔ یہ جواب پاکر امیر عبداللہ نے اپنے خلاصیوں کو حکم دیا کہ اپنے جہازوں کو دشمن کے جہازوں کے قریب کر دیں۔ جب دونوں بیڑے باہم متصل ہو گئے تو مسلمانوں نے اپنے بیڑے کو رومی جہازوں کے ساتھ ملا کر باندھ دیا یہ اس لیے کیا گیا کہ لڑائی کے دوران میں سمندر کے تھپیڑے فریقین کو ایک دوسرے سے علیحدہ نہ کر سکیں۔

لاشوں کا پہاڑ

جب لڑائی شروع ہوئی تو طوفانِ باد متحاربین کے جہازوں کو ساحل بحر کے قریب لے آیا۔ اب بغرِ تیر، خنجر اور تلوار سے سونت کر ایک دوسرے پر پل پڑے اور متحاربین کٹ کٹ کر سمندر میں گرنے لگے۔ لیکن بجائے اس کے کہ یہ لاشیں وہیں سطح آب پر تیرتی رہیں یا تہ نشین ہوں، سمندر کے تھپیڑوں سے ساحل پر آ آ کر لگنے لگیں۔ یہاں تک کہ مقتولوں نے جمع ہو ہو کر سمندر کے کناروں پر لاشوں کا ایک پہاڑ کھڑا کر دیا۔ اس وقت خوں ریزی کی یہ کثرت تھی کہ مقتولوں کے خون کی سرخی، آب بحر کی رنگت پر غالب آ گئی۔

مسلمانوں نے اس معرکہ میں اس صبر و شجاعت کا ثبوت دیا کہ اس سے پہلے شاید کسی معرکہ میں بھی ایسا اتفاق نہ ہوا تھا۔ اہل توحید کی کثیر تعداد معرکہ جاں ستاں کی نذر ہو گئی لیکن عیسائی ان سے بھی دوچند مارے گئے۔

(ابن کثیر)

قیصری افواج کا فرار

صبح سے ظہر تک آتشِ کدہ حرب شعلہ زن رہا یہاں تک کہ عیسائی ہمت ہار بیٹھے اور اس کے بعد تھوڑی ہی دیر میں ان کی شکست پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی۔ اس معرکہ میں رومی لشکر کا بیشتر حصہ تباہ ہو گیا۔ چونکہ معرکہ کارزار میں خود قیصر بھی بُری طرح زخمی ہو گیا تھا اس لیے رومی بیڑا راتوں رات لنگر اٹھا کر جزیرہ صقلیہ (سسلی) کی طرف جو قیصری عملداری میں داخل تھا، بھاگ گیا۔

جب اہل صقلیہ کو معلوم ہوا کہ قیصر مسلمانوں سے شکست کھا کر بھاگ آیا ہے تو انھوں نے اس کی ہزیمت سے ملول ونا خوش ہو کر اس کو حمام میں قتل کر دیا۔ یہ لڑائی سنہ ۳۰۱ھ میں اور بعض مؤرخوں کے نزدیک سنہ ۳۴ھ میں ہوئی تھی۔ (ابن خلدون)

فصل ۵۴

قسطنطنیہ پر فوج کشی

شاہانِ اطالیہ (اٹلی) کی سلطنت جسے رومن ایمپائر کہتے تھے یورپ، ایشیا اور افریقہ تین براعظموں میں پھیلی ہوئی تھی اور اس کا دار السلطنت رومہ تھا۔ لیکن جب رومن فرماں روا قسطنطین اول نے سنہ ۳۲۸ء میں شہر بائیزن ٹیم کی آبادی میں توسیع و تجدید کی اور روما کے نمونہ پر ڈھال کر اس کو قسطنطنیہ کے نام سے موسوم کیا تو دو سال بعد اس کو اپنا دار السلطنت بھی بنا لیا۔ چنانچہ شہر قسطنطنیہ گیارہ صدیوں سے زیادہ یعنی سنہ ۳۳۰ء سے سنہ ۱۴۵۳ء تک رومن فرمانروائی کے شرقی حصہ کا

مرکز و مستقر بنا رہا۔ قسطنطین اول ۳۳۷ء میں طعمۂ اجل ہو گیا۔ اس وقت اٹلی، برطانیہ، اسپین، گالز، پونٹس، پنونیا، مقدونیہ، تھریس، ایشیا کوچک، شمالی افریقہ، مصر، شام وغیرہ ممالک اس کے زیر حکومت تھے عہد نبوی اور خلافت راشدہ کے ایام میں قسطنطین اول کا جو جانشین قسطنطنیہ کے تخت سلطنت پر متمکن تھا، وہ اسلامی کتابوں میں ہرقل اور انگریزی تاریخوں میں ہرکیولس کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

مخبر صادق ﷺ کی پیشین گوئی

سیاسی نقطۂ نظر سے قسطنطنیہ یا استنبول دو بر اعظموں کا مقام اتصال ہونے کے علاوہ درۂ دانیال اور باسفورس کے قدرتی استحکامات کے باعث بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ تسخیر قسطنطنیہ کی خواہشات انہی ایام سے مسلم فاتحین کے کشت زار دل میں نشو و نمو پا رہی تھیں جب مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا تھا:۔

لتفتحن القسطنطنیۃ ولنعم الامیر امیرھا ولنعم الجیش ذلک الجیش	تم ضرور قسطنطنیہ فتح کرو گے۔ پس اس (فاتح) لشکر کا امیر اچھا امیر ہو گا اور وہ لشکر بھی اچھا لشکر ہو گا۔
(رواہ احمد عن بشر الغنوی)	

سیوطی نے جامع صغیر میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ نبی صلی اللہ

علیہ وسلم کی پیشین گوئیوں میں جہاں کہیں صیغۂ جمع حاضر سے خطاب کیا گیا ہے وہاں عموماً اصحابہ اور غیر صحابہ ساری امت کے افراد مراد ہوتے ہیں اور چونکہ خطاب اس بات کا بھی محتمل تھا کہ شاید قسطنطنیہ قرن اول ہی کے مسلمانوں کے ہاتھوں پر فتح ہو، اس بنا پر ارباب اسلام انہی ایام سے غزا و نصرت خدا وندی کے طلب گار تھے۔ جب کہ شام کا ملک اسلامی قلمرو میں داخل ہوا تھا۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ قسطنطنیہ پر عمل دخل کر لینے کے بعد مسلمان بسہولت شمالی یورپ پر غالب آ سکتے تھے۔

آخر جب امیر المومنین حضرت عثمان ذو النورین رضی اللہ عنہ نے شام کی ساری مملکت امیر معاویہ رض کے قبضۂ اقتدار میں دے دی اور امیر معاویہ رض کے بحری بیڑے نے مسلمانوں کے بحری قوی کو زیادہ مضبوط کر دیا تو حضرت خلافت مآب رض نے امیر معاویہ رض کو قسطنطنیہ کی طرف عنانِ عزیمت بڑھانے کا حکم دیا۔ چنانچہ ۳۲ھ میں انہوں نے قسطنطنیہ کا رخ کیا (ابن جریر طبری وابن اثیر)

لیکن بعض تاریخی شواہد سے ثابت ہوتا ہے کہ امیر معاویہ رض بذاتِ خود اس غزا میں شریک نہیں ہوئے بلکہ اپنی طرف سے ایک فوجی سردار بُسر بن ارطاۃ کو قائد اعظم کی حیثیت سے بحری بیڑے کے ساتھ روانہ کیا تھا اسلامی جنگی جہازوں نے رومی بیڑے کو بحر روم میں شکست دی تھی، بُسر بن ارطاۃ بعض موانع وعوائق کی وجہ سے قسطنطنیہ نہ فتح کر سکے اور تین مہینے کے بعد محاصرہ اٹھا کر واپس آئے۔

اس کے بعد حضرت حسن مجتبیٰ رض اور امیر معاویہ رض والی شام میں مصالحت ہوئی اور معاہدۂ صلح کی رو سے معاویہ رض تمام ممالک اسلامیہ کے واحد فرمانروا قرار پائے تو ۵۱ھ (۶۷۲ء) میں امیر معاویہ رض نے از سرنو قسطنطنیہ پر لشکر کشی کا قصد کیا۔ چنانچہ اپنے بیٹے یزید کو خشکی کی طرف سے اور بسر بن ارطاۃ کو بحری بیڑہ دے کر سمندر کی طرف سے بھیجا۔ اسلامی جہاز ساحل مرمرہ (بحیرہ مارمورا) کے طول میں پھیل گئے اور بری سپاہ نے بھی حصول مقصد کی سعی بلیغ کی لیکن چونکہ من جانب اللہ قسطنطنیہ پر اسلامی پرچم لہرانے کا ہنوز وقت نہیں آیا تھا سپاہ کامرانی کا جلوہ نہ دیکھ سکے البتہ اسلامی بیڑے نے ساحل بحر پر ایک شہر سائزیکس پر جو ایشیائے کوچک کا بندرگاہ تھا قبضہ کرلیا۔ یہ شہر ۶۸۰ء تک جب کہ امیر معاویہ رض نے اس سرائے فانی سے رخت سفر باندھا مسلمانوں کے زیر حکومت رہا۔ پھر فرمانروائے قسطنطنیہ نے مسلمانوں کی طرف محبت واتحاد کا ہاتھ بڑھایا اور معاہدہ کے رو سے جو رومیوں اور مسلمانوں میں ہوا، یزید بن معاویہ نے یہ شہر رومیوں کو واپس دے دیا (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا)۔

اس بری فوج میں جو یزید کے زیر سرکردگی قسطنطنیہ گئی تھی حضرت ابو عبداللہ حسین بن علی (رضی اللہ عنہما) بھی داخل تھے۔ چنانچہ امام ابن کثیر رح رقم طراز ہیں:۔

ولما توفی الحسن کان الحسین ... حضرت حسن رض کی رحلت کے بعد

يفد الى معاوية فى كل عام فيعطيه ويكرمه وقد كان فى الجيش الذين غزوا القسطنطينية مع ابن معاوية يزيد فى سنة احدى وخمسين۔ (البداية والنهاية جلد ٨ ص ۱۵۰ - ۱۵۱)	حضرت حسین رضہ ہر سال معاویہ رضہ کے پاس تشریف لے جاتے وہ انہیں مال وزر دیتے اور ان کا اعزاز واکرام ملحوظ رکھتے۔ حضرت حسین رضہ اُس لشکر میں بھی شریک تھے جس نے ۵۱ھ میں یزید بن معاویہ کے ماتحت قسطنطنیہ پر چڑھائی کی تھی۔

اس جیش میں جو یزید بن معاویہ کے زیر قیادت قسطنطنیہ گیا، حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی شریک غزا تھے۔ انہوں نے اسی سفر میں علیل ہو کر اپنی جان عزیز جان آفرین کے سپرد کی۔ جب حضرت ابو ایوب رضہ کے مرض نے شدت اختیار کی تو اپنے رفقائے سفر سے کہنے لگے کہ اگر میں طعمہ اجل ہو جاؤں تو مجھے اٹھائے چلنا اور اگر ایسی حالت میں دشمن سے مڈبھیڑ ہو جائے تو جہاں جگہ ملے وہیں دفن کر دینا اور میں تم کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سناتا ہوں۔ آپ نے فرمایا تھا کہ جو مسلمان ایسی حالت میں جاں بحق ہو کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھیراتا ہو تو وہ جنت میں داخل ہو گا" ان کی بیماری کی خبر سن کر یزید بن معاویہ عیادت کو آیا اور کہا کہ اگر آپ کی کوئی خواہش یا حاجت ہو تو فرمائیے حضرت ابو ایوب رضہ نے کہا کہ میری یہ خواہش ہے کہ جب میں رحلت کر جاؤں

تو مجھے دشمن کی سرزمین کی طرف لے جا کر اس میں داخل ہونا اور اگر اس سرزمین میں داخل ہونے کے لیے راستہ نہ ملے تو مجھے وہیں دفن کر دینا۔ چنانچہ جب ان کے طائر روح نے گلشنِ فردوس کی طرف پرواز کی تو یزید نے ان کی نعش اطہر کو اٹھوا کر دشمن کی سرزمین کو لے چلا۔ چونکہ ملک کے اندر داخل ہونے کا گزرگاہ نہ مل سکا اس لیے وہیں اسپردِ خاک کر دیا۔ خود یزید نے نماز جنازہ پڑھائی۔ ان کی قبر قلعہ قسطنطنیہ کی جڑ میں ہے۔ ابن سعد لکھتے ہیں کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ رومی عیسائی ان کی قبر کا احترام کرتے ہیں اور اس کی مرمت و اصلاح کرتے رہتے ہیں اور قحط کے ایام میں ان کی قبر کے توسل سے دعا مانگتے ہیں (طبقات ابن سعد)

یاد رہے کہ جن ایام میں ابن سعد نے اپنی کتاب طبقات کبریٰ جن میں یہ اطلاع درج ہوئی مدون کی، اس زمانہ تک قسطنطنیہ اسلامی عملداری میں داخل نہ ہوا تھا بلکہ اس کے صدیوں بعد اس شہر کو اسلامی تہذیب اور آسمانی تعلیمات و برکات سے روشناس ہونے کا موقع ملا تھا۔ کما سیاتی۔

انسائیکلوپیڈیا اسلامیہ میں ہے کہ قریباً چالیس سال کی مدت تک عربوں اور رومیوں میں صلح قائم رہی۔ آخر خلیفہ سلیمان بن عبدالملک اموی نے جو مروان کا پوتا تھا اپنے بھائی مسلمہ کے زیر قیادت ایک لشکر جرار خشکی کے راستے قسطنطنیہ روانہ کیا۔ اسی کے ساتھ اسلامی بیڑا سمندر کی طرف سے بڑھا۔ یہ دیکھ کر رومیوں نے قسطنطنیہ کی وہ خلیج جو سنہری سینگ

(گولڈن ہارن) کے نام سے موسوم ہے آہنی زنجیر سے بند کر دی تاکہ اسلامی بیڑا اس میں داخل نہ ہو سکے۔ یہ محاصرہ کوئی ایک سال تک جاری رہا لیکن عساکر خلافت کو اس مرتبہ بھی بے نیل و مرام واپس آنا پڑا۔

اس ناکامی کی دو وجہیں تھیں۔ ایک تو رسد کی فراہمی کا انتظام پیچھے روانگی خوراک کا سلسلہ جاری نہ رکھا جا سکا۔ دوسرا باعث یہ تھا کہ شہر کی درخواست پر بلغاری فوجیں بھی شمال کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف رومیوں کی امداد کے لیے آ جمع ہوتی تھیں۔ ابن جریر طبری اور ابن اثیر نے ان غزوات کا کچھ مختصر سا ذکر کیا ہے لیکن ابن مسکویہ نے ان کی پوری تفصیل دی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ درہ دانیال کے پاس پانی کا ایک چشمہ تھا جو "چشمہ مسلمہ" کے نام سے مشہور تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ چشمہ اس وقت دریافت ہوا تھا جب امیر مسلمہ نے اپنے لشکر کے ساتھ درہ دانیال کے قریب پڑاؤ کیا تھا۔ یہ مسعودی کا بیان ہے۔ اور کہتے ہیں کہ مسلمہ نے یہاں ایک جامع مسجد بھی تعمیر کی تھی۔ اور ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ امیر مسلمہ نے اس وقت تک قسطنطنیہ کا محاصرہ نہیں اٹھایا تھا جب تک اس نے قیصر روم سے اس بات کا پختہ عہد نہیں لے لیا تھا کہ وہ اپنے محل سرائے شاہی کے پاس عرب قیدیوں کے لیے ایک مکان تعمیر کرنے دے گا۔ اسی طرح مسلمہ ہی وہ امیر ہے جس نے قسطنطنیہ میں سب سے پہلے جامع مسجد کی بنا ڈالی۔ مقدسی اور ابن اثیر اس کے ناقل ہیں۔

یہ سب کچھ تو بنی امیہ کے عہد میں ہوا۔ بنو عباس کے زمانہ میں بھی سلطان

تسخیر قسطنطنیہ کی اہمیت سے خالی الذہن نہ تھے۔ انسائکلوپیڈیا اسلامیہ میں ہے کہ عربوں نے خلیفہ ہارون رشید کے ایامِ دولت میں قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا اور عربی لشکر اسکدار تک پہونچ گیا۔ ملکہ ایرانہ یا ارین جو اپنے بیٹے قسطنطین ششم کی صغر سنی کے باعث امورِ سلطنت کو سرانجام دے رہی تھی، خلیفۃ المسلمین کو جزیہ دینے پر مجبور ہو گئی۔ اس کو تھیو فانوس، بلاذری، طبری، اور ابن اثیر نے نقل کیا ہے۔ ان سب کا بیان ہے کہ یہ غزوہ ۱۶۵ھ میں ہوا۔

لیکن قسطنطنیہ کی وہ جامع مسجد جو مسلمہ بن عبدالملک کی طرف منسوب ہے اس کا کوئی کھوج نہیں مل سکا۔ کہتے ہیں کہ وہ ۱۲۰۰ء کے ایک فتنہ میں منہدم ہو گئی تھی۔ ابن اثیر کا بیان ہے کہ قیصر مونوماک نے سلطان طغرل بک سلجوقی کی خوشنودی خاطر کے لیے ۴۴۱ھ میں اس مسجد کی مرمت کرائی تھی۔ اور ابو الفدا نے لکھا ہے کہ اس نے ۴۴۶ھ میں سلطان طغرل بیگ کے پاس بہت سے ہدیے بھیجے اور اس سے معاہدہ کرنا چاہا۔ سلطان نے جو شرطیں منظور کیں، ان میں ایک یہ تھی کہ مسجد از سرنو تعمیر کی جائے۔ چنانچہ یہ مسجد دوبارہ تعمیر ہوئی اس میں نماز پڑھی گئی اور جمعہ میں سلطان طغرل بیگ سلجوقی کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔

اس کے بعد ترکوں نے سب سے پہلی مرتبہ ۱۳۹۶ء میں سلطان بایزید اول کے عہدِ سلطنت میں قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا۔ قیصر روم نے سلطان بایزید کی یہ شرطیں قبول کرلیں کہ وہ قسطنطنیہ کا فلاں حصہ مسلمانوں کے قیام و سکونت کے لیے دے گا۔ جامع مسجد میں اذان دینے کی بندش اٹھ جائے گی، اور ایک مسلمان قاضی

مقرر کیا جائے گا جو مسلمانوں کے مقدمات کا فیصلہ کیا کرے گا۔ اس کے بعد ۱۴۲۲ء میں سلطان مراد ثانی نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا۔ قیصر روم نے کچھ نئی شرطیں منظور کیں اور سلطان محاصرہ اٹھا کر واپس آیا۔

انجام کار ۱۴۵۲ء میں سلطان مراد ثانی کا فرزند سلطان محمد ثانی باپ کا جانشین ہوا۔ یہ وہی اولوالعزم بادشاہ ہے جس کے ہاتھ پر مسلمانوں کا صدیوں کا پرانا خوابِ تسخیر شرمندۂ تعبیر ہوا۔ سلطان محمد ثانی نے اپنی تخت نشینی کے دوسرے سال ۹ اپریل ۱۴۵۳ء کو قسطنطنیہ پر حملہ کر کے اس کو فتح کیا جو بحمد اللہ تعالیٰ آج ۱۹۵۶ء تک برابر مسلمانوں کے قبضۂ اقتدار میں چلا آتا ہے۔ سلطان محمد ثانی نے ایا صوفیہ کے مشہور گرجا کو مسجد میں تبدیل کر کے وہاں نماز جمعہ ادا کی۔ اُس وقت ۸۵۳ھ تھا۔ جمل کے حساب سے "بلدۃ طیّبۃ" کے یہی عدد ہیں۔

(الحاضر العالم الاسلامی)

گو اس فصل کے آخری مندرجات کو عہدِ عثمانی اور حضرت ذوالنورین رضی اللہ عنہ سے کوئی خاص تعلق نہ تھا، مگر قارئینِ کرام کی بصیرت افروزی کے لیے تسخیرِ قسطنطنیہ کا سلسلہ آخر تک پہونچا دیا گیا تاکہ احبابِ کرام مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری بے شمار پیشین گوئیوں کی طرح اس پیش گوئی کے پورا ہونے کی بھی ایک جھلک دیکھ لیں۔

فصل ۵۵

ترکوں سے اسلامی عساکر کے معرکے اور ترک تاجدار کا قتل

ترکی قوم جو کسی زمانے میں ابتدائے اسلام کے زمرے میں داخل تھی، صدیوں سے مشرف بہ ایمان ہو چکی ہے۔ خلافتِ راشدہ کے زمانے میں ترک کفر و ذہنیت کی وادیوں میں بھٹک رہے تھے۔ ان دنوں ان کی ایک زبردست سلطنت بحرِ خزر کے کنارے قائم تھی جس کی سرحدیں ایک طرف آرمینیہ اور دوسری جانب خراسان سے ملتی تھیں۔ دارالسلطنت کا نام بنجر تھا۔ خلافتِ عثمانی میں جو شخص یہاں کا تاجدار تھا، وہ قارن کے نام سے موسوم تھا۔

ترکوں کی ہزیمت و فرار

ترکوں سے مسلمانوں کی مصاف آرائیوں کا سلسلہ فاروقی کل زاری میں شروع ہوا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے عبدالرحمٰن بن ربیعہ باہلی کو ترکوں پر حملہ آور ہونے کا حکم بھیجا۔ انہوں نے فوج کشی کا حکم پاتے ہی حدودِ سلطنت بنجر کی جانب کوچ کر دیا۔ ایک [illegible] کے جواب میں عبدالرحمٰن نے چلتے وقت کہا تھا کہ جب تک میرا نیزہ

ترکوں کے سینے میں نہ گھس جائے گا مجھے چین نہ آئے گا۔ الغرض بلنجر کے قریب پہونچ کر ترکوں سے مڈبھیڑ ہوئی۔ اسلامی لشکر نے ترکوں کو مار مار کر ان کے پرخچے اڑا دیے۔ ترک شہر چھوڑ کر بھاگ گئے۔ عساکر اسلامی مظفر و منصور مال غنیمت لیے ہوئے واپس آئے۔ اس کے بعد مسلمان برابر خلافت عثمانی میں ان پر فوج کشی کرتے رہے تا آنکہ ترکوں کے حربی توے بالکل مضمحل ہو گئے۔

ترک عوام کی توہم پرستی

چونکہ ان معرکوں میں اسلامی لشکر کا ایک شخص بھی ضائع نہیں ہوا تھا۔ اس لیے یہ اعتقاد ترک عوام کے دلوں میں راسخ ہو گیا کہ مسلمانوں کو کوئی قتل نہیں کر سکتا کیونکہ ان کو ملائکہ کی رفاقت و امداد حاصل ہے۔ اس اعتقاد کا یہ اثر ہوا کہ وہ مسلمانوں کے مقابلے میں نہایت بزدلی سے بھاگ اٹھتے تھے۔ آخر چند ترک مدبروں نے عوام کی یہ توہم پرستی دیکھ کر ارادہ کیا کہ اس کا تجربہ کرنا چاہیے۔ چنانچہ چند ترک سپاہی کمین گاہ میں بٹھا دیے گئے۔ انہوں نے ایک مسلمان کو جو تنہا مل گیا تھا گرفتار کر لیا اور لے جا کر شربت شہادت پلا دیا۔ یہ دیکھ کر ترکوں کا خیال بدل گیا اور اب وہ مسلمانوں کے مقابلے میں جری ہو گئے۔ ان ایام میں عبدالرحمٰن بن ربیعہ حدود آرمینیہ سے باب تک حکمرانی کر رہے تھے۔ انہوں نے اپنی طرف سے بہ منظوری دربار خلافت سراقہ بن عمرو کو اس کام پر متعین کر رکھا تھا کہ ترکوں پر برابر حملہ آور ہوتے رہیں۔

حضرت حذیفہؓ کی شہر گردی میں کمک کی روانگی

حضرت عبدالرحمٰن بن ربیعہ نے

سنہ ۳۲ھ میں بھی جب کہ حضرت عثمان ذی النورینؓ مسند خلافت پر متمکن تھے، بلنجر پر ایک وسیع پیمانے پر چڑھائی کرنے کا قصد کیا۔ امیرالمومنین عثمان رضؓ نے اس مہم کو مصلحتِ وقت کے خلاف پا کر عبدالرحمٰن کو اس فوج کشی سے روکا، لیکن وہ جوش مردانگی میں بڑھتے چلے گئے اور واپسی کا نام نہ لیا۔ آخر ترکوں سے لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ سعید بن عاص والیٔ کوفہ نے ان کے بھائی سلمان بن ربیعہ کو باب کا والی مقرر کیا اور امیرالمومنین حضرت عثمانؓ کے حکم سے مسلمانوں کی امداد کے لیے کوفہ سے ایک لشکر روانہ کیا جس کے سردار جلیل القدر صحابی حضرت حُذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت سلمان فارسی اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما بھی اس جیش میں شریک ہوئے۔

اس امداد کے علاوہ امیرالمومنین حضرت ذوالنورین رضؓ نے ان کی کمک پر شام سے بھی ایک لشکر بسر کردگی حبیب بن مسلمہ روانہ فرمایا۔ سلمان بن ربیعہ کل عساکر اسلامی کے قائد اعظم مقرر کیے گئے۔ جس وقت یہ دونوں لشکر ایک جا ہوئے تو کوفیوں اور شامیوں میں جھگڑا ہو گیا۔ حبیب بن مسلمہ نے سلمان بن ربیعہ کی امارت میں خدمت انجام دینے سے انکار کر دیا، کیونکہ ان دونوں میں اُن ایام سے کشیدگی چلی آتی تھی جب کہ کوفیوں نے شامیوں کو مال غنیمت کا حصہ دینے سے انکار کیا تھا۔ حضرت حُذیفہ رضؓ نے ناچار شامی لشکر کو نظرانداز کر دیا اور کوفی فوج کے ساتھ ترکوں سے تین لڑائیاں لڑیں اور ان کو ہر مرتبہ ہزیمت دی۔ (ابن خلدون)

چالیس ہزار اعداء پر چار ہزار غزات کی فتح

ترکوں نے ہر موقع پر مسلمانوں سے ہزیمت اٹھا کر انتقام کی ٹھان لی چنانچہ ۳۲ھ کے آخر میں قارن

بادشاہ ترک اہل بادغیس، ہرات و قوہستان کو گانٹھ کر چالیس ہزار کی جمعیت سے خراسان کی طرف جو اسلامی عمل داری میں داخل تھا بڑھا۔ خراسان میں ان دنوں قیس بن ہیثم سلمی عہدہ امارت پر مامور تھے۔ ان کو عبداللہ بن عامر نے اس زمانے میں مقرر کیا تھا جب وہ حج کعبہ کو جا رہے تھے۔ ان کے ہمراہ قیس کے عم زاد بھائی عبداللہ بن حازم بھی تھے۔ اور ابن عامر نے حکم دیا تھا کہ قیس کی غیر موجودگی میں عبداللہ بن حازم امیر خراسان متصور ہوں گے۔ عبداللہ بن حازم نے قیس کو مشورہ دیا کہ ترکوں کا لشکر بہت زیادہ ہے اور ہماری جمعیت ان کے مقابلے میں بہت تھوڑی ہے اس لیے مناسب ہے کہ تم بذات خود ابن عامر کے پاس بغرض استمداد چلے جاؤ۔ قیس، ابن عامر کے پاس روانہ ہوئے۔

قیس کی روانگی کے بعد عبداللہ چار ہزار فوج کے ساتھ ترکوں کے مقابلے پر نکلے حالانکہ ان کی فوج دس گنا یعنی چالیس ہزار تھی۔ جب رات کی تاریکی فضائے عالم پر محیط ہوئی تو عبداللہ نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ نیزوں پر کپڑے لپیٹ کر تیل سے تر کر کے روشن کر لیں۔ اور سپاہ میں سے چھ سو چیدہ جوانوں کا ایک سریہ مرتب کر کے رات کے وقت ہی حملہ کرنے کو بھیج دیا۔ ترکوں نے چاروں طرف مشعلیں اور آگ روشن دیکھ کر اور یہ گمان کر کے کہ مسلمانوں کا لشکر بہت کثیر ہے

ہمت ہار دی۔ ابن حازم نے اپنی مختصر سی فوج ترکوں کے چاروں طرف پھیلادی اور ان کو ہر طرف سے گھیر کر لڑائی شروع کر دی۔ ترک بادشاہ قارن مارا گیا۔ اس کی فوجیں میدانِ جنگ سے بھاگ کھڑی ہوئیں۔ عساکرِ اسلامی نے تعاقب کیا۔ سیکڑوں ہزاروں کو قتل اور قید کیا۔ فتح یابی کے بعد عبداللہ بن حازم نے عبداللہ بن عامر کے پاس مژدۂ فتح بھیجا۔ یہ خبر بہجت اثر سن کر ابن عامر بہت خوش ہوئے اور ان کو قیس کی بجائے خراسان کی حکومت پر مستقل کر دیا۔ (ابن خلدون)

فصل ۵۴

رعایا کو باطنی مال کی زکوٰۃ از خود ادا کرنے کی اجازت

اسلام نے اپنے صاحبانِ نصاب پیروؤں کو حکم دیا کہ امت کے مسکینوں اور بے کسوں کی امداد اور یتیموں اور بیواؤں کی خبرگیری کے لیے اپنے اموال کا چالیسواں حصہ بیت المال (اسلامی خزانہ) میں ہر سال داخل کیا کریں۔ اس شرعی محصول کو زکوٰۃ کہتے ہیں۔ زکوٰۃ کے لحاظ سے اموال کی دو قسمیں ہیں۔ ظاہر اور باطن۔ ظاہر وہ مال ہے جس کا دوسروں کو بھی علم ہوتا ہے اور وہ لوگوں سے مخفی نہیں رکھا جا سکتا۔ جیسے کھیتی، پھل، مویشی۔ اور باطن وہ مال ہے جس کا چھپانا اور مخفی رکھنا مشکل نہ ہو۔ جیسے سونا چاندی اور وہ مالِ تجارت

جس کی خرید و فروخت شہر کے اندر کی جاتی ہو۔ بعض اوقات اموالِ باطنہ اموالِ ظاہرہ کے حکم میں بھی آجاتے ہیں جیسے مسلمان تاجروں کا وہ مال جو عاملین و محصلینِ زکوٰۃ پر سے گزرے۔

معمول یہ تھا کہ عاملین و محصلینِ زکوٰۃ حکمِ شریعت کے مطابق اربابِ اموال کے پاس پہونچتے اور ان کے ظاہری اور باطنی اموال کی زکوٰۃ وصول کرکے بیت المال میں لا جمع کرتے تھے۔ عہدِ رسالت میں اور اس کے بعد عہدِ صدیقی و فاروقی اور چند سال تک عثمانی عملداری میں بھی ہر قسم کے اموالِ زکوٰۃ بیت المال میں جمع ہوتے رہے۔ لیکن جب مسلمانوں کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہوئی اور بیت المال بھی ہر وقت معمور رہنے لگا اور امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ اموالِ باطنہ کی وصولی میں اربابِ اموال کو انواع و اقسام کی پریشانیاں لاحق ہوتی ہیں اور ان کی تفتیش اور چھان بین میں محصلین اور مالکانِ نصاب دونوں کے لیے تکلیف دہ ہے تو اس بارے میں صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم سے مشورہ کیا۔ آخر اتفاق رائے سے یہ طے ہوا کہ آیندہ کو صرف اموالِ ظاہرہ کی زکوٰۃ وصول کرنے پر اکتفا کیا جائے۔ اس وقت سے اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ کی وصولی امام و والی کے دائرۂ عمل سے خارج کردی گئی اور امیر المومنین نے حکم دیا کہ لوگ اپنے اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ آیندہ بیت المال میں جمع کرنے کے بجائے بطورِ خود ادا کیا کریں۔

چنانچہ آج تک چاندی سونے اور مالِ تجارت کی زکوٰۃ از خود ادا کرنے کا رواج برابر چلا آتا ہے اور عہدِ عثمانی کے بعد اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا

کہ کسی مسلمان والی نے مسلمانوں کے اموال باطنہ کی زکوٰۃ بھی وصول کی ہو۔ کیونکہ ان کی زکوٰۃ از خود ادا کرنے کا حق باجماع صحابہؓ اربابِ اموال کو تفویض ہو چکا تھا۔

فصل ۵۷

خاتم پیغمبر علیہ السلام کی گم گشتگی

سنہ ہ میں جب داعیٔ اسلام علیہ التحیۃ والسلام نے شاہانِ عجم کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط بھجوانے کا قصد فرمایا تھا تو بعض صحابہؓ نے التماس کی تھی یا رسولِ انور! ملوک وسلاطین کا دستور ہے کہ جس خط پر مہر نہ ہو اس کو قبول نہیں کرتے اور نہ اس کو پڑھنا گوارا کرتے ہیں۔" اس بنا پر آپؐ نے ایک انگشتری بنوانے کا حکم دیا۔ چنانچہ ایک طلائی انگشتری تیار ہوئی۔ بعض متمول صحابہ نے بھی آپؐ کے اتباع میں سونے کی انگوٹھیاں بنوا کر پہنیں۔ جب خود حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ انگوٹھی پہنی تو جبریلِ امین علیہ السلام نے نازل ہو کر کہا اے محمد! سونا پہننا آپ کی امت کے مردوں پر حرام ہے۔ آپؐ نے اور آپؐ کے اصحابؓ نے فی الفور طلائی انگوٹھیاں اتار ڈالیں۔ اس کے بعد آپؐ کے لیے ایک نقرئی خاتم تیار کرائی گئی جس کا حلقہ اور نگین دونوں نقرئی تھے۔ اس کی پہلی سطر میں لفظ محمد، دوسری میں رسول اور تیسری میں

لفظ اللہ کندہ کرایا گیا۔

جب انگشتری تیار ہو چکی تو آپؐ نے چھ تاجداروں کے نام دعوتی نامہ ہائے مبارک لکھوا کر اُن پر مُہریں کرائیں اور ان کے لے جانے کے لیے چھ اصحابؓ ایلچی مقرر فرمائے۔ حضرت دحیہ کلبیؓ قیصر روم کی طرف بھیجے گئے۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی کسریٰ شاہ ایران کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت عمرو بن اُمیّہ ضمریؓ شاہ حبشہ کی طرف، حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ لخمی شاہ اسکندریہ کی طرف، شجاع بن ابی وہبؓ والئ شام کی طرف اور حضرت سلیط بن عمرو عامری حاکم یمامہ کی طرف بھیجے گئے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد اپنے دم واپسیں تک اسی انگشتری سے مہر کرتے رہے۔ آپؐ عموماً اس کو اپنے داہنے ہاتھ کی چھنگلیا میں پہنا کرتے تھے۔

آپؐ کے وصال کے وقت یہ انگوٹھی اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس تھی۔ جب امام المتقین ابوبکر صدیقؓ نے مسندِ خلافت کو زینت بخشی تو ام المومنین نے بحکم آیۂ کریمہ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا یہ امانت اپنے پدر بزرگوار کے پاس پہونچا دی تاکہ اس کو منشوروں اور مراسلوں پر مہر لگائی جاسکیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ کے بعد یہ خاتم حضرت فاروق اعظمؓ کی زیب انگشت رہی۔ آخر انھوں نے دارالخلد کو جاتے وقت اپنی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہؓ کے حوالے کر کے فرمایا کہ میرے بعد جو کوئی مسندِ خلافت پر بیٹھے، یہ اس کے سپرد کر دینا۔ چنانچہ انہوں نے اس کو حضرت عثمانؓ کی تحویل میں دے دیا۔ قریباً چھ برس تک یہ انگوٹھی حضرت

ذوالنورین رضؓ کے ہاتھ میں رہی اور وہ اس سے دستاویزوں اور مراسلوں پر مہر
کرتے رہے۔

سنہ ۳۰ھ میں چاہ اریس جو مدینہ منورہ سے دو میل کے فاصلہ پر ہے کھودا
جا رہا تھا۔ امیر المومنین حضرت عثمان رضؓ اس کے معائنہ کے لئے تشریف لے
گئے۔ جب اس کے کنارے پر کھڑے ہو کر اس کا معائنہ فرما رہے تھے، تو
انگوٹھی اپنی انگلی سے نکالی۔ قضائے کردگار سے انگشتری ہاتھ سے چھوٹ کر
کنوئیں میں جا پڑی۔ پھر تمام پانی نکلوایا اور تلاش میں بہت سا زر نقد خرچ
کیا مگر یہ کسی طرح ہاتھ نہ آئی۔ حضرت عثمان رض کو اس کی گمشدگی کا بڑا قلق
ہوا۔ کہتے ہیں کہ اسی دن سے خلافت راشدہ کے امور میں اختلال و بدنظمی
پیدا ہونے لگی۔ محققین کا بیان ہے کہ یہ خاتم مبارک حضرت سلیمان علیہ السلام
کی انگشتری کی خاصیت رکھتی تھی۔

جب ایک لاکھ تمام کوششوں کے باوجود اس کی بازیابی کی طرف
سے مایوسی ہوئی تو امیر المومنین رضؓ نے اسی وضع کی ایک اور انگوٹھی
تیار کرائی۔ (بخاری، ابن اثیر، ابن کثیر) لیکن یہ ظاہری مشابہت بھلا اس
حقیقت کو کہاں پہونچ سکتی تھی ؎

زہرہ شیشۂ سحر بہ یک رنگ آمد
[illegible]

فصل ۵۸

شہادت عثمانی کی پیشین گوئیاں

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا حادثہ کبریٰ علم الٰہی میں مقدر ہو چکا تھا اور جس طرح مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے بار ہا خلافت عثمانی کی پیشین گوئی فرمائی تھی اسی طرح آپ یہ بھی تذکرہ فرمایا کرتے تھے کہ عثمان کے خلاف بغاوت ہوگی اور وہ اسی بغاوت میں مظلوماً قتل ہو جائیں گے۔ اس موضوع پر یہاں ۲۵ روایتیں درج کی جاتی ہیں:-

(۱) ابو موسیٰ اشعری رضہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کے ایک باغ میں تشریف فرما تھے۔ اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی آپہنچے۔ آپ نے ابو موسیٰ سے فرمایا کہ دروازہ کھولو انہیں جنت کا مژدہ سنا دو۔ انہوں نے حکم کی تعمیل کی۔ تھوڑی دیر میں حضرت عمرؓ حاضر ہوئے۔ آپ نے حضرت ابو موسیٰ رضہ سے فرمایا کہ پھاٹک کھولو اور جنت کی خوش خبری سنا دو۔ اس کے بعد حضرت عثمان رضہ نے آکر دستک دی۔ آپ نے فرمایا کہ دروازہ کھولو اور جنت کی بشارت دو، بوجہ اس کے کہ اُن پر بلوہ ہوگا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری کہتے ہیں کہ میں نے جا کر دروازہ کھولا اور جنت کی خوش خبری سنائی۔ حضرت عثمان رضہ نے الحمد للہ کہا

بشارت سن کر حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے بھی اللہ تعالےٰ کی حمد کی تھی مگر حضرت عثمان ذوالنورین رضہ نے بشارت جنت کے بعد جب نرغہ اور بلوی کا ذکر سنا تو وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ بھی کہا۔ (بخاری ومسلم)

(۲) اسی طرح مروی ہے کہ ایک مرتبہ خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رض کو بلا بھیجا۔ جب وہ آکر سامنے بیٹھے تو فرمایا کہ مجھ سے نزدیک ہو جاؤ۔ وہ قریب ہو گئے۔ اس کے بعد فرمایا اور زیادہ قریب ہو جاؤ۔ وہ آپ کے بہت نزدیک ہو گئے۔ پھر آپ نے آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور تین مرتبہ سبحان اللہ کہا۔ پھر حضرت عثمان رض کی طرف دیکھا اور تین دفعہ سبحان اللہ کہا۔ اس وقت ان کے تکمے کھلے ہوئے تھے۔ آپ نے ان کو اپنے ہاتھ سے لگا دیا اور فرمایا اپنی چادر کے کنارے سینے پر ڈال لو کیونکہ تمہاری منزلت اہل آسمان کے نزدیک بہت بلند ہے۔ تم اُن لوگوں میں سے ہو جو میرے ساتھ حوض کوثر پر وارد ہوں گے۔ اُس وقت تمہاری گردن کی رگوں سے خون بہتا ہوگا۔ میں تم سے پوچھوں گا کہ تمہیں کس نے قتل کیا ہے؟ تم اپنے قاتلوں کے نام لوگے۔ (ازالۃ الخفاء)

(۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کوہ اُحد پر چڑھے۔ اس وقت حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان (رضی اللہ عنہم) بھی آپ کے ساتھ تھے۔ پہاڑ جنبش میں آگیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اپنا پیر مبارک مار کر فرمایا کہ اے اُحد! ٹھیر جا۔ تجھ پر

ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہیدوں کے سوا اور کوئی نہیں۔ (رواہ البخاری)

اس حدیث میں دو شہیدوں سے حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ مراد ہیں۔ اور پہاڑ کی جنبش از راہِ افتخار تھی کہ عالم کائنات کی اتنی جلیل القدر ہستیوں نے اپنے قدوم سے اس کو نوازا ہے۔

(۴) حضرت عوف بن مالک اشجعی رضؓ کا بیان ہے کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت سے پہلے ان چھ چیزوں کا شمار کرو (۱) میری موت (۲) فتح بیت المقدس (۳) کثرتِ موت و وبا (۴) کثرتِ مال (۵) فتنہ جس کے اثر سے عرب کا کوئی گھر خالی نہ رہے گا۔ (۶) تمہارے اور بنو اصفر میں صلح۔ لیکن اس کے بعد بنو اصفر غدر اور بد عہدی کر کے اسّی جھنڈوں کے ساتھ تم پر چڑھ آئیں گے۔ ہر جھنڈے کے نیچے بارہ بارہ ہزار فوج ہوگی۔ اخرجہ البخاری۔ معلوم ہو کہ فتح بیت المقدس کی پیشین گوئی حضرت عمر بن خطّاب رضی اللہ عنہ کی خلافت میں پوری ہوئی تھی) اور وبا ملکِ شام کے اندر ہوئی تھی، جس میں ستّر ہزار نفوس دہانِ اجل کا لقمہ بن گئے تھے۔ اور مال و زر کی کثرت حضرت عثمان رضؓ کے زمانے میں ہوئی۔ اور فتنۂ عرب سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا حادثہ قتل مراد ہے۔ اور بنو اصفر یعنی یورپی نصرانیوں سے صلح اور جنگ قربِ قیامت کو حضرت مہدی منتظر کے زمانہ سعادت میں ہوگی۔

(۵) حضرت عبداللہ بن زبیر رضؓ کا بیان ہے کہ فتح مکہ کے دن ایک قریشی عدوے دین جو اشتہاری مجرم تھا، پیشواے امت صلی اللہ علیہ وسلم نے

حکم سے ہاتھ پاؤں باندھ کر اور بند رکھ کر قتل کیا گیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ آج کے بعد کوئی قریشی ہاتھ پاؤں باندھ کر اور بند رکھ کر قتل نہ کیا جائے گا بجز اس شخص کے جو عثمان بن عفان کو قتل کرے گا۔ تم لوگ قاتلِ عثمان کی گردن مار دینا اور اگر اس کی جان نہ لو گے تو عورتوں کی طرح قتل کیے جاؤ گے (رواہ البزار و الطبرانی) ممکن ہے کہ اس حدیث میں جنگِ صفین کی طرف اشارہ ہو جس میں مسلمان قاتلِ عثمانؓ سے تعرض نہ کرنے پر بھیڑ بکری کی طرح ذبح کیے گئے تھے۔

(۶) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" اے عثمان! اللہ تعالیٰ تمہیں ایک قمیص پہنائے گا (یعنی خلافت راشدہ سے نوازے گا) اگر لوگ اس کے اتارنے کی کوشش کریں تو ہرگز نہ اتارنا۔" (ترمذی)

(۷) حضرت نعمان بن بشیر صحابیؓ کا بیان ہے کہ ام المومنین عائشہؓ نے حضرت عثمانؓ کے واقعۂ شہادت کے بعد ذکر کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اے عثمان! اگر خدا تم کو اس امت پر ایک دن بھی خلیفہ کرے اور اس کے بعد منافق کوشش کریں کہ تم خدا کے پہنائے ہوئے قمیص کو اتار دو تو ہرگز نہ اتارنا۔ حضرت نعمان بن بشیرؓ کہتے ہیں کہ میں نے اُمُّ المومنین سے کہا کہ آپ نے یہ حدیث (حضرت عثمانؓ کے واقعۂ شہادت سے پہلے) باغیوں کو کیوں نہ سُنا دی؟ تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا بخدا! اُس وقت یہ حدیث میرے ذہن سے بالکل اُتر گئی تھی (ابن ماجہ)

(۸) بعض روایتوں میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی جتلا دیا تھا کہ حضرت عثمانؓ سے باغیوں کی جو نزاع ہوگی اس میں عثمانؓ حق پر ہوں گے۔ چنانچہ ایک مرتبہ صادق مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنوں کا ذکر فرمایا اور ان کو قریب الوقوع بتلایا۔ اس اثناء میں ایک صاحب چادر سے منہ سر لپیٹے ہوئے آگے سے گزرے۔ آپؐ نے ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ اُس دن ہدایت پر ہوں گے۔ اس حدیث کے راوی مُرّہ بن کعب کا بیان ہے کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے یہ کلمات سُن کر میں اُس بزرگ کی طرف گیا تو دیکھا کہ وہ عثمانؓ بن عفان ہیں۔ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوا اور التماس کی یا رسول اللہ! کیا یہ صاحب؟ فرمایا ہاں۔ (ترمذی و ابن ماجہ و خرجہ احمد عن کعب بن عجرہ بمعناہ و قال الترمذی حدیث حسن صحیح)

(۹) اسی طرح حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے ایک فتنہ کا ذکر کیا اور حضرت عثمانؓ کی نسبت فرمایا کہ یہ اُس دن مظلوماً قتل ہوں گے۔ (ترمذی)

(۱۰) مسند بزار میں حضرت جابر انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فتنہ کا ذکر کیا۔ حضرت ابوبکرؓ عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! کیا میں اس کو دیکھوں گا؟ فرمایا نہیں۔ جناب عمر فاروقؓ نے گزارش کی یا رسول اللہ! کیا میری موجودگی میں ہوگا؟ فرمایا نہیں۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ بولے یا رسول اللہ! کیا میں اُس کو پاؤں گا؟ فرمایا ہاں اللہ تعالیٰ تمہاری ہی ذات سے لوگوں کو اس میں مبتلا کرے گا۔ (البدایہ والنہایہ)

(۱۱) عبداللہ بن حوالہ کا بیان ہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جلتی شخص پر جو چادر میں لپٹا ہوا لوگوں سے بیعت لے گا، نرغہ کرو گے۔ سو حضرت عثمان بن عفان رضی پر جو اپنی بیعتِ خلافت کے وقت چادر میں لپٹے تھے، نرغہ کیا گیا۔ (ابوداؤد۔ طیالسی)

(۱۲) ابن عباس رض کا بیان ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا، اتنے میں عثمان رض بھی حاضر ہوئے۔ مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عثمان! اہلِ مشرق و مغرب تم پر نرغہ کریں گے۔ تم قیامت کے دن مظلوموں کے سردار بنا کر اٹھائے جاؤ گے اور تمہاری شفاعت ربیعہ و مضر کے برابر ہو گی۔ (الحاکم فی المستدرک)

(۱۳) مروی ہے کہ ایک مرتبہ زرارہ بن عمرو نخعی نے رسول انام صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا خواب بیان کیا کہ ایک آگ نکلی ہے جو میرے اور میرے لڑکے کے درمیان حائل ہو گئی ہے۔ یہ سُن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ آگ وہ فتنہ ہے جو میرے بعد رُونما ہو گا۔ حاضرین نے التماس کی یا رسول اللہ! اس فتنے کی کیفیت کیا ہو گی؟ فرمایا کہ لوگ اپنے امام کو قتل کریں گے۔ پھر مسلمانوں میں خانہ جنگی ہو گی اس وقت مسلمان کے نزدیک مسلمان کا خون پانی سے زیادہ خوش گوار ہو گا۔ اور بُرائی کرنے والا اپنے آپ کو نیک گمان کرے گا۔ اگر تم مر گئے تو یہ فتنہ تمہارے بیٹے کو پیش آئے گا اور اگر تمہارا بیٹا مر گیا تو تمہیں اس سے سابقہ پڑے گا۔ زرارہ نے التماس کی یا رسول اللہ! آپ خدا سے دعا کیجئے کہ میں اس فتنے کو نہ دیکھوں آپ نے ان کے لیے دعا کی۔ (استیعاب)

(۱۴) کعب احبار یہود کے ایک بہت بڑے عالم تھے جنہیں آسمانی کتابوں پر بڑا عبور اور تبحر تھا۔ وہ عہد فاروقی میں مشرف باسلام ہوئے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے فرمایا مجھے اسی ذات برتر کی قسم کہ جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے آسمانی کتابوں میں نبی آخر الزمان، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان کا ذکر موجود ہے۔ (الریاض النضرہ) طبرانی نے روایت کی کہ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضؓ نے کعب احبار سے دریافت کیا کہ آپ توراۃ میں میرا حال کس طرح پاتے ہیں؟ انہوں نے کہا میں آپ کو تورات میں قوی خلیفہ اور آہن کا سا مضبوط امیر پاتا ہوں جو معاملۂ خدا میں کسی لائم کی ملامت کی پروا نہیں کرتا۔ پھر آپ کے بعد جو خلیفہ ہوگا، اسے ظالم لوگ تیغ جفا سے شہید کر دیں گے۔ ان کی شہادت پر فتنہ و فساد پھیل جائے گا۔ (ازالۃ الخفاء)

(۱۵) متعدد روایات میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سبائی مفسدین کو جنہوں نے حضرت عثمان رضؓ کا محاصرہ کر کے ان سے خلع خلافت کا مطالبہ کیا تھا منافق قرار دیا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث ام المومنین عائشہ رضؓ کی روایت سے اوپر گزری۔ دوسری روایت ملاحظہ ہو کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضؓ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک قمیص پہنائے گا۔ اگر منافق لوگ اس کے اتارنے کا قصد کریں تو ان کے ظلم کی وجہ سے اس کو ہرگز نہ اتارنا۔ (ابن سعد)

اور حضرت انس رضؓ نے روایت کی کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان سے فرمایا کہ تم عن قریب میرے بعد خلافت کے والی بنائے

جاؤ گے اور منافق لوگ ارادہ کریں گے کہ تمہیں خلافت سے معزول کردیں لیکن خلافت نہ چھوڑنا اور اُس روز روزہ رکھ کر میرے پاس آکر افطار کرنا۔ رواہ ابن عدی و ابن عساکر۔ (انجح الکرامہ)

یاد رہے کہ اس حدیث میں (۱) خلافتِ عثمانی (۲) بغاوت (۳) باغیوں کا مطالبۂ دست برداری (۴) حضرت عثمانؓ کی شہادت (۵) اور روزہ کی حالت میں اُن کا جُرعۂ شہادت پینا، جالب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ پیشین گوئیاں ہیں جو سب کی سب حرف بحرف پوری ہوئیں۔

(۱۶) ایک موقع پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین کو یہ بھی حکم دیا کہ وہ حادثِ فتنہ کے وقت مفسدہ پردازوں کے مقابلے میں حضرت عثمانؓ کی تائید کریں۔ چنانچہ جب جناب ذوالنورین رضؓ محصور تھے تو حضرت ابوہریرہؓ نے لوگوں سے بیان کیا کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ عنقریب فتنہ اور اختلاف رونما ہوگا۔ ہم نے التماس کی یا رسول اللہ! ایسی حالت میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ آپؐ نے حضرت عثمان رضؓ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ تم پر اپنے امیر اور اس کے ساتھیوں کی رفاقت لازم ہوگی (رواہ الحاکم و البیہقی)

اسی ارشاد نبوی کا اثر تھا کہ ابوہریرہ رضؓ ایام محصوری میں حضرت عثمانؓ کی خدمت میں رہ کر ان کے مؤید و معاون رہے اور انہوں نے حضرت خلافت مآبؓ کے دم واپسیں تک باغیوں سے جنگ و جدال کرکے اپنی طرف سے عون و نصرت کا حق ادا کیا۔

(۱۷) حضرت مفخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب عثمان رضی اللہ عنہ سے بار بار اس بات کا عہد لیا تھا اور تاکید فرمائی تھی کہ تمہارے خلاف جو شورش برپا ہوگی اُس میں نہ تو خلافت سے دست بردار ہونا اور نہ اہل غدر و فساد سے لڑنا۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مولیٰ یعنی آزاد غلام ابو سہلہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے سرگوشی فرما رہے تھے اور جناب ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا چہرہ متغیر ہو رہا تھا۔ ان کی شہادت کے دن جب بلوائیوں نے ہر طرف سے نرغہ کیا تو ہم نے التماس کی، امیر المومنین! اگر اجازت ہو تو ہم ان کو مار ہٹائیں۔ فرمایا نہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک وصیت کی تھی، میں اُس پہ کاربند ہوں (احمد، ترمذی، ابن ماجہ، حاکم، بیہقی فی الدلائل)

(۱۸) دوسری روایت میں ابو سہلہ رضی اللہ عنہ سے اس طرح منقول ہے کہ سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرضِ موت میں فرمایا کہ میری خواہش تھی کہ اِس وقت میرا ایک صحابی موجود ہوتا۔ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا عرض پیرا ہوئیں یا رسول اللہ! میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بلا دیتی ہوں۔ آپ خاموش رہے جس سے میں سمجھی کہ آپ ان کے بلانے کے خواہشمند نہیں۔ میں نے کہا اچھا عمر رضی اللہ عنہ کو بلا دوں؟ پھر بھی آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ میں سمجھ گئی کہ ان کے بھی طلبگار نہیں۔ میں نے کہا علی رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجوں؟ آپ نے اس مرتبہ بھی کوئی جواب نہ دیا اور میں نے محسوس کیا کہ ان کی طلبی بھی مقصود نہیں۔ میں نے گزارش کی کہ ابن عفان رضی اللہ عنہ کو بلائیں؟ تو فرمایا ہاں۔

جب عثمانؓ آئے تو آپؐ نے مجھے اشارہ کیا کہ تم دور چلی جاؤ۔ میں دور ہٹ گئی۔ اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ گئے۔ اب آپؐ ان سے سرگوشی کرنے لگے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بات کہہ رہے تھے اور اس کے سننے سے عثمانؓ کے چہرہ کا رنگ متغیر ہو رہا تھا۔ ابو سہلہؓ کہتے ہیں کہ جس روز حضرت عثمانؓ جرعۂ شہادت پینے والے تھے اُس دن ہم نے اُن سے درخواست کی امیر المومنین! ہماری خواہش ہے کہ ہم باغیوں سے جدال و قتال کریں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ایک عہد لیا تھا، میں اُس پر صابر ہوں۔ (ابن سعد)

(۱۹) خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی پیشین گوئی فرمائی تھی کہ حضرت عثمانؓ اپنے آخری ابتلاء میں جو انہیں پیش آئے گا، صابر و شاکر رہیں گے۔ چنانچہ عبد اللہ بن حوالہ اسدی کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے تین مصیبتوں سے نجات پائی فی الحقیقت وہی نجات پانے والا ہے۔ میری وفات کی مصیبت سے (یعنی اس پر صبر کیا) اور قتل خلیفہ سے جو صابر اور حق بجانب ہوگا اور فتنۂ دجال سے۔ (رواہ الحاکم فی المستدرک)

(۲۰) حضرت حذیفہؓ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اسلام میں سب سے پہلا فتنہ قتلِ عثمانؓ اور آخری فتنہ خروج دابّہ ہے اور ابن عساکر نے اپنی روایت میں یہ بھی زیادہ کیا کہ مجھے اسی خدا سے برتر کی قسم کہ جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ جس شخص کے دل میں رائی کے برابر بھی قتلِ عثمانؓ کا

کچھ حصہ ہے وہ اگر دجال کا زمانہ پائے گا تو اس کا پیرو ہو جائے گا اور اگر دجال کو نہ پائے گا تو اپنی قبر میں اُس پر ایمان لائے گا۔ (حج الکرامہ)

(۲۱) حضرت عثمانؓ بعض اوقات خود بھی اپنے مقتول ہونے کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ ابو عون انصاری کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ذوالنورین رضؓ نے عبداللہ بن مسعود صحابیؓ سے ذکر کیا کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ عن قریب ایک امیر (حاکم) قتل کیا جائے گا اور بُرائی کا خواستگار بُرائی کی طرف جُھت کرے گا۔" اور بے شک وہ مقتول میں ہوں۔ عمرؓ نہیں ہیں۔ کیونکہ انہیں تو ایک ہی شخص نے جرعۂ شہادت پلایا تھا لیکن میرے اوپر نرغہ کیا جائے گا۔ (مسند احمد)

(۲۲) ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے کہ جن ایام میں حضرت عثمانؓ مسجد نبوی کی تعمیر میں منہمک تھے، ایک مرتبہ کعب احبار نے کہا کہ کاش! یہ بنا تمام نہ ہو۔ اگر ایک طرف مکمل ہو تو دوسری طرف منہدم ہو جائے۔" لوگوں نے سخت تعجب سے کہا ابو اسحاق! تم خود ہی تو روایت کرتے تھے کہ اس مسجد کی ایک نماز مسجد الحرام کے سوا دوسری مساجد کی ہزار نمازوں سے بھی زیادہ افضل ہے۔ لیکن اب تم سِرے سے اس کی تعمیر ہی کے خلاف ہو؟ کعبؓ نے کہا کہ میں اب بھی یہی کہتا ہوں کیونکہ اس عمارت کی تکمیل پر آسمان سے ایک فتنہ نازل ہوگا۔ یہ فتنہ قریب الوقوع ہے اور موجودہ وقت میں اس کے اور زمین کے درمیان ایک بالشت سے زیادہ فاصلہ نہیں رہا۔ بس یوں سمجھو کہ جُوں ہی یہ عمارت پایۂ تکمیل کو پہونچی، بس فتنہ

آموجود ہوا۔" لوگوں نے پوچھا وہ فتنہ کیا ہے؟ بولے اس شخص یعنی حضرت عثمان کا قتل۔ حاضرین میں سے کسی نے کہا کہ کیا یہ بھی جناب عمر فاروق رض کی طرح قتل کیے جائیں گے؟ کعب نے کہا کہ ان کا قتل حضرت عمرؓ کے حادثہ سے ہزار گونہ زیادہ سخت ہوگا۔ یہ البتہ خوفناک فتنہ ہوگا کہ جس کے باعث یمن سے لے کر روم تک ہر جگہ گوشت و خون کا بازار گرم ہوجائے گا۔ (جذب القلوب)

(۲۳) اسی طرح شقیق کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رض نے اپنی مجلس میں دریافت فرمایا کہ فتنوں کے متعلق حضور مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث کسی صاحب کو یاد ہے؟ حضرت حذیفہ بن یمان صحابی رض نے کہا ہاں مجھے بخوبی یاد ہے۔ اس کے بعد حضرت حذیفہ نے کہا امیر المومنین! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے بموجب وہ فتنہ جو سمندر کی لہروں کی طرح موج زن ہوگا، اس کے وقوع میں آپ ہی کی ذات حائل ہے۔ (بخاری و مسلم)

واقعی حضرت فاروق اعظم رض کی ذات گرامی فتن و حوادث کے لیے سد سکندری تھی۔ جب انہوں نے جرعۂ شہادت نوش فرمایا تو اس کے چھ ہی سال بعد فتنوں اور بلاؤں کا دروازہ کھل گیا۔

(۲۴) حضرت ابوہریرہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ ایک شخص نے خواب دیکھا کہ ایک چھت سے شہد اور گھی ٹپک رہا ہے اور آسمان سے زمین تک کوئی چیز آویزاں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

اس کو کپڑا اور اوپر چڑھ گئے۔ آپؐ کے بعد تین شخص یکے بعد دیگرے اسے پکڑ کر چڑھے۔ لیکن تیسرے شخص سے وہ منقطع ہو گئی تاہم پھر ملا دی گئی۔ حضرت صدیق اکبرؓ سے اس کی تعبیر پوچھی گئی تو انہوں نے فرمایا کہ تیسرا شخص مصیبت میں گرفتار ہوگا۔ (ازالۃ الخفاء) ظاہر ہے کہ وہ تیسرا شخص حضرت عثمانؓ کے سوا کوئی نہ تھا۔

(۲۵) حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے ایک قلعہ کی طرف اترے اور لوگوں سے فرمایا کیا جانتے ہو کہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟ حاضرین نے اس کا نفی میں جواب دیا۔ آپؐ نے فرمایا میں تمہارے گھروں کے اردگرد بارش کی طرح فتنے نازل ہوتے دیکھتا ہوں۔ (رواہ البخاری)

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ اس حدیث کی شرح میں رقم فرما ہیں کہ آپؐ نے ان فتنوں کو مدینہ سے اس لیے منسوب فرمایا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اسی دارالہجرت میں جرعۂ شہادت پلایا جانے والا تھا۔ یہ فتنے مدینے سے نکل کر دوسرے شہروں میں منتشر ہو گئے۔ پس جنگ ہائے جمل وصفین قتلِ عثمانؓ ہی کی وجہ سے رونما ہوئیں اور نہروان کا قتال جس میں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ خارجیوں کے خلاف معرکہ آرا ہوئے، فیصلۂ تحکیم کے باعث ہوا جو صفین کے مقام پر جانبین میں قرار پایا تھا۔ اس عصر میں عرب کے اندر جو لڑائی بھی لڑی گئی اس کی تولید جناب ذوالنورینؓ ہی کی مرگِ مظلومی کے بطن سے ہوئی تھی۔

علامۂ ممدوح اس کے بعد لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان رضؓ کے خلاف سب سے پہلا فتنہ عراق (کے دارالحکومت کوفہ) سے اٹھا تھا۔ چونکہ عراق مدینہ منورہ سے مشرق کی جانب ہے، حضرت فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ فتنہ کا ظہور عراق کی طرف سے ہوگا۔ اور آپؐ نے ان فتنوں کو بارش سے اس لیے تشبیہ دی کہ وسعت و عموم پر دلالت کریں۔ (فتح الباری)

فصل ۵۹

عبداللہ بن سبا یہودی کی شر انگیزیاں

اس فصل میں اور اس کے بعد کی فصلوں میں ان شاء اللہ العزیز بتایا جائیگا کہ یہودی نو مسلم عبداللہ بن سبا اور اس کے پیروؤں نے امیر المومنین حضرت عثمان ذوالنورین رضؓ کے خلاف کس طرح فتنہ انگیزی کی اور ان مفسدوں کے ہاتھوں ملتِ اسلامیہ کا شیرازہ کس طرح منتشر ہوا۔ کتب سیرت و تاریخ میں حضرت عثمان رضؓ کی شہادت کے دل دوز واقعات شرح و بسط سے مذکور ہیں مگر ان میں بہت سی غیر صحیح باتیں ملا دی گئی ہیں۔ پس میں نے ارادہ کیا کہ خُذْ مَا صَفَا وَدَعْ مَا كَدَرَ کے اصول پر عمل کرتے ہوئے صحیح روایات کو لے لوں اور اُن بیانات کو قلم انداز کر دوں، جو تاریخی حیثیت سے بالکل بے حقیقت ہیں، اگرچہ اُن کی شہرتِ عام نے ان کو تاریخی حقائق سے زیادہ اُچھال

رکھا ہے۔

حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر ۳ محرم ۲۴ھ کو بیعت کی گئی تھی۔ وہ بارہ سال تک مسندِ خلافت پر متمکن رہے۔ ان میں سے ابتدائی چھ سال کامل امن و سکون سے گزرے۔ کسی کو کسی قسم کے شکوہ و شکایت کا موقع نہ ملا بلکہ قریش ان کو حضرت عمر فاروقؓ پر بھی ترجیح دیتے تھے کیونکہ حضرت عمرؓ کے مزاج میں بہت خشونت تھی اور یہ حلیم الطبع اور منکسر المزاج تھے۔ آخر عبداللہ بن سبا نام ایک یہودی عالم نے جو آیت مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا کا مصداق تھا، یمن سے مدینہ منورہ آکر نہ صرف اس پرسکون فضا کو متلاطم و مسموم کر دیا بلکہ اسلام کے سر رشتہ نظام میں ایسی بری طرح گرہ ڈالی جس کو کسی مصلح و مجدد کا ناخن تدبیر قیامت تک نہ کھول سکے گا۔

منافقانہ قبولِ اسلام

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب خلفائے ثلاثہ رضوان اللہ علیہم کے عہدِ سعادت میں یہود اور دوسرے غیر مسلموں کے بلاد و امصار صحابہ کرامؓ اور ان کے تابعین عظام کے ہاتھوں پر فتح ہوئے اور اعدائے دین قتل و اسیری کی ذلت میں گرفتار ہوئے تو یہ لوگ غیظ و غضب میں مارِ دُم بریدہ کی طرح پیچ و تاب کھاتے تھے لیکن کوئی بس نہ چلتا تھا۔ شیخین یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے عہدِ خلافت میں انہوں نے شدتِ عصبیت کی وجہ سے بہت کچھ ہاتھ پاؤں مارے۔ لڑائیاں لڑیں اور سازشیں کیں لیکن چونکہ نصرتِ الٰہی پے در پے پیروانِ اسلام کی مددگار تھی، ذلت و خسران کے

سوا کچھ حاصل نہ ہوا۔ ناچار خلیفۂ ثالث حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں کر و حیلہ کے ہتھیاروں سے مسلح ہونے لگے۔ اس سلسلہ میں یہود کی ایک جماعت کلمۂ اسلام سے گویا ہو کر منافقانہ دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئی اور مسلمانوں میں تفرقہ اندازی اور بغض و عناد کی آگ مشتعل کرنی شروع کی۔

جن یہودیوں نے اسلامی شیرازہ کی پراگندگی کے ارادہ سے ازراہِ نفاق مسلمانوں کی صف میں جلوہ گری کی، اُن کا سردار یمن کے صدر مقام صنعاء کا ایک یہودی عالم عبداللہ بن سبا تھا۔ اس کی ماں کا نام سوداء تھا۔ اس لیے اسلامی تاریخوں میں اس کو ابن السوداء کے نام سے بھی موسوم کیا گیا ہے۔ یہ شخص اس ارادہ کے ساتھ واردِ مدینہ ہوا کہ جس طرح پولوس یہودی نے مسیحیت کا لباسِ فریب پہن کر عیسائیوں میں تفرقہ ڈالا اور دینِ مسیح کو شرک و کفر سے ملوث کیا تھا، اسی طرح یہ بھی بظاہر مسلمان ہو کر حبِ اہلِ بیت کے پردے میں مسلمانوں میں پھوٹ ڈالے اور دینِ اسلام میں الحاد اور بد مذہبی کے جراثیم پھیلا دے۔

شیعانِ علی

ابن سبا اور دوسرے یہودیوں نے جو منافقانہ حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے، اپنے آپ کو شیعۂ علی سے ملقب کیا۔ اس سلسلہ میں انہوں نے خاندانِ نبوی اور دودمانِ مصطفوی کے ساتھ کمال درجہ کی محبت و اخلاص کا اظہار کیا اور لوگوں کو اہلِ بیت کی محبت میں راسخ و مستحکم ہونے کی تحریک شروع کی۔ یہ تحریک خاص و عام میں مقبول ہوئی۔ کافۂ اہلِ اسلام نے اس کو نظرِ استحسان سے دیکھا

اور لوگوں نے گمان کیا کہ نو مسلموں کی یہ جماعت بڑی مخلص، نہایت ہمدردِ اسلام اور اعلیٰ درجہ کی محبِ ملت ہے۔ رفتہ رفتہ عوام اس جماعت میں جو شیعانِ علیؓ کے نام سے موسوم ہوئی تھی داخل ہونے شروع ہوگئے۔ کچھ دنوں کے بعد ابن سبا نے ان شیعانِ علی کو ایک نئے دامِ فریب میں مبتلا کرنا چاہا۔ چنانچہ ان پر القا کیا کہ حضرت علی مرتضیٰ پیغمبر کے بعد سب سے افضل، آپؐ کے سب سے زیادہ مقرب اور آپؐ کے بھائی اور داماد ہیں۔ اس سلسلہ میں اس نے نہ صرف وہ آیاتِ قرآنی جو آں جناب کے فضائل میں وارد ہوئی تھیں، اور وہ احادیثِ نبویہ جو حضرت علیؓ کے مناقب میں تھیں، لوگوں کو سنانی شروع کیں بلکہ ان کے ساتھ اپنی من گھڑت موضوعات و مخترعات سے بھی استدلال کرنے لگا۔

مسلمانوں کی داخلی کمزوریوں کی تلاش

ابتدا میں اس کا مدینہ منورہ آنا اور قیام کرنا بالکل نا قابلِ التفات تھا لیکن آگے چل کر اس کی سازشوں اور فتنہ انگیزیوں نے اسلامی شیرازے کو کچھ اس طرح بکھیرا کہ حضرت علیؓ اور ان کے پس رَو خلفائے اسلام نے ہزار جتن کیے مگر اتحاد و اتفاق کی وہ روح کسی طرح پیدا نہ کر سکے جو خلافتِ عثمانی کے پہلے چھ برس تک مسلمانوں میں پائی جاتی تھی۔

ابن خلدون لکھتے ہیں کہ ابن سبا قیامِ مدینہ کے دوران میں مسلمانوں کی اندرونی کمزوریوں کی ٹوہ میں لگا رہا۔ اس نے مخالفِ اسلام منصوبوں پہ

نظر غائر ڈالنے کے بعد محسوس کیا کہ خلیفۃ المسلمین حضرت عثمانؓ نظامِ خلافت کے قیام و استحکام کے لیے اور قبیلہ پروری کے خیال سے زیادہ تر اپنی خاندان بنو امیہ کے افراد کو ذمہ داری کے عہدوں پر سرفراز کرتے ہیں۔ لیکن بنو ہاشم پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اقربا ہونے کے باعث اپنے آپ کو بڑے بڑے عہدوں کے مستحق سمجھتے ہیں۔ چونکہ خلیفۃ المسلمین کے طریقِ عمل نے ان کی خواہشوں اور آرزوؤں کا خون کر دیا ہے اس لیے بنو ہاشم اور بنو امیہ کا قدیم جذبۂ رقابت جو پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیماتِ حقّہ کے اثر سے دبا پڑا تھا پھر ابھرنے لگا ہے اور کوئی ہاشمی ایسا نہیں جو بنو امیہ کا اقتدار ٹھنڈے دل سے گوارا کر رہا ہو۔

ابن سبا کو یہ بھی معلوم ہوا کہ عہدِ نبوی میں اور اس کے بعد جب اکثر ممالک پر اسلام کا پرچمِ اقبال لہرانے لگا اور اہلِ حجاز، بصرہ، کوفہ، شام اور مصر کے باشندوں میں رہنے سہنے لگے تو ان ایام میں تمام مسلمانوں کے ہادی و مقتدا مہاجرین، انصار، قریش اور اہلِ حجاز تھے۔ اور وہی سب سے زیادہ معزز و محترم مانے جاتے تھے۔ باقی عربی قبائل مثلاً بنو بکر بن وائل عبد القیس، ربیعہ، اَزد، کندہ، تمیم، قُضاعہ وغیرہم اس عزت و شرف سے ممتاز نہیں کیونکہ ان کو پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا شرفِ صحبت نصیب نہیں اور اگر ان میں سے کسی کو کچھ صحبت میسّر تھی تو وہ بھی برائے نام تھی۔ مگر عہدِ فاروقی میں جو فتوحات ہوئیں ان میں انہی قبائل کا زیادہ حصہ تھا۔ اس بنا پر یہ لوگ اپنے آپ کو سابقون اولون اور

بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ سے بھی افضل سمجھتے اور اپنے حقوق کو ان سے فائق و برتر یقین کرتے ہیں۔

ابن خلدون نے یہ بھی محسوس کیا کہ عام لشکر کشی کے زمانے میں تو قبائل عرب کو چنداں احساس نہ ہوا تھا لیکن فتوحات اور حصول کامیابی کے بعد جب حضرت عمرؓ نے مصلحۃً سلسلۂ فتوحات کو روک دیا تو قبائل ان امر سے یہ دیکھ کر کہ ان پر مہاجرین، انصار، قریش وغیرہم کی حکومت ہے، دل ہی دل میں کشیدہ ہیں، یہاں تک کہ انہوں نے والیانِ ممالکِ اسلامیہ پر جو حضرت عثمان کی طرف سے متعین ہیں زبانِ طعن کھول دی ہے اور خلیفۂ ثالث کی تعمیلِ احکام میں سستی کرنے لگے ہیں۔ (مقدمہ تاریخ ابن خلدون)

ان وجوہ کے علاوہ جو ابن خلدون نے بیان کیے فتنہ و فساد کی پیدائش کے یہ اسباب بھی ہمارے علماء و مورخین نے لکھے ہیں۔

(۱) تربیت یافتگانِ حبیبِ ربّ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہو رہے تھے اور ان میں جو حضرات ہنوز بقیدِ حیات موجود تھے وہ اپنی کبر سنی کے باعث سیاسی امور میں بہت کم دخل دیتے تھے اور صحابہ کرام کی جو اولاد ان کی جگہ لے رہی تھی وہ حق پسندی، نیک کرداری اور تقویٰ و طہارت میں اپنے آباء سے کم تر تھی۔ اس وجہ سے وہ لوگ راعی اور رعایا کے حق میں ویسے فرشتۂ رحمت ثابت نہ ہوئے جیسے ان کے اسلاف تھے۔

(۲) اسلام کی دوسری نسل جس نے صحابۂ کرام رضہ کی جگہ لی تھی، اُس میں امام وقت کی اطاعت وانقیاد اور خیر خواہی و ہمدردی کا وہ مذہبی جذبہ نہ پایا جاتا تھا جو پہلی نسل میں موجود تھا۔

(۳) حضرت عثمان رضہ بڑے متموّل تھے۔ وہ اپنے خویش واقارب کی دل کھول کر مالی امداد کیا کرتے تھے۔ حُسّاد و اشرار یہ شہرت دیتے تھے کہ حضرت عثمان رضہ کی یہ ساری داد و دہش سرکاری بیت المال سے ہے۔

(۴) حضرت ذوالنورین رضہ فطرۃً نیک، حلیم الطبع اور ذی مروّت بزرگ تھے۔ تشدد اور سخت گیری سے انہیں طبعی نفرت تھی۔ عام طور پر معمولی جرموں اور قصوروں کو حلم اور بُردباری سے ٹال دیا کرتے تھے۔ اس سے شریروں اور پست فطرت لوگوں کی ہمتیں بڑھ گئی تھیں۔

(۵) ایسے لوگوں کی بھی ایک بڑی تعداد ملک میں موجود تھی جنھیں کسی نہ کسی وجہ سے حضرت خلافت مآبؓ کے ساتھ ذاتی عناد تھا۔ مثلاً محمد بن ابی بکر اور محمد بن ابی حذیفہ کہ ان دونوں کو حضرت خلافت مآبؓ نے حکومت کے عہدوں پر سرفراز نہ فرمایا تھا۔ ایسے لوگ ابن سبا کے لیے بہت مفید ثابت ہوئے۔

(۶) فرماں روا کو ضرورت ہے کہ اس کے عامل اور کارکن خلوصِ دل سے اس کے بہی خواہ اور فرماں بردار ہوں۔ اس لحاظ سے حضرت عثمان رضہ نے

ایسے زمانے میں جب کہ صاحبِ امر کی اطاعت کا مذہبی جذبہ لوگوں کے دلوں سے مفقود ہو رہا تھا، اپنی خاندانی حمیّت اور قرابت داری سے کام لینا چاہا تاکہ کاروبارِ خلافت اور نظم و نسقِ مملکت میں کوئی خرابی نہ پیدا ہو سکے۔ چونکہ قرابت داروں کا تقرر سُنّتِ صدیقی و فاروقی کے خلاف تھا، لوگوں کو اُمویوں کا تقرر ناگوار ہوا اور اشرار کو زبانِ طعن کھولنے کا موقع ملا۔

(۷) اس وقت کابل اور خراسان سے لے کر مراکش تک کے ممالک اسلام کے زیرِ نگین ہو چکے تھے جن میں بے شمار قومیں آباد تھیں۔ چونکہ ان لوگوں میں انتقام جوئی کی طاقت نہ تھی اس لیے وہ سازشوں کے جال میں بسہولت پھانس لیے گئے۔

(۸) مقہور و نگونسار یہود کی یہ کوشش تھی کہ اسلام میں افتراق پیدا کر کے اس کو ایسا چرکا لگایا جائے کہ اس کی قوت پاش پاش ہو جائے چنانچہ ابن سبا یہودی اس ناپاک کوشش کا ایک مظہر تھا۔

(۹) حضرت ذوالنورین رضؓ کی خلافت میں فتنوں نے جو ہر طرف سے سر اٹھایا اُس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ تموّل اور دولت مندی کی کثرت نے اہلِ ایمان میں وہ لوازم پیدا کر دیے جو مال و زر کی فراوانی کے وقت اقوام و افراد میں پیدا ہو جاتے ہیں اور انجام کار ان کے زوال و انحطاط کے اسباب بن جاتے ہیں۔ اسی بنا پر حضور فخرِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ سے فرمایا کرتے تھے کہ مجھے تمہارے متعلق فقر و فاقہ سے کوئی خوف نہیں بلکہ میں تمہارے لیے دنیا کی فراوانی سے خوف زدہ ہوں۔

نیا دستور العمل اور بلادِ اسلامیہ کا دورہ

ان حالات سے مؤید و قوی پشت ہو کر عبداللہ بن سبا نے اپنا جو دستور العمل تجویز کیا وہ یہ تھا کہ خاندانِ نبوت سے اظہارِ محبت کیا جائے اور نہ صرف خلیفۂ ثالث بلکہ پہلے دونوں خلیفوں کے خلاف بھی جذبۂ نفرت پھیلائے اور عمالِ عثمانی کو ہر طرح سے بدنام کر کے ممالکِ اسلامیہ میں خلفشار پیدا کرے۔ چنانچہ اس نے فضائل اہل بیت کے ساتھ ساتھ حضرات شیخین اور جناب ذوالنورین رضی اللہ عنہم کے مَن گھڑت معائب بیان کرنے شروع کیے۔ اس کے بعد وہ مختلف بلادِ اسلامیہ میں دورہ کر کے یہ نشر کرنے لگا کہ علی بن ابی طالب رضؓ پیغمبر علیہ السلام کے وصی ہیں۔ عثمان رضؓ نے اسی طرح جبراً و غصباً بغیر کسی استحقاق کے خلافت لے لی ہے جس طرح ان کے دونوں پیش رووں ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) نے جبراً و غصباً اس پر قبضہ کر رکھا تھا۔

طریقِ اغواء

اس کا طریق اغواء یہ تھا کہ ایک شخص سے در پردہ پوچھتا کہ کیا اس بات کو تسلیم کرتے ہو کہ حضرت عیسیٰ بن مریمؑ دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے؟ وہ جواب دیتا کہ ہاں ضرور معاودت فرما ہوں گے۔ ابن سبا سوال کرتا کہ جب محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم عیسیٰ علیہ السلام سے افضل و برتر ہیں تو بھلا آپ کیوں عود نہ فرمائیں گے؟ وہ لاجواب ہو جاتا۔ اس کے بعد اس کو یہ کہہ کر بھکانے لگتا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے علی بن ابی طالب رضؓ کے حق میں وصیت کی تھی، اس لحاظ سے محمد خاتم الانبیاء

اور علیؓ خاتم الاوصیاء ہیں۔ پس علی عثمان کی نسبت خلافت کے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ وہ نبی علیہ السلام کے وصی ہیں اور عثمان نے تو اپنی ولایت و حکمرانی میں طرح طرح کی بے ضابطگیوں اور ظلم رانیوں کا ارتکاب کر رکھا ہے۔ غرض وہ دروغ بافیوں سے کام لے کر اپنے مخاطب کو کچھ اس طرح ورغلاتا کہ سننے والا، امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ سے بدگمان ہو کر اس کی ہاں میں ہاں ملانے لگتا۔

امر معروف و نہی عن المنکر کا لباسِ خدع

یہ شخص زیادہ تر امر معروف و نہی عن المنکر کا حیلہ تراش کر لوگوں کے دل اپنی طرف مائل کرتا تھا۔ اس کا مقولہ تھا کہ گو میں عمالِ عثمانی کو ان کے عمل و دخل سے معزول نہیں کر سکتا، مگر امر معروف اور نہی منکر تو کر سکتا ہوں۔ اس کا عام حربہ یہ تھا کہ جب وہ کسی کو عقائدِ حقہ اور راہِ ہدیٰ وسداد سے منحرف کرنے کی کوشش کرتا تو آخر میں کہہ دیتا کہ میں نے جو کچھ کہا ہے حسبۃً للہ کہا ہے کیونکہ امر معروف و نہی منکر فرائضِ اسلامی میں داخل ہے اور اگر خاموش رہتا ہوں تو فرضِ تبلیغ سے قاصر رہتا اور گنہگار ٹھیرتا ہوں۔ اس وقت فارسی کا یہ شعر ابن سبا کے موافقِ حال تھا ؎

مثل زنند کہ گمراہ را یکے پرسید
کہ تو چہ نامی و گمراہ گفت من رہبر

غرض اس طرح ابن سبا نے بہت لوگوں کو اپنے دامِ تزویر میں پھانس کر خلفائے ثلاثہ رضوان اللہ علیہم کا عموماً اور حضرت ذوالنورینؓ کا خصوصاً دشمن بنایا

اس وقت ابن سبا نے بلادِ اسلامیہ میں ہر طرف آتشِ فتنہ برپا کر دی تھی اور وہ امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ اور اُن کے عمّال کے خلاف زہر چکانی کر کے ہر جگہ اپنے تخریبی ادارے قائم کرنے لگا تھا۔ چونکہ دنیا میں احمقوں اور اوباشوں کی کمی نہیں، اس لیے جہاں جاتا، اُس کو اپنی ڈھب کے عوام مل جاتے رہے۔ اس طرح مدینہ منورہ کے علاوہ اس نے بعض دوسرے اسلامی شہروں میں بھی اپنی جماعتیں قائم کر لیں اور وہ پوری طرح خانہ بر اندازیِ چمنِ اسلام میں منہمک ہوا۔ ان مساعیٔ نامشکور کا یہ اثر ہوا کہ بعض مقامات پر اکثر عوام الناس اس کی باتوں کی طرف مائل ہو گئے اور اس بارے میں باہم خط و کتابت ہونے لگی۔

فصل ۱۰

حضرت ابوذر غفاریؓ ابن سبا کے پنجہ اغواء میں

حضرت ابوذرِ غفاری رضی اللہ عنہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک قدیم الاسلام صحابی تھے۔ ورع و تقویٰ شرفِ انسانیت کا سب سے بڑا جوہر ہے لیکن ظاہر ہے کہ ہر کام کی ایک موزوں حد ہوتی ہے۔ جناب ابوذرؓ کی ذاتِ گرامی میں زہد اور ورع و تقویٰ کا جذبہ بہت ہی زیادہ بڑھا ہوا تھا۔ اور اسی حد سے بڑھے ہوئے زہد و تقویٰ کا اثر تھا کہ نہ عامۃ المسلمین سے دینی اور

دنیاوی تمام امور میں شدید برتاؤ کرتے تھے۔ حضرت ابوذرؓ کا قول تھا کہ کسی مسلمان کے پاس ایک دن سے زیادہ مدت کا سامانِ خوراک نہ رہنا چاہیے۔ وہ سمجھتے تھے کہ جو شخص یک روزہ غذا سے زیادہ سامانِ خوراک یا زرِ نقد اپنے پاس رکھتا ہے وہ کلامِ الٰہی کی اس وعید کے بموجب عذابِ الیم میں گرفتار ہوگا:۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ	اور وہ لوگ جو سونا چاندی جمع کر رکھتے ہیں
وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ	اور اس کو فی سبیل اللہ خرچ نہیں کرتے
سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ	(یعنی زکوٰۃ نہیں دیتے) اُن کو عذابِ الیم
بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (۹: ۳۴)	کی اطلاع دیدیجیے۔

اصل میں حضرت ابوذرؓ کی نظر اُسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر تھی۔ آپؐ کا غیر متبدل معمول تھا کہ جو کچھ جس روز آتا اُسی دن فی سبیل اللہ خرچ کر دیتے تھے۔ دوسرے دن کے لیے ایک پائی بھی اٹھا نہ رکھتے تھے۔ لیکن حضرت ابوذرؓ نے اس پر غور نہ فرمایا کہ احکامِ شریعت عوام و خواص سب کے لیے عام ہیں اور ہر شخص عزیمت کے اُس مقامِ رفیع تک نہیں پہونچ سکتا جس پر ہادیٔ کل و مقتدائے انام صلی اللہ علیہ وسلم مستقیم تھے۔ جو صاحبِ نصاب ہر سال اپنے مال کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ دے دیا کرے، اُس پر زائد اور فالتو زرِ نقد یا دوسرے مال و متاع کے جمع کرنے میں شرعاً کوئی مواخذہ نہیں۔ اگر حسبِ زعم ابوذر رضی اللہ عنہ ایک دن سے زیادہ مدت تک مال کا جمع رکھنا ناجائز ہوتا تو شریعت حقّہ زکوٰۃ کا کبھی حکم نہ دیتی جو مال کے

سال بھر تک جمع رہنے کے بعد واجب الادا ہوتی ہے اور جائداد خریدنے اور ترکہ کی وصیت کرنے کی بھی ممانعت فرما دیتی۔ حالانکہ ایسا نہیں ہو۔

ان ایام میں حضرت ابوذر رضؓ شام کے دارالحکومت دمشق میں قیام فرما تھے۔ وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اس نیت سے شام گئے تھے کہ شام کی سرحد چونکہ نصاریٰ کی عملداری سے ملتی ہے۔ وہاں کی بود و باش میں شرکتِ جہاد کی سہولتیں رہیں گی۔ علاوہ ازیں وہ حضرت فاروقِ اعظمؓ کی رحلت کے بعد اس خیال سے بھی دمشق میں اقامت گزیں ہو گئے تھے کہ حسبِ ضرورت امیر معاویہ رضؓ کو متنبہ[1] کرتے رہیں گے کیونکہ وہ دیکھتے تھے کہ حضرت معاویہ رضؓ تجملاتِ دنیا کی طرف کسی قدر مائل ہیں۔ چنانچہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بسا اوقات امیر معاویہؓ کے خلاف توبیخ و سرزنش کی زبان کھول کر کہا کرتے تھے کہ تمہارے اعمال و افعال حضرت خیر البریہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّتِ سنیہ کے موافق نہیں ہیں اور تمہاری روش حضرات شیخین (حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق، رضی اللہ عنہما) کے طریقِ عمل سے بھی مطابقت نہیں رکھتی۔ (روضۃ الصفا)

جب ابن سبا کو حضرت ابوذر رضؓ کے زاہدانہ مسلک کی اطلاع ہوئی تو اس نے ان کی وساطت سے بھی اپنی اسلام کُش فتنہ انگیزیوں میں مطلب براری کرنی چاہی۔ چنانچہ ۳۰ھ میں دمشق پہونچا اور حضرت ابوذرؓ سے ملاقات کر کے ان سے زہد و ورع کے فضائل دریافت کرنے شروع کیے۔ ابن سبا نے اثنائے گفتگو میں یہ بھی کہا کہ معاویہ رضؓ مسلمانوں کے زرو

---

[1] واضح رہے کہ ایک صحابی کو حق ہے کہ دوسرے صحابی کو تنبیہ کرے۔ بعد میں آنے والوں کا کام پہلوں کے حق میں دعائے مغفرت کے علاوہ کچھ نہیں۔

مال سے اپنا گھر بھر رہے ہیں اور لطف یہ ہے کہ جو خزائن و اموال بیت المال میں ہیں اُن کو اللہ کا مال بتلاتے ہیں۔ اِس سے اُن کا یہ مقصد ہے کہ اس پر مسلمانوں کا نام اور حق باقی نہ رہے تاکہ وہ اموال المسلمین کو بے دریغ اپنے تصرف میں لاتے رہیں۔

ابوذرؓ پر ابن سبا کا جادو چل گیا۔ وہ یہ سبق پڑھ کر معاویہؓ کے پاس پہونچے اور بولے کہ تم مسلمانوں کے مال کو اللہ کا مال کیوں کہتے ہو؟ امیر معاویہؓ نے کہا اے ابوذر! اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے۔ کیا ہم سب اللہ کے بندے نہیں ہیں اور یہ مال اُسی ذاتِ برتر کا نہیں ہے؟ بولے نہیں اس طرح نہ کہا کرو۔" حضرت معاویہؓ نے کہا اچھا آیندہ میں اِس مال کو بھی اموال المسلمین ہی سے نام زد کروں گا۔" حضرت ابوذرؓ وہاں سے لاجواب ہوکر لوٹے تو ابن سبا سے پھر ملاقات ہوگئی اور اُس کی دم پٹی میں آکر امیر معاویہؓ کے خلاف غصّے کی کچھ باتوں ...... کا اظہار کرتے رہے (ابن اثیر، ابن خلدون)

ابن سبا ابوذرؓ کو ہموار کرچکا تو حضرت ابودرداء صحابیؓ کے پاس گیا، اور اُن سے بھی وہی باتیں کیں جو ابوذرؓ سے کرچکا تھا۔ حضرت ابودرداءؓ نے فرمایا میں اس حقیقت کو اچھی طرح بھانپ گیا ہوں کہ تو یہودی عدوئے دین اور اسلام کا مارِ آستین ہے۔" وہاں سے اٹھ کر ابن سبا حضرت عُبادہ بن صامت انصاریؓ کے پاس پہونچا۔ عُبادہؓ اس کی مغویانہ باتیں سُن کر سخت برافروختہ ہوئے۔ جھٹ اس کو اپنی گرفت میں لے لیا اور کھینچتے ہوئے

امیر معاویہؓ کے پاس پہونچے اور فرمایا یہی وہ شخص ہے جس نے ابوذرؓ کو آپ کے خلاف برانگیختہ کیا ہے۔ اسی مفسدہ پرداز نے اُن کو سکھا پڑھا کر آپ کے پاس بھیجا تھا۔" لیکن امیر معاویہؓ نے اپنی معتاد حلم شعاری کے اقتضاء سے اُس سے کچھ بھی تعرض نہ کیا۔ (ابن اثیر)

اب ابوذرؓ نے آسودہ حال اور متمول لوگوں کے سامنے علانیہ اپنے خیالات کا اظہار شروع کیا وہ سرمایہ داروں سے برملا کہتے تھے کہ اے گروہ اغنیاء! جو فی الحقیقت فقیر و محتاج ہو، حسب ارشادِ خداوندی کل قیامت کے دن تمہارے درہموں اور دیناروں کو آگ میں تپا کر ان سے تمہاری پیشانیوں اور کروٹوں اور پیٹھوں کو داغ دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ وہ ہے جس کو تم لوگوں نے اپنے واسطے جمع کر رکھا تھا۔ سو اب اپنے جمع کرنے کا مزہ چکھو۔"

حضرات! آپ نے دیکھا کہ جناب ابوذرؓ نے خلوص نیت کے باوجود کس طرح ایک خیال کے پیچھے پڑ کر جرم ناآشنا کلمہ گوؤں کی تشہیر شروع کی۔ دراصل ابوذرؓ کے مزاج میں جیسا کہ مولانا شاہ عبدالعزیزؒ نے محمد بن سیرینؒ اور دوسرے ثقات کی روایت سے لکھا ہے شروع سے خشونت اور زبان کی تلخی پائی جاتی تھی۔ ایک مرتبہ مشرف باسلام ہونے کے تھوڑے دنوں بعد حضرت بلالؓ سے جن کی بزرگی اہل اسلام کی تمام جماعتوں میں مسلّم ہے اُلجھ پڑے اور ان کی والدہ محترمہ کا ناملائم الفاظ میں ذکر کیا۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سخت کلامی کی اطلاع ہوئی تو آپؐ سخت ناخوش ہوئے اور عالمِ غضب میں ابوذرؓ سے خطاب

کر کے فرمایا کہ کیا تم نے بلالؓ کو ان کی والدہ کی طرف سے عار دلائی ؟ بلاشبہ تم ایسے شخص ہو جس میں جاہلیت کی خصلت اب تک موجود ہے ؟

اس کے بعد شاہ عبدالعزیزؒ لکھتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں اہلِ اسلام دولت و ثروت سے مالا مال ہو گئے تھے۔ مہاجرین و انصار میں شاید ہی کوئی متنفس ہو گا جو لاکھوں کا مالک نہ ہو گیا ہو۔ ابوذرؓ نے ...... یہ سمجھ لیا تھا کہ تمام مال کا انفاق فی سبیل اللہ فرض ہے۔ اس لیے انہوں نے بلا استثناء تمام مال داروں کو بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ وہ اپنے دعوے کے ثبوت میں ہر جگہ اور ہر وقت قرآن مجید کی یہی آیت پیش کرتے تھے :۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ	جو لوگ سونے چاندی کو جمع کر رکھتے ہیں اور اس کو فی سبیل اللہ خرچ نہیں کرتے آپ اُن کو عذاب الیم کی اطلاع دے دیجیے۔

حضرت معاویہؓ اور دوسرے صحابۂ کرامؓ نے ان کو بہت سمجھایا کہ اس آیت میں انفاق سے کُل مال دے ڈالنا مراد نہیں بلکہ زکوٰۃ دینا مراد ہے۔ چنانچہ آیتِ میراث و فرائض اس ارادہ پر شاہدِ عدل ہے۔ اگر تمام مال کا انفاق فرض ہوتا تو تقسیم ترکہ کا حکم عبث و بے محل تھا۔ لیکن ابوذرؓ نے کسی کی ایک نہ سُنی اور ہر ایک کے ساتھ سختی کا برتاؤ کرتے رہے۔ (تحفۂ اثنا عشریہ)

آخر یہ سختی اور طعن گوئی ابوذر رضی اللہ عنہ تک محدود نہ رہی بلکہ اس کا دائرۂ عمل غرباء و مساکین تک پھیل گیا۔ وہ بھی ابوذرؓ کی دیکھا دیکھی متمول لوگوں کو طعن و تشنیع کا آماج گاہ بنانے لگے۔ آخر امیر معاویہؓ کے پاس اغنیاء کی شکایتیں بتواتر پہونچنے لگیں کہ نہ صرف ابوذرؓ نے بلکہ ان کی مثال کی پیروی کرتے ہوئے عامۂ مساکین نے بھی ہمارے خلاف زبانِ طعن دراز کر رکھی ہے۔ (ابن اثیر)

اشرفیوں کی تھیلی بھیج کر ابوذرؓ کا امتحان کرنا

یہ دیکھ کر امیر معاویہؓ نے حضرت ابوذرؓ کے صدق و خلوص کو محکِ امتحان پر پرکھنا چاہا۔ چنانچہ سرِ شام ان کے پاس ہزار اشرفیوں کی ایک تھیلی روانہ کی اور پیغام دیا کہ اس کو اپنی ضروریات پر خرچ کیجیے۔" ابوذرؓ کو یہ تھیلی ملی تو انھوں نے راتوں رات یہ زرِ نقد غرباء، مساکین بیواؤں اور غریب ہمسایوں میں تقسیم کر دیا۔ امیر معاویہؓ نے نمازِ صبح سے فراغت پاکر اُس قاصد کو جس کے ہاتھ اشرفیاں بھیجی تھیں بُلا کر حکم دیا کہ جا کر ابوذرؓ سے کہو کہ مجھے خدا کے لیے امیر معاویہؓ کے پنجۂ عذاب سے بچاؤ۔ میں کل شام غلطی سے اشرفیاں فلاں شخص کی بجائے آپ کو دے گیا تھا۔" جب قاصد نے ابوذرؓ کے پاس جا کر اشرفیوں کی واپسی کا مطالبہ کیا تو انھوں نے فرمایا کہ جا کر معاویہؓ سے کہو کہ اشرفیاں تو خرچ ہو گئیں۔ البتہ اگر تین دن کی مہلت دو تو میں حتی الامکان لوگوں سے واپس لے کر پہونچانے کی کوشش کر سکتا ہوں۔" جب قاصد نے جا کر یہ پیغام دیا تو جناب معاویہؓ کو

یقین ہوگیا کہ ابوذر رض جو کچھ کہتے ہیں خلوص نیت سے کہتے ہیں اور اُن کے قول و فعل میں پوری مطابقت ہے۔ لیکن امیر معاویہؓ یہ محسوس کر کے پریشان تھے کہ اگر سرمایہ داری کی مخالفت کا یہ جذبہ اسی طرح نشو و نمو پاتا رہا تو عجب نہیں کہ شام میں کوئی فتنہ اٹھ کھڑا ہو۔ (ابن اثیر)

لیکن اس کے بعد بہت جلد اس مخالفت کا ردِ عمل شروع ہوا۔ لشکریوں نے حضرت ابوذر رض کو جمہور مسلمین کے مسلک کے خلاف پا کر انگشت نمائی شروع کر دی۔ ابوذر رض جہاں کہیں جاتے، لوگ جوق جوق ان کے گرد جمع ہو جاتے اور اس خیال سے آیت وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ باآواز بلند پڑھنے لگتے کہ وہ مشتعل ہو کر ستیزہ کاری اور عربدہ جوئی پر اُتر آئیں۔ چونکہ اسی خیال کا ہر طرف مذاق اڑایا جانے لگا اور طنز و تمسخر ایک صحابی کی شان اور مرتبہ کے لائق نہ تھا، اس لیے حضرت معاویہؓ نے امیر المومنین رض کو صورتِ حال سے مطلع کرنے کا قصد کیا۔

امیر معاویہ رض نے حضرت خلافت مآبؓ کو لکھ بھیجا کہ ابوذرؓ نے ہمارا ناک میں دم کر رکھا ہے۔ پہلے تو وہی تنہا مال داروں کو بُرا کہتے تھے، اب ہر مفلس و قلاش نے کھاتے پیتے لوگوں کے خلاف زبان درازی شروع کر رکھی ہے اور صرف یہی نہیں بلکہ ابوذرؓ اپنے افراط اور مبالغہ انگیزی کی وجہ سے خود بھی .... عام لوگوں کے لیے سامانِ خندہ زنی بنے ہوئے ہیں۔" حضرت امیر المومنین رض نے اس کے جواب میں

لکھا کہ ابوذر رض کو تو پورے احترام کے ساتھ میرے پاس بھیج دو اور دوسروں کو نرمی سے سمجھا بجھا کر اصلاح حال کرو۔ (ابن اثیر و تحفہ)

ابوذر کا امتحان خلافت میں

جب ابوذر رضی اللہ عنہ مدینۃ الرسول پہونچ کر بارگاہِ خلافت میں حاضر ہوئے تو حضرت ذوالنورین رض نے فرمایا ابوذر! تم یہاں میرے پاس رہو۔ دودھ والی اونٹنیاں صبح شام تمہارے دروازے پر حاضر کی جائیں گی۔" لیکن اس سیر چشم بے نیاز نے جواب دیا کہ مجھے ان چیزوں کی حاجت نہیں"! اس کے بعد امیر المومنین رض نے معاویہ رض کے شکوہ سنج ہونے کی وجہ دریافت کی۔ حضرت ابوذر رض نے تمام واقعات بے کم و کاست بیان کر دیے۔ امیر المومنین رض جو ابوذر رض کے شمیمِ زہد کے رائحہ شناس تھے، فرمانے لگے اے ابوذر! میں تمہارے زہد و قناعت، تقویٰ، نیک کرداری اور رجوع الی اللہ کا دل سے معترف ہوں۔ لیکن یہ بات بالکل غیر ممکن ہے کہ تم عامۃ الناس کو بھی زہد و ورع کا اس سختی سے پابند کر سکو جس طرح تم چاہتے ہو۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ وہ لوگ شریعتِ غرا کے خلاف کوئی کام نہ کرنے پائیں اور میں ان کو حتی الامکان صراطِ مستقیم پر چلانے کی کوشش کرتا ہوں اور ان شاء اللہ آیندہ بھی کرتا رہوں گا۔"

ابوذر رض کہنے لگے واللہ! میں تو نگروں اور سرمایہ داروں سے اُس وقت تک راضی نہ ہوں گا جب تک داد و دہش کو اپنا روزمرہ کا شغل نہ بنائیں اور اپنا تمام اندوختہ اور مال و اسباب اپنے ہمسایوں، دوستوں

اعزّہ واقارب اور فقرا۔ ومساکین کے لیے وقف نہ کردیں۔ (ابن اثیر، ابن خلدون وغیرہما)

احنف بن قیس کا بیان ہے کہ میں مہاجرینِ قریش کی ایک جماعت میں بیٹھا تھا۔ اتنے میں ایک آدمی نے جس کے بال اور کپڑے اور ہیئت کثیف تھی، آکر سلام کیا اور بولا، خزانہ جمع کرنے والوں کو سُنادو کہ کنکری آتشِ جہنم میں گرم کرکے پستان پر رکھی جائے گی یہاں تک کہ وہ پیٹھ کی طرف نکل جائے گی۔ پھر دوسری کنکری پیٹھ پر رکھی جائے گی جو پستان سے نکل جائیگی۔" یہ کہہ کر وہ شخص ستون کے پاس جاکر بیٹھ گیا۔ میں بھی اس کے پاس جا بیٹھا لیکن اس کو پہچانتا نہیں تھا۔ میں نے کہا کہ تمہاری بات لوگوں پر شاق گزری ہے؟ کہا یہ لوگ حقیقتِ حال کو نہیں سمجھتے۔ مجھ سے میرے دوست نے کہا تھا۔ میں نے پوچھا کون دوست؟ کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس کے بعد کہا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھ سے فرمایا تھا کہ اے ابوذر! کوہِ اُحد کو دیکھتے ہو؟ میں نے آفتاب کی طرف دیکھا کہ کتنا دن باقی رہ گیا ہے کیونکہ میں یہ سمجھا کہ آپؐ مجھے کسی کام کے لیے کوہِ احد پر بھیجنا چاہتے ہیں۔ میں نے التماس کی ہاں یا رسول اللہ! آپؐ نے فرمایا کہ اگر کوہِ اُحد کے برابر بھی میرے پاس سونا ہو تو میری خواہش ہے کہ اس کو فی سبیل اللہ خرچ کردوں یہاں تک کہ اس میں سے تین دینار بھی میرے پاس باقی نہ رہ جائیں۔" یہ لوگ نہیں سمجھتے۔ بس دنیا بٹورنے میں مصروف ہیں۔ (بخاری)

مدینہ منورہ کے عوام الناس سن چکے تھے کہ شامی اوباش ابوذرؓ سے

کیا سلوک کرتے رہے ہیں۔ یہاں کے ظریف الطبع لوگوں اور بازاری لونڈوں نے بھی حضرت ابوذر رضؓ کا پیچھا کیا۔ وہ جہاں جاتے، یہ لوگ آیت وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ پڑھ کر اس کے معنیٰ پوچھنے لگتے یہاں تک کہ بازاری عوام کو ایک دل چسپ مشغلہ ہاتھ آگیا۔ (تحفۂ اثنا عشریہ)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ کا ذکر

اس اثنا میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ جو بالقطع مُبَشَّر بالجنۃ اور دس یقینی جنتی اصحاب میں سے تھے، رحلت فرمائے عالمِ بقا ہوئے۔ حضرت عبدالرحمٰن رضؓ بڑے متمول اور فیض گستر بزرگ تھے۔ اُن کی فیاضی اور تموّل کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ انہوں نے دو مرتبہ چالیس چالیس ہزار دینار راہِ خدا میں وقف کیے۔ ایک جہاد کے موقع پر پانسو گھوڑے اور پانسو اونٹ سرکارِ رسالت میں پیش کیے۔ (اسد الغابہ) ایک مرتبہ اپنی زمین چالیس ہزار دینار میں حضرت عثمان رضؓ کے ہاتھ فروخت کی اور پھر یہ ساری رقمِ خطیر راہِ خدا میں لٹا دی۔ ایک انصاریہ سے شادی کی تو بیس ہزار دینار مہر میں دیے (ابن سعد) سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جناب ابنِ عوف رضی اللہ عنہ مختلف مواقع پر امہات المومنین رضی اللہ عنہن کی خدمت میں بڑی بڑی رقمیں پیش کرتے رہے۔ ان رقوم کے علاوہ امہات المومنین کے لیے ایک جائداد بھی وقف کی جو آئندہ چل کر چالیس ہزار دینار میں فروخت ہوئی تھی۔ وفات کے وقت ایک ہزار گھوڑے اور پچاس ہزار درہم فی سبیل اللہ وقف کیے۔

اور اصحابِ بدر میں سے ہر ایک کے لیے چار چار سو دینار زرِ سرخ کی وصیت کی۔ اس وقت قریباً ایک سو اصحابِ بدر بقیدِ حیات موجود تھے۔ سب نے اس وصیت سے فائدہ اٹھایا۔ رحلت کے وقت امہات المومنین کے لیے ایک بہت بڑے عظیم الشان باغ کی بھی وصیت کر گئے جو آیندہ چار لاکھ درہم میں ~~فروخت~~ ہوا۔ وفات سے پہلے ایک ہزار گھوڑے اور پچاس ہزار درہم بھی راہِ خدا میں وقف کیے۔

حضرت عبد الرحمٰن رض رفاہِ عام اور فائدۂ انام کے کاموں میں زرِ خطیر صرف کرنے کے باوجود نہایت بے بہا دولت چھوڑ گئے جو ورثا میں تقسیم ہوئی۔ ان کے ترکہ کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ چاروں بیویوں کو شرعی تقسیم کے بموجب ترکہ کا صرف آٹھواں حصہ ملا تو ہر ایک بیوی کے حصے میں اسّی اسّی ہزار درہم آئے۔ سونے کی اینٹیں اتنی بڑی بڑی تھیں کہ کلہاڑوں اور تیشوں سے کاٹتے کاٹتے لوگوں کے ہاتھوں میں آبلے پڑ گئے۔ غیر منقولہ جائداد اور زرِ نقد کے علاوہ ایک ہزار اونٹ، سو گھوڑے اور تین ہزار بکریاں چھوڑیں۔ (اسد الغابہ)

الغرض ظرافت پسند جوانوں نے ایک مجلس میں حضرت عبد الرحمٰن رض کے غیر معمولی متروکات کا تذکرہ حضرت ابوذر رض کے سامنے چھیڑ دیا۔ ابوذر رض اپنی معتاد جذبہ اور تشدد پسندی سے کام لے کر اور حضرت ابن عوف رضی اللہ عنہ کی شان میں مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت سے خالی الذہن ہو کر فوراً ہی کہنے لگے کہ عبد الرحمٰن رض اتنی دولت چھوڑ جانے

کی وجہ سے (معاذ اللہ) معرضِ خطرہ میں ہیں۔

کعبِ احبارؓ کو زد و کوب

اس وقت کعب احبارؓ بھی جو یہود کے بڑے ممتاز اور نامور علماء میں تھے اور عہدِ فاروقی میں مشرف باسلام ہو کر یمن سے مدینہ منورہ چلے آئے تھے، اِس مجلس میں موجود تھے۔ چونکہ ابوذرؓ کا...... فتویٰ غیر مالِ اللہ شانہ اور نصِ نبوی کے بظاہر خلاف تھا، کعبؓ بولے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ کی نسبت یہ خیال غلط فہمی پر مبنی ہے۔ جس شخص نے فرائضِ خداوندی ادا کر دیے، اُس نے گویا تمام حقوق ادا کر دیے"۔ اس بیان کا منشاء و مفہوم یہ تھا کہ جو شخص اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کر دیتا ہے، اُس کو زر اندوزی میں کوئی گناہ نہیں۔ اس کے بعد کعبؓ نے کہا کہ ملتِ حنیفی تو تمام ملتوں سے زیادہ سہل اور زیادہ وسیع ہے لیکن دینِ یہود میں بھی جو زیادہ سخت گیر ملتوں میں سے ہے، سارے مال کا راہِ خدا میں خرچ کرنا واجب نہیں۔ پس ملتِ اسلام میں سارے مال کا انفاق فی سبیل اللہ کس طرح واجب ہوگا؟"

یہ سن کر حضرت ابوذرؓ کو بہت زیادہ غصہ آیا اور ناراضگی میں کعبؓ سے کہنے لگے کیوں بے ...... تو اس سلسلے میں میرے سامنے لب کشائی کرتا ہے؟ اور کعبؓ کے مارنے کو عصا اٹھایا۔ کعب بھاگ کھڑے ہوئے اور سیدھا دارِ خلافت کا رُخ کیا۔ ابوذرؓ بھی ان کے تعاقب میں گئے۔ یہاں تک کہ دونوں حضرات جناب خلافت مآبؓ کی مجلس میں پہونچے۔ کعب احبار نے خوف زدہ ہو کر امیر المومنینؓ کے پیچھے جا پناہ لی۔

ابوذرؓ نے دیوانہ وار اندھادھند لاٹھی چلادی کہتے ہیں کہ لاٹھی کی ضرب امیر المومنینؓ کے پائے مبارک پر بھی لگی۔ یہ دیکھ کر حضرت ذوالنورینؓ نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ کعب کو بچاؤ۔ ابوذر اس وقت بدحواس اور بے خود ہیں۔ مبادا ان کی جاں ستانی کا موجب بنیں۔ امیر المومنین کے غلاموں نے ابوذرؓ کو آہستگی سے علیحدہ کرکے ان کے مکان پر پہنچادیا۔ (تحفہ)

دوسری روایت میں، ابوذرؓ نے لاٹھی اٹھانے سے پہلے کہا کہ حضرت امیرؓ انام صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ فرمایا تھا کہ میرے پاس اُحد پہاڑ کے برابر بھی سونا ہو اور اس کو فی سبیل اللہ خرچ کروں تو میں نہیں چاہتا کہ اس میں سے ایک اوقیہ بھی پس انداز کرجاؤں۔ (مسند احمد)

عہدِ حاضر کے اشتراکیوں کو اپنی اشتراک پسندی پر بڑا ناز ہے۔ لیکن اُن کی اشتراکیت محض زبانی ہے۔ یہ لوگ اشتراک و مساوات کی روح سے بالکل بے گانہ و ناآشنا ہیں۔ صحیح معنی میں اشتراکی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ تھے۔ اور عجب نہیں کہ زمانۂ موجودہ کے اشتراکیوں نے حضرت ابوذرؓ ہی کے خیالات و میلان کو دلیلِ راہ بنا کر اپنے مسلک کی کمزور سی عمارت کھڑی کی ہو۔ حضرت ابوذرؓ جن کو ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح الاسلام کا خطاب دیا تھا ہر وقت برملا کہتے تھے کہ کسی مسلمان کے لیے زر اندوزی جائز نہیں اور لازمی ضروریاتِ زندگی سے زیادہ دولت جمع کرنا قطعاً حرام ہے۔"

لیکن یاد رہے کہ گو اسلام نے زکوٰۃ ادا کرنے والوں کے لیے سرمایہ داری کی

کوئی ممانعت نہیں فرمائی، مگر اس میں بھی شک نہیں کہ ملتِ مصطفوی
(علیٰ صاحبہا التحیۃ والسلام) اپنے پیرووں کے لیے بے تکلف اور سادہ
زندگی ہی کی طلب گار ہے۔ اسلام کی اصل سادگی حضرت عثمان رض کے
شروع زمانے تک قائم رہی لیکن جب فتوحات کی کثرت اور اموالِ
غنیمت کی فراوانی کے باعث مسلمانوں کو بیت المال سے بہت بڑی بڑی
رقمیں بطور وظیفہ ملنے لگیں اور تجارت و زراعت کی ترقی نے دارالاسلام کو
فارغ البالی اور عیش و راحت کا گہوارہ بنا دیا تو نتیجہ یہ ہوا کہ مادی تمدن کے
تکلفات تدریجاً اسلامی سادگی کی جگہ لینے لگے۔ خصوصاً شام میں جہاں سے
حضرت ابوذر رض حال میں مراجعت فرما ہوئے تھے، عیش و تنعم کے اور زیادہ
تکلفات پیدا ہو گئے تھے۔ کیونکہ شام کی سرحدیں عیسائیوں سے ملتی
تھیں، جن کی آمد و رفت اور میل جول سے مسلمان بھی دنیاوی تجمل و زیبائش کے
خوگر ہونے لگے تھے اور حضرت ابوذر غفاری رض جو اپنی طرح تمام اربابِ ایمان
کے دلوں کو مال و منال کی محبت سے بے اثر دیکھنے کے خواہشمند تھے، نبوت
کے عہدِ سعادت اور شیخین کے ایامِ خلافت کی سادگی اور بے تکلفی کو یاد کر کے
اور موجودہ کثرتِ ثروت و تعیشات کو دیکھ دیکھ کر کفِ افسوس ملتے تھے۔ وہ یہ
دیکھ کر بھی انگشت بدنداں تھے کہ مرکزِ اسلام ہونے کے باوجود مدینہ منورہ بھی
زمانہ نبوی اور عہدہائے صدیقی و فاروقی کی سادگی سے محروم ہو چکا ہے۔
اور دینِ الٰہی کی حقیقی روح امتدادِ زمانہ سے فرسودہ ہونے لگی ہے۔

ربذہ میں قیام | جب کعب احبار پر حملہ آور ہونے کے بعد حضرت ابوذر کا

طوفانِ خشم پر سکون ہوا تو سوچنے لگے کہ انہیں کیا کرنا چاہیے۔ ایک تو انہیں جمہور مسلمین سے اختلاف رائے تھا۔ نہ یہ کسی سے خوش تھے اور نہ کوئی ان سے خوش تھا۔ دوسرے بازاری لفنگوں نے ہر وقت مذاق اڑا اڑا کر ناک میں دم کر رکھا تھا۔ تیسرے مدینہ منورہ آکر انہوں نے دیکھا تھا کہ اس کی وسعتِ آبادی سلع تک پہونچ گئی ہے۔ ان وجوہ سہ گانہ کی بنا پر خیال ہوا کہ مدینہ منورہ سے نقلِ مکان کرنا مناسب ہے خصوصاً اس وجہ سے کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اُس وقت مدینہ سے چلے جانے کا حکم دیا تھا جب تعمیر مکانات کا سلسلہ سلع تک پہونچ جائے (ابن اثیر و ابن خلدون)

یہ سوچ کر ابوذر رض بارگاہِ خلافت میں حاضر ہوئے اور التماس کی امیر المومنین! گو میرے نزدیک یہی صحیح ہے کہ ہر مسلمان پر زادِ معاد سے زاید سارا مال خرچ کر دینا واجب ہے لیکن جدھر جاتا ہوں شامیوں کی طرح اہل مدینہ بھی ہر جگہ میرا تعاقب کرتے ہیں اور میرے ساتھ وہی سلوک کرتے ہیں جو دیوانوں اور مخبوط الحواسوں سے کیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا تھا کہ جب تعمیر مکانات کا سلسلہ سلع تک پہونچ جائے تو اس وقت مدینہ سے چلے جانا۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ اِس وقت مدینہ کی آبادی سلع تک پہونچ چکی ہے۔ ان حالات میں میرے حق میں کیا اصلاح ہے؟ حضرت عثمان رض نے فرمایا کہ اگر مدینہ سے جانے کی مرضی ہے تو مضافات کے کسی قصبہ میں جا کر اقامت گزیں ہو جاؤ۔ ابوذر رض نے کہا ہاں صلاح وقت یہی ہے کہ

کہیں چلا جاؤں ؎

کنوں نیست ایں شہر جائے درنگ
جہاں گشت بر مردِ بیدار تنگ

چنانچہ امیر المومنین سے رخصت ہو کر ربذہ جانے کے لیے رختِ سفر باندھا۔ حضرت خلافت مآب رض نے ایک خدمت گار اور دو اونٹ عطا فرمائے اور ضروریاتِ زندگی کے لیے کچھ وظیفہ مقرر کر دیا۔ (ابن اثیر و ابن خلدون)

جب حضرت ابوذر رض ربذہ پہنچے تو اُس وقت وہاں کا عامل امیر المومنین رض کا ایک غلام تھا۔ وہی مسجد میں نماز پنج گانہ کی امامت کرتا تھا۔ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو وہ حضرت ابوذر رض کو آگے بڑھا کر نماز پڑھانے کی درخواست کرتا کہ آپ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی مجھ سے کہیں افضل و بہتر ہیں اس لیے امامت آپ ہی کے شایانِ شان ہے۔" لیکن ابوذر رض کہتے کہ تم حضرت عثمان کے نائب ہو اور عثمان مجھ سے افضل و برتر ہیں اور کسی کا نائب اُسی کے حکم میں ہوتا ہے، اس لیے لازم ہے کہ تم ہی امامت کرو۔" چنانچہ امام غلام ہوتا اور ابوذر رض اُس کا اقتدا کرتے (تحفہ)

حضرت ابوذر رض نے ربذہ میں ایک مسجد بھی تعمیر کرائی اور یہیں اپنی حیات مستعار کا باقی ماندہ دور ختم کر کے محنت سرائے دنیا سے رخصت ہوئے۔

(ابن اثیر)

پیروانِ ابن سبا نے امیر المومنین حضرت عثمان ذوالنورین کے خلاف جرائم کی جو فردِ قرار دادِ مرتب کر رکھی ہے، اُس میں ایک الزام یہ بھی ہے کہ

انھوں نے حضرت ابوذر غفاری رض کو مدینہ منورہ سے خارج کر دیا تھا، حالانکہ خود ابوذر رض نے چلے جانے کی خواہش کی تھی اور امیر المومنین نے قرینِ مصلحت دیکھ کر اس کی اجازت دے دی تھی۔ اور اگر بالفرض حضرت عثمان رض نے خارج البلد ہی کر دیا تھا تو بھی کچھ محلِ طعن نہیں۔ جن امور سے دین کے مقررہ اصولوں میں فتور پڑے، یا رعایا برایا میں بے چینی پیدا ہو، اُن کی بنا پر کسی شخص کو شہر بدر کرنا بعید از عقل و قیاس اور خلافِ انصاف نہیں۔

فصل ۶۱

حضرت ابوذر رض کے زاہدانہ مسلک پر ایک نظر

فصل سابق میں لکھا گیا تھا کہ حضرت ابوذر غفاری رض مال و دولت جمع کرنے کو ناروا ٹھیراتے تھے۔ اور اگر بیان کردہ روایت صحیح ہے کہ وہ کعب احبار کو محض اتنا کہنے پر مار بیٹھے تھے کہ اگر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رض نے اپنے سرمایہ سے حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کیے تو ان کی دولتمندی پر من جانب اللہ کوئی مواخذہ نہیں۔ چونکہ یہ ایک نہایت معرکۃ الآراء مسئلہ ہے اور شیرانِ[1] سبّ و دشنام، امیر المومنین حضرت عثمان غنی رض کی ثروت و غنا پر بھی طعن و تشنیع کی خاک اُڑایا کرتے ہیں، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ کو

---

[1] سب و شتم میں ماہر فرقہ ۱۲

ایک مستقل فصل میں منضم و مبرہن کردیا کر دیا جائے۔

علمائے شریعت اور کبرائے طریقت میں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ مسلمان کے لیے مالِ حلال کی فراہمی اور اسبابِ ثروت و غنا کی تحصیل افضل ہے یا نادار و تہی دست رہنا۔ علمائے امت حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرتے رہنے کی شرط پر مال حلال میں ترقی کرنے کو افضل قرار دیتے ہیں اور اکثر صوفیہ زخارفِ دنیا کی طرف التفات کرنا مذموم خیال کرتے ہیں۔ صوفیۂ کرام کے سوانح حیات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زر و مال سے خواہ وجہ حلال سے پیدا ہوا ہو دست بردار رہتے تھے اور ہمیشہ بساطِ فقر پر بیٹھے رہنا ہی اصل اسلامی شعار سمجھتے تھے یہاں تک کہ ابو عبد اللہ مقری نام ایک صوفی کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہیں میراث میں بیش بہا اثاث البیت، مختلف قسم کے ساز و سامان اور زمین کے علاوہ پچاس ہزار دینار زر سرخ نقد ملے۔ انہوں نے یہ ساری دولت اور سر و سامان اور زمین فقرا و مساکین میں تقسیم کر دی۔ اگر کوئی شخص اپنی ضروریاتِ زندگی کے لیے کچھ سرمایہ بچا کر فالتو زر و مال خیرات کر دے یا کوئی ایسا پیشہ آتا ہو جس کے باعث اسے لوگوں کا محتاج نہ ہونا پڑے یا اس کا مال حرام یا مشتبہ ہو تو مال کے جدا کرنے میں شرعاً کوئی قباحت و ملامت نہیں۔ لیکن اگر کوئی اپنا سارا مالِ طیب علیحدہ کر کے لوگوں کا دستِ نگر ہو جائے یا اس کے اہل و عیال مفلس و قلاش ہو جائیں تو ایسی خیرات شرعاً سخت مذموم ہے۔

باوجودیکہ امام محمد غزالی ماہرِ شریعت کے راز دان اور حکیم الامت تھے لیکن تصوف کا طریقہ اختیار کرنے کے بعد اُن پر یہ رنگ ایسا چڑھا کہ وہ بھی ترکِ مال کی ضرورت کے قائل ہو گئے۔

شیخ حارث محاسبیؒ کی رائے

ایک صوفی المشرب بزرگ شیخ حارث محاسبیؒ نے زراندوزی اور سرمایہ داری کو خواہ اُس کا سرچشمہ کیسا ہی پاک، طیّب کیوں نہ ہو اور اُس سے زکوٰۃ و صدقات، خیرات و مبرات، بذل و عطا اور فیض رسانیٔ خلق کا کتنا ہی وسیع کاروبار کیوں نہ جاری ہو، مذموم خیال کیا ہے۔ امام محمد غزالیؒ نے ترکِ مال کی تائید میں شیخ حارث محاسبی رحمہ اللہ کی ایک طویل عبارت نقل کی ہے جو ذیل میں درج کی جاتی ہے۔ شیخ ممدوح لکھتے ہیں:—

اے مفتونو! اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ مالِ حلال کا جمع کرنا اُس کے چھوڑ دینے سے اعلیٰ و افضل ہے، تو گویا تم نے سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کو عیب لگایا اور یہ گمان کیا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کا علم رکھتے ہوئے کہ مال جمع کرنا امت کے حق میں بہتر ہے، امتِ اسلامیہ کو جمعِ مال کی ممانعت فرما کر اس کی بدخواہی کی۔ اور لکھتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ وغیرہ صحابہ کے مالدار ہونے سے استدلال کرنا تمہارے لیے کچھ مفید نہیں کیونکہ قیامت کو عبدالرحمٰن بن عوفؓ آرزو کریں گے کہ کاش! انہیں دنیا میں بقدرِ کفاف ہی ملا ہوتا۔

مجھ کو حدیث پہونچی ہے کہ جب عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ نے وفات پائی تو اصحابِ
رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں سے بعض حضرات باہم کہنے لگے کہ اتنا کثیر ترکہ
چھوڑ جانے پر ہمیں عبدالرحمٰن کا مستقبل مخدوش نظر آتا ہے۔ کعب احبار
نے کہا کہ عبدالرحمٰن کو کسی قسم کا خطرہ نہیں۔ انہوں نے طیب مال کمایا اور پاک
جگہ خرچ کیا۔ جب ابوذر رضؓ نے کعبؓ کا یہ بیان سنا تو غضب ناک ہو کر
کعب کی تلاش میں نکلے۔ سرِ راہ اونٹ کے جبڑے کی ہڈی پڑی پائی۔
اُس کو اٹھا لیا۔ کسی نے جا کر کعب سے کہا کہ ابوذر تمہاری تلاش میں ہیں۔
وہ بھاگ کر امیر المومنین حضرت عثمان رضؓ کے پاس پہونچے اور صورتِ حال
عرض کی۔ ابوذر رضؓ بھی ان کے نقشِ قدم پر وہاں پہونچ گئے۔ کعب ان کو اس
ہیئت میں دیکھ کر سہم گئے اور جھٹ حضرت عثمان رضؓ کے پیچھے جا بیٹھے۔ ابوذر
اُن سے کہنے لگے اے یہودیہ کے بچے! ذرا کھڑا ہو کر سامنے تو آ۔ کیا تیرے
خیال میں اتنا ترکہ چھوڑنے پر بھی عبدالرحمٰن بن عوف عاقبت کی باز پرس
سے مامون ہیں؟ حالانکہ ایک مرتبہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ابوذر رضؓ
سے فرمایا تھا کہ جو لوگ دنیا میں جس قدر زیادہ مال دار ہوں گے وہ قیامت
کے دن اسی قدر زیادہ محتاج ہوں گے۔ سوا اُس شخص کے جس نے اپنا مال
دونوں ہاتھوں سے لٹایا ہو گا۔ اس کے بعد سرورِ انبیا صلی اللہ علیہ وسلم
نے مجھ سے فرمایا اے ابوذر! تم تونگری چاہتے ہو اور میں افلاس کا متمنی ہوں۔
غرض ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فقر و احتیاج کے آرزومند تھے اور تو اے
یہودیہ کے بیٹے! کہتا ہے کہ اتنی جائداد چھوڑ جانے کے باوجود عبدالرحمٰن رضؓ کا

مستقبل تاریک نہیں تو سخت جھوٹا ہے اور جس نے تیری ہم نوائی کی وہ بھی دروغ گو متفنی ہے۔ کعب نے ان باتوں کا کچھ جواب نہ دیا اور ابوذر رض عالم غیظ پر واپس چلے آئے۔ حارث رح لکھتے ہیں کہ عبدالرحمٰن رض باایں ہمہ فضل و کمال عرصاتِ قیامت میں ٹھیرے رہیں گے اور گو انہوں نے فی سبیل اللہ ہجرت کی اور جو مال جمع کیا وہ حصولِ تقویٰ کے لیے بطریقِ حلال حاصل کیا، تاہم فقراء مہاجرین کے ساتھ جنت میں نہ جانے پائیں گے بلکہ ان کے پیچھے گھٹنوں کے بل چلیں گے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ حالت تھی کہ جب اُن کے پاس کچھ نہ ہوتا تھا تو خوش ہوتے تھے مگر تم اس کے برعکس ذخیرہ رکھتے ہو اور افلاس کے ڈر سے جمع کرتے ہو حالانکہ یہ حرکت رزاق سُبحانہٗ کے ساتھ سوءِ ظن رکھنے اور اُس ذاتِ برتر کے ضامنِ رزق ہونے پر شک رکھنے کو مستلزم ہے اور انسان کو یہی ایک گناہ کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ سوءِ ظن رکھے۔ اور شاید تم حظوظِ فانیہ اور دنیاوی زیب و زینت کے لیے مال و دولت جمع کرتے ہو لیکن تم کو حدیث پہونچی ہے کہ حضور سرورِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی دنیا کے فوت ہونے پر رنج و تاسف کرے، وہ سال بھر کی راہ دوزخ سے قریب ہو جاتا ہے اور تمہاری یہ حالت ہے کہ ذرا سی چیز کی گم شدگی پہ دستِ تاسف ملنے لگتے ہو اور عذابِ الٰہی کے نزدیک ہونے کی مطلق پروا نہیں کرتے۔ وائے تم پر! بھلا کیا تم اپنے زمانے میں اس طرح حلال کو پا سکتے ہو جس طرح صحابہ رض نے پایا؟ اور دنیا میں اب حلال وہ مِی کہاں گیا ہے کہ جس کو تم جمع کرو۔ دیکھو میں تم کو سمجھاتا ہوں کہ جس قدر بہم پہونچ جائے، اسی پر قناعت کرو

اور زادِ آخرت فراہم کرنے کا ذریعہ خیال کرکے بھی ہرگز مال جمع نہ کرو۔ کسی نے بعض اہل علم سے اُس شخص کی نسبت دریافت کیا تھا جو رفاہِ عام کے کاموں پر زرو مال خرچ کرتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ترکِ مال سب سے بہتر کام ہے۔ اور ہم نے سُنا ہے کہ بعض خیار تابعین سے دو شخصوں کے متعلق سوال کیا گیا۔ جن میں سے ایک نے بطریقِ حلال دنیا طلب کی اور سرمایہ جمع کرکے صدقہ و خیرات اور صلۂ رحمی کا حق ادا کیا اور مال و زر کو توشۂ آخرت کا وسیلہ بنایا اور دوسرے نے دنیا سے علیحدگی اختیار کی۔ نہ اس کو طلب کیا اور نہ راہِ خدا میں کچھ خرچ کیا۔ ان دونوں میں کون افضل ہے؟ تابعی بزرگ نے جواب دیا کہ جو شخص دنیا سے علیحدہ رہا وہ مرتبہ میں دوسرے سے اس قدر افضل ہے جتنا کہ مشرق و مغرب میں فرق ہے۔

امام غزالی محاسبیؒ کی تائید میں امام محمد غزالی رح نے شیخ حارث محاسبی رحمۃ اللہ کی متذکرۂ صدر تحریر نقل کرکے اس کی پُرزور تائید کی ہے اور ثعلبہ کی اُس حدیث سے اُن کے بیان کو تقویت دی ہے کہ ثعلبہ کو مال ملا تو اُس نے زکوٰۃ نہ دی۔ امام غزالی رح فرماتے ہیں کہ جو کوئی انبیاء و اولیاء کے اقوال و افعال پر غور کرے گا اس کو اس امر میں قطعاً شک نہ رہے گا کہ مال کے ہونے سے اس کا نہ ہونا افضل ہے اگرچہ کارہائے خیر میں کیوں نہ خرچ کیا جائے کیونکہ تحصیلِ مال اور اس کے خرچ کے جھمیلوں میں پڑکر اُس کا دل ذکرِ الٰہی سے اچاٹ اور برطرف ہو جائے گا۔ اس لیے مرید کا فرض ہے کہ زرو مال سے علیحدگی اختیار کرلے یہاں تک کہ صرف

اتارہ جائے جس کا موجود رہنا قوام معیشت کے لیے ناگزیر ہے۔ اگر اس کے پاس ایک درم بھی ایسا باقی رہے گا جس کی طرف اس کا دھیان بٹے تو وہ اللہ تعالےٰ سے محجوب ہوگا۔"

ابن جوزیؒ کی طرف سے دونوں کی تردید

لیکن امام علامہ ابن جوزی نے شیخ حارث محاسبیؒ اور امام غزالیؒ دونوں کے بیانات کی پُرزور تردید کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ محاسبی اور ابو حامد کے یہ بیانات عقل اور شرع دونوں کے خلاف اور سوءِ فہم کا نتیجہ ہیں۔ وہ دونوں حضرات اس بات کو نہیں سمجھ سکے کہ مال سے کیا مراد ہے؟ لیکن میرے نزدیک حارث محاسبی اس بارے میں ابو حامد سے زیادہ معذور ہیں کیونکہ ابو حامد گو بڑے فقیہ تھے تاہم تصوف کا رنگ اختیار کرنے کے بعد وہ اہل تصوف کے ہم آہنگ ہوگئے۔

زر و مال کا شرف تو یہیں سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو عظیم القدر بنایا اور اس کی حفاظت و نگہداشت کا حکم دیا کیونکہ حیاتِ انسانی کا قوام مال ہی کی بدولت ہے اور ظاہر ہے کہ انسان اشرف المخلوق ہے۔ پس جو چیز شریف کے لیے باعثِ قیام و حیات ہے وہ بھی لازماً شریف و مکرم ہوگی۔ حق تعالیٰ اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے:۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا

تم اپنے مال جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے باعثِ قیام بنایا ہے، بے وقوفوں کے ہاتھ میں مت دو۔

ایک اور آیت میں بھی رب العالمین عز اسمہٗ نے سنِ رُشد سے پہلے نابالغوں کو مال سپرد کرنے کی ممانعت کی۔ چنانچہ فرمایا۔

فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا — جب تم ان (یتیموں) کو دیکھو کہ اچھی طرح
فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ — سمجھ دار ہو گئے تو ان کے مال ان کو دے دو

صحیح حدیثوں میں حضور خلاصۂ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے اضاعتِ مال (مال ضائع کرنے) سے منع فرمایا اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ کو ارشاد فرمایا کہ اپنے وارثوں کو خوش حال چھوڑ مرنا اس سے کہیں بہتر ہے کہ اُن کو اس حالت میں چھوڑ جاؤ کہ محتاجوں اور اہلِ فلاکت کے زمرے میں داخل ہو کر لوگوں کے سامنے دستِ سوال پھیلاتے پھریں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ مجھ کو ابو بکر کے مال سے بڑھ کر کسی کے مال نے نفع نہیں دیا۔ حضرت عَمرو بن عاص رضؓ کا بیان ہے کہ مجھ کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بُلوا بھیجا اور حکم دیا کہ کپڑے پہن کر اور ہتیار سج کر میرے پاس آؤ۔ میں مسلح ہو کر حاضر خدمت ہوا۔ ارشاد فرمایا کہ میں تم کو ایک لشکر پر حاکم بنا کر بھیجتا ہوں حافظِ حقیقی تم کو سلامت رکھے گا اور غنیمت عطا فرمائے گا۔ نیک نیتی کے ساتھ جس قدر خواہش ہو مال لے لینا۔ میں نے التماس کی یا رسول اللہ! میں کچھ مال کی خواہش سے اسلام نہیں لایا بلکہ اسلام کی محبت و شیفتگی نے مجھے حلقۂ ایمان میں داخل کیا ہے۔ آپ نے فرمایا اے عمرو اصلاح یافتہ مال صالح آدمی کے لیے بہت بہتر ہوتا ہے۔

حضرت انس بن مالک کا بیان ہے کہ حضور خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم نے

میرے لیے خیر و برکت کی دعا کی۔ اس دعا کے آخری الفاظ یہ تھے، خدایا!
انس کے مال اور اولاد میں ترقی دے اور اس میں برکت ڈال۔ اسی طرح
مروی ہے کہ حضرت کعب بن مالک صحابی، غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئے
تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن پر عتاب فرمایا تھا۔ آخر جب اُن کی توبہ
قبول ہوئی تو انہوں نے بارگاہِ رسالت میں گذارش کی یا رسول اللہ!
میں قبولِ توبہ کی خوشی میں چاہتا ہوں کہ اپنا تمام مال صَرفِ خدا میں صرف
کر دوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ سارا نہیں بلکہ کچھ مال اپنے پاس بھی رہنے دو یہ تمہارے
حق میں بہتر ہوگا۔

جمع مال کی آفتیں اور حُسنِ نیت کا ثواب

ابن جوزی رح فرماتے ہیں کہ یہ حدیثیں صحاح میں موجود ہیں اور صوفیہ کے مسلک کے خلاف
ہیں کیونکہ ان کے زعم میں مال و دولت کی کثرت حجاب و عذاب اور مال کا
جمع کرنا توکل کے منافی ہے۔ اس سے تو انکار نہیں ہو سکتا کہ مال و دولت
کی فراوانی کے ساتھ دل کا یادِ آخرت میں مشغول رہنا قلیل الوقوع ہے۔
اسی بنا پر بہت سے اکابر نے مال و دولت کی طرف بے التفاتی کی ہے۔
اس کے علاوہ حلال طریقے سے تحصیلِ مال کے مواقع بھی کم ہیں۔ لیکن بایں
ہمہ بقدرِ کفاف حلال مال حاصل کرنا حیاتِ انسانی کے لیے ایسا ہی
ضروری ہے کہ جس سے کسی بشر کو چارہ نہیں۔ جو شخص وجوہِ حلال سے مال
جمع کر کے اپنے سرمایہ کو ترقی دینے میں کوشاں ہو، ہم اس کے مطمحِ نظر پر

غور کریں گے۔ اگر کوئی شخص مفاخرت اور بڑائی کی نیت سے مال و دولت کی ترقی چاہتا ہے تو یہ قبیح اور ناپاک مقصد ہے۔ اس قسم کے مقاصد نفسانیہ سے مسلمانوں کو بچنا چاہیے۔ اور اگر جمع مال سے عفاف نفس اور اہل و عیال کا تحفظ منظور ہو کہ حوادث دہر سے تباہ و خستہ نہ ہوں یا تقدیم خیرات و اداء حسنات منظور ہو یا یہ مقصود ہو کہ اس مال سے محتاجوں کی امداد کرے گا، دینی ضروریات کا کفیل ہو گا، خدمت خلق اور رفاہ عام کے کام سر انجام دے گا تو یہ نیت محمود ہے۔ اس قصد و نیت پر اُس کو ثواب ملے گا۔ اس خیال سے مال جمع کرنا بہت سی عبادتوں سے افضل ہے۔

فراہمی سرمایہ میں صحابہ کرام کا حسن نیت

مال جمع کرنے میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نیتیں بالکل سلیم اخلاص کے پاک تھیں۔ انہوں نے اپنے حسن مقاصد کے پیش نظر مال کی خواہش کی اور اس کے فروغ و ترقی میں ساعی رہے۔ سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیرؓ کے لیے کچھ زمین اُن کے گھوڑے کا حصہ مقرر فرمائی تھی جسے بر یکتے تھے۔ حضرت زبیرؓ نے اپنا گھوڑا دوڑایا۔ جب وہ دوڑتے دوڑتے کھڑا ہو گیا تو جناب زبیرؓ نے اپنا کوڑا آگے کو پھینک دیا۔ رسول انام صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جہاں تک ان کا گھوڑا پہونچا ہے وہاں تک زمین ان کو دے دو۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ دعا مانگا

کرتے تھے کہ خداوندا! مجھ کو وسعتِ رزق اور فراخ دستی عطا فرما۔ اور ان سب سے بڑھ کر یہ واقعہ ہے کہ جب یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے مصر سے واپس جا کر ان سے کہا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيرٍ (اناج کا ایک اونٹ زیادہ ملے گا) تو حضرت یعقوب علیہ السلام بھی اُدھر مائل ہو گئے اور یوسف علیہ السلام کے حقیقی بھائی ابن یامین کو ان کے ساتھ بھیج دیا۔ اسی طرح شعیب علیہ السلام نے زیادہ نفع حاصل کرنے کا ارادہ فرمایا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا فَإِنْ أَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ (اگر بکریاں چرانے میں دس برس کی میعاد پوری کر دو گے تو تمہاری مہربانی ہے)۔ اور سنیے جب ایوب علیہ السلام شفا پا چکے تو سونے کی ایک ٹڈی ان کے پاس سے گزری۔ انہوں نے اپنی چادر اس کے پکڑنے کو پھیلا دی تاکہ زیادہ مال حاصل ہو جائیں۔ رب العالمین کی طرف سے ارشاد ہوا کہ اے ایوب! کیا با ایں ہمہ مال و دولت ہنوز سیری نہیں ہوئی؟ عرض پیرا ہوئے اے پروردگار! تیرے فضل و رحمت سے کون سیر ہوتا ہے؟ الغرض مال جمع کرنا ایک ایسا امر ہے جو طبائع انسانی میں مرکوز ہے۔ جب اس سے مقصد نیک اور نیت صالح ہو تو وہ بھی خیر محض ہوگا۔"

کعب احبارؓ پر ابوذرؓ کے تشدد کرنے کی روایت

علامہ ابن جوزی رح فرماتے ہیں کہ اس موضوع پر محاسبی نے جو کچھ لکھا وہ سراسر خطا ہے

اور یہ شریعت سے ان کے ناواقف ہونے کی دلیل ہے۔ محاسبی کا یہ قول کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اور رسول انام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو مال و دولت جمع کرنے سے منع فرمایا ہے دروغ محض ہے ہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی ضرور ممانعت فرمائی ہے کہ زر اندوزی سے کوئی قبیح مقصد پیش نہاد خاطر ہو یا ناجائز طریقے سے دولت جمع کی جائے۔ اور کعب احبار اور ابوذر رض کے باہمی تصادم کی جو حدیث نقل کی ہے، گو اس کے بعض الفاظ بلاشبہ روایت کیے گئے ہیں تاہم بقول ابن جوزی رح اس کا کوئی طریق پایۂ صحت کو نہیں پہونچا۔

اور یہ جو مروی ہے کہ ابوذر رض نے کعب کے لاٹھی ماری اور کہا کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا تھا کہ اگر یہ کوہ اُحد میرے لیے سونا بن جائے اور اُس کو راہِ خدا میں صرف کروں اور میرا یہ سب انفاق فی سبیل اللہ مقبول ہو جائے تو بھی میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ اس میں سے چھ اوقیہ بھی پس انداز کر جاؤں، یہ بیان کر کے ابوذر رض نے تین مرتبہ کہا اے عثمان! میں تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ کیا تم نے یہ حدیث سُنی تھی؟ حضرت عثمان رض نے اس کا اثبات میں جواب دیا۔" اس کی نسبت علامہ ابن جوزی رح لکھتے ہیں کہ یہ حدیث پایۂ ثبوت کو نہیں پہونچی۔ اس کا ایک راوی ابن لہیعہ مطعون ہے۔ یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ ابن لہیعہ کی حدیث ثابت نہیں۔ اور تاریخ سے

صحیح طور پر ثابت ہے کہ ابوذر رضؓ نے ۳۲ھ میں انتقال کیا اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ابوذر رضؓ کی زندگی میں نہیں بلکہ ان کی رحلت کے سات سال بعد سفر آخرت فرمایا۔ علاوہ ازیں اس حدیث کے الفاظ بھی اس پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ موضوع و من گھڑت ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام رضؓ ہرگز ایسا نہ کہہ سکتے تھے کہ ہمیں عبدالرحمٰن کا مستقبل تاریک نظر آتا ہے۔ کیا یہ بالاجماع ثابت نہیں کہ حلال طریقے سے مال جمع کرنا مباح ہے۔ مباح ہونے کے باوجود ان کے لیے ترکہ چھوڑ جانے میں خطرے کی کون سی بات ہو سکتی تھی؟ کیا یہ ممکن ہے کہ شریعت حقہ کسی کام کی اجازت دے پھر اسی فعل پر عذاب کرے؟ یہ سب ناسمجھی اور کم علمی کی باتیں ہیں۔ پھر یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ اس روایت میں ابوذر رضؓ نے حضرت عبدالرحمٰن رضؓ پر انکار و اعتراض کیا ہے حالانکہ جناب عبدالرحمٰن رضؓ رضی اللہ عنہ نہ صرف یہ کہ ابوذر رضؓ سے کہیں افضل ہیں بلکہ ان دس حضرات میں داخل ہیں جن کے قطعی جنتی ہونے کی بشارت حامل وحی صلی اللہ علیہ وسلم کو آ چکی تھی۔ صحابہ کرام رضؓ میں مال دار تو اور حضرات بھی تھے لیکن ابوذر رضؓ کا تنہا عبدالرحمٰن رضؓ کے پیچھے پڑ جانا دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سا رویہ اختیار نہیں کیا۔

بعض دیگر مالدار صحابہؓ

اور یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن رضؓ کی طرح بہت سے دوسرے اصحاب کرام بھی سرمایہ دار تھے۔ حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ خاصے بڑے مال دار تھے کہ جب وہ راہی عالم بقا ہوئے تو اپنے بعد تین سو بھار

چھوڑ گئے تھے۔ ہر بہار میں تین تین قنطار تھے۔ (بُہار بوجھ کو کہتے ہیں جو تین سو رطل کا ہوتا ہے۔ رطل آدھ سیر یعنی چالیس تولے کا اور قنطار بارہ سو اُوقیہ کا اور اُوقیہ چالیس درہم کا) حضرت زبیر بن عوّام پانچ کروڑ دو لاکھ کا مال چھوڑ گئے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ نے نوّے ہزار چھوڑے۔ اکثر صحابہؓ نے سرمایہ جمع کیا اور وہ سرمایہ اپنے ورثاء کے حوالے کر کے دنیا سے رخصت ہو گئے اور کسی نے کبھی اُن پر اعتراض و انکار نہ کیا۔

حضرت ابن عوفؓ کا گھٹنوں کے بل چلنا

علامہ ابن جوزیؒ لکھتے ہیں کہ محبؒ کا یہ بیان کہ عبدالرحمٰن رضؓ قیامت کے دن گھٹنوں کے بل چلیں گے، اس بات کی دلیل ہے کہ وہ علمِ حدیث سے بے بہرہ تھے۔ یہ واقعہ خواب کا ہی بیداری کا نہیں۔ اور خدا کی پناہ! جب حضرت عبدالرحمٰن رضؓ جیسے جلیل القدر صحابی جن کو لسانِ وحی نے اُن کی زندگی ہی میں جنت کی بشارت دے چکی تھی اور جنہیں اہلِ بدر اور اصحاب شوریٰ میں داخل ہونے کا شرف حاصل تھا، گھٹنوں کے بل چلیں گے تو پھر کون ہے جو پاؤں کے بل چل کر جنت میں جا سکے گا؟ محبؒ نے جو روایت پیش کی اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

عَنْ عمارۃ بن زاذان عن انسٍ قَالَ بَیْنَمَا عَائِشَۃُ فِیْ بَیْتِہَا سَمِعَتْ صَوْتًا فِی الْمَدِیْنَۃِ فَقَالَتْ مَا ھٰذَا فَقَالُوْا عِیْرٌ لِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ

عمارہ بن زاذان کا بیان ہے کہ حضرت انسؓ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ ام المومنین حضرت عائشہ رضؓ اپنے گھر میں بیٹھی تھیں۔ یک بیک کچھ آواز اُن کے گوش زد ہوئی

بْنِ عَوْفٍ قَدِمَتْ مِنَ الشَّامِ يَحْمِلُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ قَالَ وَكَانَتْ سَبْعَمِائَةِ بَعِيرٍ فَارْتَجَّتِ الْمَدِيْنَةُ مِنَ الصَّوْتِ فَقَالَتْ عَائِشَةُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ قَدْ رَأَيْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ حَبْوًا فَبَلَغَ ذٰلِكَ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ فَقَالَ إِنِ اسْتَطَعْتُ لَأَدْخُلَنَّهَا قَائِمًا فَجَعَلَهَا بِأَقْتَابِهَا وَأَحْمَالِهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ۔

دریافت فرمایا یہ کیا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا ام المومنین! یہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا قافلہ شام سے آیا ہے جو ہر قسم کا اسباب تجارت لایا ہے۔ اس قافلے میں سات سو اونٹ تھے۔ مدینہ منورہ اس کے شور سے گونج اٹھا۔ ام المومنینؓ نے فرمایا رسولِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے تھے کہ میں نے عبدالرحمٰن بن عوف کو خواب میں دیکھا ہے کہ گھٹنوں کے بل چل کر جنت میں داخل ہوئے ہیں۔" یہ خبر عبدالرحمٰنؓ نے سُنی تو کہنے لگے کہ اگر میرے لیے ممکن ہوا تو میں کھڑا کھڑا بہشت میں داخل ہوں گا" یہ کہہ کر تمام اونٹ ان کے پالانوں اور مال تجارت سمیت جو اُن پر لدا تھا، راہِ خدا میں دے دیے۔

لیکن اس حدیث کا ایک راوی ابن زاذان ضعیف ہے۔ چنانچہ امام احمدؒ نے فرمایا کہ ابن زاذان انسؓ سے منکر حدیثیں روایت کرتا تھا۔ ابوحاتم رازی نے کہا کہ وہ قابل حجت نہیں۔ دارقطنی نے کہا کہ ضعیف ہے"۔ غرض یہ روایت کسی طرح قابل وثوق نہیں۔

صحیح مقصد کیلئے مال جمع کرنے کی فضیلت

محاسبیؒ کا یہ بیان بھی

بقول ابن جوزیؒ غلط ہے کہ حلال مال سے دست بردار ہونا اس کے جمع کرنے سے بہتر ہے۔ کیونکہ جب قصد صحیح ہو تو علمائے امت کے نزدیک مال کا جمع کرنا بالاتفاق افضل ہے اور یہ بیان کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی دنیا کی فوت شدہ چیز پر رنج و تاسف کرے گا وہ دوزخ سے قریب ہو جائے گا، دروغ محض ہے۔ حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہرگز ایسا نہیں فرمایا۔ اور محاسبیؒ کا یہ مقولہ کہ دنیا میں حلال کہاں رہا ہے؟ اس کی نسبت ہم پوچھتے ہیں کہ آخر صحیح معنی میں حلال کیا چیز ہے؟ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو فرمایا ہے کہ حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے۔ کیا حلال سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مراد تھی کہ معدن سے کوئی خزانہ مل جائے جس میں کوئی شک و شبہ نہ ہو؟ حالانکہ یہ احتمال نہایت بعید ہے اور ہم سے ایسے امور کا شرعاً کوئی مطالبہ نہیں کیا گیا۔ بلکہ اگر مسلمان کسی چیز یہودی کے ہاتھ فروخت کرے تو وہ قیمت بلاشبہ حلال ہوگی جیسا علماء کا بھی فیصلہ ہے۔ اور مجھے ابوحامد پر تعجب ہے جو یہ کہتے ہیں کہ مال کا فقدان اس کے حصول سے افضل ہے اگرچہ امور خیر پر خرچ کیا جائے۔ اگر ابوحامدؒ اس کے برعکس اس کے مخالف اجماع ہونے کا دعوے کرتے تو درست تھا کیونکہ راہ حق و صواب ان کے فتوے کے خلاف ہے۔ رہا ثعلبہ کا واقعہ، سو اس کو کثرت مال نے تباہ نہیں کیا تھا بلکہ اس نے اپنے مال کی

زکوٰۃ دینے میں بخل کیا تھا۔ انبیاء علیہم السلام کو دیکھو کہ کیسے مال دار تھے۔ حضرت ابراہیم، شعیب اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کے پاس مال و دولت اور کھیتیاں تھیں۔

اکابرِ سلف کا ترکہ چھوڑ جانا

مال و دولت جمع کرنے کی اہمیت جلیل القدر تابعی حضرت سعید بن مسیّبؒ کے قول سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص مال پیدا نہیں کرتا وہ خیر پر نہیں۔ مسلمان کو چاہیے کہ سرمایہ فراہم کرے تاکہ اس سے قرض کر کے اپنی آبرو بچائے اور اس کو اپنے ایامِ بے نوائی کے لیے ذخیرہ رکھ سکے اور مرتے وقت وارثوں کے لیے میراث چھوڑ جائے۔ چنانچہ ابن مسیّب رحمہ اللہ چار سو دینار زرِ سرخ ترکہ چھوڑ گئے تھے۔ اسی طرح امام سفیان ثوریؒ نے دو سو دینار طلائی ترکہ چھوڑا۔ سفیان ثوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ اِس زمانے میں مال ایک ہتھیار ہے۔ ہمارے اسلافِ کرام نے ہمیشہ زر و مال کی مدح و توصیف فرمائی ہے۔ ان حضرات کا عام معمول تھا کہ زمانے کی آفتوں، مشکل وقتوں اور محتاجوں کی حاجت روائی کے لیے مال جمع کرتے تھے۔ البتہ بعض صالحینِ امت نے بدیں خیال مال سے بے رغبتی برتی کہ حسبِ خواہش عباداتِ الٰہی میں تشاغل رکھ سکیں لہٰذا تھوڑے پر قانع رہے۔ اگر عابدِ ثناۓ صوفی یوں کہتے کہ تھوڑے مال پر اکتفا کرنا مناسب ہے تو ایک بات بھی تھی۔ مگر وہ تو جمعِ مال کو گناہ و عصیان کے درجے میں رکھتے تھے جو قطعاً غلط ہے۔ (تلبیس ابلیس)

فصل ۶۲

ابن سبا کا بصرہ اور کوفہ سے اخراج

عبداللہ بن سبا شام میں انفرادی حیثیت سے شر انگیزی کر کے مدینہ منورہ واپس آیا۔ اس وقت قلمروے اسلامیہ میں پانچ دارالحکومت تھے۔ مدینہ منورہ، کوفہ، بصرہ، دمشق اور فسطاط جو مصر کا صدر مقام تھا۔ ابن سبا شروع ہی سے ان پانچوں مرکزوں کی اہمیت محسوس کر چکا تھا، اس لیے اس کوشش میں تھا کہ پانچوں جگہ اپنی جماعتیں قائم کر کے اسلام کو چرکہ لگائے۔ اس نے سب سے پہلے دمشق میں اپنی جماعت قائم کرنی چاہی۔ لیکن چونکہ وہاں حضرت معاویہ رض جیسے زیرک فرماں روا کی حکومت تھی، وہاں اس مقصد میں کامیابی نہ ہوئی اس لیے اب اس نے بصرہ کو اپنا مرکزِ توجہ بنایا۔

اِن ایام میں بصرہ کے اندر حکیم بن جبلہ نام ایک شخص رہتا تھا، جس کا یہ وتیرہ تھا کہ جب کوئی اسلامی لشکر کہیں جاتا تو یہ بھی اس میں شامل ہو جاتا اور کہیں موقع ملتا تو ذمیوں (خلیفۃ المسلمین کی غیر مسلم رعایا) کو لوٹ لیتا۔ اس طرح دور دور تک غارت گر کی حیثیت سے اس کی شہرت ہو گئی۔

جب اس کے نہب وغارت کی خبریں آستانِ خلافت میں پہونچیں تو امیر المومنین رضہ نے اپنے عاملِ بصرہ کو لکھا کہ حکیم بن جبلہ کو حدودِ بصرہ میں نظر بند رکھو۔ تمہاری اجازت کے بغیر کہیں باہر قدم نہ رکھے۔ اس حکم کے مطابق وہ حدودِ بصرہ کے اندر نظر بند کر دیا گیا۔

جب عبد اللہ بن سبا نے اس شخص کا حال سنا تو خیال ہوا کہ شاید اس کی وساطت سے کوئی مطلب براری ہو سکے۔ چنانچہ مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر ۳۲ھ میں بصرہ پہونچا اور اس کے مکان پر فروکش ہوا۔ یہاں اس نے ابن جبلہ سے خوب ربط ضبط بڑھایا اور اس کے توسط سے اس کے دوستوں اور دیگر لوگوں سے مراسم پیدا کیے۔ اب وہ اپنے منصوبے کے مطابق اپنے تئیں حامیِ آلِ رسولؐ ظاہر کر کے ضعیف الایمانوں کو فساد انگیز خیالات و عقائد کی تعلیم دینے لگا اور پھر بتدریج یہ کہنا شروع کیا کہ صحابہ نے پیغمبر علیہ السلام کے بعد حضرت علیؓ کی بجائے دوسروں کو خلیفہ بنا کر اہل بیت اطہار کی بڑی حق تلفی کی۔ اس لیے ہر کلمہ گو کا فرض ہے کہ حضرت علیؓ کا مددگار رہے اور موجودہ خلیفہ کو قتل یا معزول کر کے جناب علی مرتضیٰ کو خلیفہ بنانے کی کوشش کرے۔ ابن سبا نے بظاہر محبتِ علیؓ اور حبِ اہل بیت کو خلافتِ عثمانی کے درہم برہم کرنے کا ایک ذریعہ بنایا تھا، لیکن اس کی اصل تحریک اور مقصدِ حقیقی کا راز اس کے خاص الخاص حواریوں کے سوا کسی کو معلوم نہ تھا۔

جب اس عدوے اسلام کی مفسدہ پردازیوں کا حال عبد اللہ بن عامر

والیٔ بصرہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے ابن سبا کو بلا کر پوچھا کہ تم کون ہو اور کس غرض سے یہاں آئے ہو؟ اس نے کہا میں اہل کتاب میں سے ہوں۔ اسلام کو حق جان کر اس کی طرف مائل ہوا اور اب محبت سے آپ کی قلمرو میں آکر پناہ گزین ہوں۔ حاکم بصرہ نے کہا کہ تم ایک شریر یہودی ہو تم نے اسلام میں افتراق و انشقاق پیدا کرنے کے لیے اسلامی وضع اختیار کر رکھی ہے۔ یہاں سے فوراً نکل جاؤ۔ (ابن اثیر)

اس زمانہ میں ابن سبا بصرہ میں اپنی ایک طاقتور جماعت قائم کر چکا تھا۔ حکم اخراج کے بعد اس نے یہاں کا کام اپنے رازدار شرکائے کار کے سپرد کیا اور مستقبل کے تمام منصوبے اور نشیب و فراز سمجھا کر کوفہ کا رخ کیا۔ ۳۳ھ میں وہ کوفہ پہونچا اور حب اہل بیت کی آڑ میں نہ صرف مسلمانوں کے عقاید و خیالات کو فاسد کرنے لگا بلکہ امیر المومنین عثمانؓ اور ان کے عمال کے خلاف بھی ریشہ دوانیاں شروع کر دیں۔ ابن سبا کی کوششوں سے کوفہ میں بھی ایک انقلاب پسند جماعت پیدا ہو گئی جس کا مقصد فتنہ و فساد تھا۔ اس جماعت نے رفتہ رفتہ زور پکڑ لیا۔ پیروان ابن سبا کے کوفی سرغنے اشتر نخعی، ابن ذی الحبکہ، جندب، صعصعہ، ابن الکواء، کمیل، عمیر بن ضابی وغیرہم تھے۔ اشتر نخعی کوفی غنڈوں کا سردار تھا، ان سبائیوں کی قیادت حاصل تھی۔

جب کوفہ میں ابن سبا کے اختراعی عقاید و خیالات کا عام چرچا ہوا تو کوفہ کے عامل سعید بن عاص نے اس کو بلا کر شاہانہ حکم دیا کہ میری قلمرو سے

فی النور نکل جاؤ"۔ لیکن جس کام کے لیے وہ کوفہ آیا تھا، اس کی تکمیل ہو چکی تھی اس لیے اس نے اپنی قائم کردہ جماعت کو اپنی مجوزہ شر انگیزیوں کے طریقے سمجھا کر شام کی راہ لی۔ (ابن اثیر وغیرہ)

فصل ۶۳

کعب بن عجرہ کا اخراج کا فرمان خلافت!

جن ایام آشوب میں سبائی فتنہ انگیزی کی آندھیاں فضا سے ملک پر محیط تھیں، ایک جتھ پیروان ابن سبا نے مجتمع ہو کر حضرت خلیفۃ المسلمینؓ کے نام ایک مکتوب لکھا جس میں بزعم خود خلافت آپ کے قبائح و بدعات کی تفصیل درج تھی اور لکھا کہ اگر ان بدعات سے باز آ جاؤ تو بہتر ورنہ ہم تمہاری اطاعت سے خارج ہو جائیں گے اور کاروبار حکومت ایک شخص کے سپرد کر دیا۔ اس طوفان بے تمیزی میں ایک رئیس کعب بن عجرہ نے بھی ایک جداگانہ مکتوب لکھا، جس میں خشونت اور گستاخ کلامی کی کوئی حد نہ چھوڑی اور امیر المومنینؓ کی اس درجہ توہین کی کہ کوئی ادنیٰ انسان بھی جس کی تاب نہیں لا سکتا اور کعب نے بھی اسی قسم کے ہاتھ اپنا نامہ مدینہ منورہ روانہ کر دیا۔

امیر المومنین رض کعب کا نامہ پڑھ کر انتہا درجہ کے حلیم الطبع ہونے کے باوجود غضب ناک ہوئے اور عالمِ برافروختگی میں اپنے عاملِ کوفہ سعید بن ابوالعاص کو لکھا کہ کعب بن عبدہ کو کوفہ سے خارج کر کے کوہستان بھیج دو اور کعب کی چٹھی بھی عامل کے پاس بھیج دی۔ سعید اس چٹھی کو پڑھ کر اس قدر غضب ناک ہوئے کہ فی الفور کعب کے مکان پر پہونچے اور اس کو برہنہ کر کے بیس کوڑے لگائے اور پھر کوہستان کی طرف خارج کر دیا۔

حضرت خلافت مآب نے تو محض اخراج کا حکم دیا تھا، لیکن سعید نے زد و کوب کو اس پر اپنی طرف سے مستزاد کر دیا۔ کوئی دنیاوی فرمانروا ہوتا تو کعب پر اپنے عامل کی غیر معمولی برآشفتگی کو دربارِ خلافت کی خیرخواہی پر محمول کر کے خوش ہوتا۔ لیکن خلیفۂ رسول اللہ کا اخلاق ملاحظہ ہو کہ انہیں سعید بن عاص کا یہ اقدام سخت ناگوار ہوا۔ ان کے نام ایک نامہ مشتمل بر زجر و توبیخ لکھا! اور حکم دیا کہ کعب کو تعظیم و تکریم کے ساتھ میرے پاس بھیج دو۔

جب کعب دربارِ خلافت میں پہونچے تو امیر المومنین نے فرمایا کعب! تم نے سخت توہین آمیز اور دل آزار خط میرے پاس بھیجا تھا۔ مشورت و نصیحت کا آئین یہ نہیں ہے۔ کلمۂ نصیحت رفق اور خوش بیانی کے ساتھ لکھنا چاہیے خصوصاً رئیساء و خلفاء کو۔ اس کے بعد امیر المومنین رض نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ نے فرعون کے بارے میں جو انتہا درجہ کا شقی ازلی تھا اپنے اولوالعزم رسول کو یہ ادب سکھایا تھا کہ اُس کے پاس جا کر نرمی اور ملاطفت سے بات کرنا۔ تمہیں چاہیے تھا کہ کم از کم اس ارشادِ خداوندی کو کی

پیشِ نظر رکھا ہوتا۔ اور فرمایا کہ میں نے عاملِ کوفہ کو تمہارے مارنے کو نہیں لکھا تھا۔ میرے حکم کے بغیر یہ امر صادر ہوا۔ اب میں اپنے بدن سے قمیص اُتارتا ہوں اور چابک منگواتا ہوں تم مجھ سے قصاص لے لو۔ کعب نے کہا جب آپ نے اس درجہ انصاف فرمایا ہے تو میں اپنے حق سے درگذر کرتا ہوں فی الواقع ناشائستہ کلمات لکھنے میں مجھ سے تقصیر ہو گئی تھی۔" اس کے بعد کعب حضرت عثمان رضی کے پاس رہے اور امیر المومنین کے خاص مصاحبوں میں ان کا شمار ہوا۔ (تحفہ)

فصل ۶۴

عامر بن عبد قیس رضی صحابی کا شام بھیجا جانا

جو حرمان نصیب مدینہ منورہ میں ابن سبا کے اشاروں پر ناچنے لگے تھے، ان میں ایک شخص حمران بن ابان بھی تھا۔ حمران نے کسی عورت سے عدت میں نکاح کر لیا تھا۔ امیر المومنین رضی نے بحیثیت نائبِ رسول اس کو درّے لگوائے تھے۔ اس وجہ سے یہ شخص معاندین کی صف میں سب سے اول کھڑا ہو گیا۔ اس کا کام شب و روز امیر المومنین رضی اور ان کے عمال کی غیبت کرنا تھا۔ جب اس کی زبان درازیاں حد سے بڑھیں تو امیر المومنین رضی نے اس کو

بصرہ کی طرف جلاوطن کر دیا۔ حمران نے بصرہ آکر عبداللہ بن عامر والی بصرہ کے پاس آمدورفت شروع کی۔ اس قماش کے لوگ الٹیرہ والوں سے خدا واسطے کا بیر رکھتے ہیں۔ ان ایام میں بصرہ کے اندر عامر بن عبد قیس رض بھی ایک تارک الدنیا زاہد و مرتاض بزرگ قیام فرما تھے جنھیں صحبتِ نبوی کا شرف حاصل تھا۔ حمران کی پست فطرتی اور شقاوت نے اسے ان کا دشمن بنا دیا۔ چنانچہ اس نے ناحق والیٔ بصرہ کے پاس حضرت عامر بن عبد قیس رض کی شکایتیں شروع کیں لیکن کچھ پیش نہ گئی۔

کچھ دنوں کے بعد امیر المومنین نے حمران کی جلاوطنی کا حکم منسوخ کر دیا اور اس نے مدینہ طیبہ کو معاودت کی۔ اب وہ دربارِ خلافت میں بلا سبب حضرت عامر بن عبد قیس رضی اللہ عنہ کی شکایتیں کرنے لگا کہ وہ شخص نکاح کرنے کو جائز نہیں رکھتا، گوشت نہیں کھاتا، جمعہ جماعت میں حاضر نہیں ہوتا۔ حمران نے امیر المومنین کو یقین دلایا کہ عامر کی صحبت میں مسلمانوں کے عقاید و خیالات فاسد ہو رہے ہیں، اس لیے امیر المومنین نے بغرض تفتیشِ احوال والیٔ بصرہ کو لکھا کہ عامر بن عبد قیس کو حکم دیں کہ دمشق جا کر امیر معاویہ رض سے ملیں۔ چنانچہ عامر رض بصرہ سے دمشق تشریف لے گئے اور حسب الحکم امیر معاویہ رض سے ملے۔ معاویہ رض نے جناب عامر رض کو اپنے پاس ٹھہرایا۔ یہاں تک کہ ان کے خیالات اور عقاید معلوم ہو گئے۔ جب امیر معاویہ رض کو ان کے تقویٰ و طہارت اور خشیۃ اللہ کا حال معلوم ہوا اور دیکھا کہ خالص کندن ہیں تو ان کو بڑے احترام کے ساتھ بصرہ جانے کی

اجازت دے دی لیکن انہوں نے وہاں جانے سے انکار کیا اور سواحلِ شام میں اقامت گزیں ہو گئے اور ایامِ وفات تک وہیں عبادت و ذکرِ الٰہی میں مصروف رہے۔ (ابن خلدون)

یہاں ضمناً حضرت عامر رضی اللہ عنہ کی دیانت کا ایک واقعہ درج کیا جاتا ہے۔ ابو عبیدہ عنبری کا بیان ہے کہ جب صحابہ و تابعین نے عہدِ فاروقی میں کسریٰ کا دار السلطنت مدائن فتح کیا تو اموالِ غنیمت ایک جگہ جمع کیے جانے لگے۔ اس وقت ایک شخص جواہرات کے بہت سے ڈبے لایا اور اموالِ غنیمت جس افسر کی تحویل میں تھے، اس کے حوالے کیے۔ ان کو دیکھ کر حاضرین آپس میں کہنے لگے واللہ! ہم نے ایسی بے بہا دولت کبھی نہیں دیکھی اور جو کچھ یہ تمام غنیمت موجود ہے، یہ ان ڈبوں کی قیمت کے مقابلے میں بالکل ہیچ ہے۔ لوگوں نے اس شخص سے پوچھا کہ تم نے اس میں سے کچھ لیا بھی ہے؟ اس نے کہا واللہ! اگر خدا کے بصیر نہ دیکھتا ہوتا اور اس کے سامنے جواب دہی کا احساس نہ ہوتا تو میں ان کو تمہارے پاس بھی نہ لاتا۔ لوگوں کو معلوم ہوا کہ یہ کوئی عظیم المرتبت ہستی ہے۔ انہوں نے پوچھا، آپ کون صاحب ہیں؟ فرمایا میں تم کو نہ بتاؤں گا کہ کہیں تم میری تعریف کرو اور نہ تم کو مغالطہ دوں گا کہ میرے حق میں اغراق کرو۔ بلکہ میں تو ربّ السمٰوٰت والارض کی حمد و ثنا کرتا اور اس کے ثواب سے راضی ہوں گا۔ لوگوں نے خفیہ ایک آدمی اس کے پیچھے لگا دیا کہ دیکھو یہ صاحب کون ہیں اور کہاں جاتے ہیں؟ جب وہ بزرگ اپنے ساتھیوں میں

پہونچے تو پیچھے چلنے والوں نے ان کا نام اور پتہ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی عامر بن عبد قیس (رضی اللہ عنہ) ہیں (تلبیس ابلیس، ابن جوزیؒ)

فصل ۶۵

محمد بن ابی بکر اور محمد بن ابی حذیفہ کی معاندانہ سرگرمیاں

جو لوگ امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور اُن کے عُمال کے خلاف معاندانہ سرگرمیاں دکھا رہے تھے، وہ محمد بن ابی بکر اور محمد بن ابی حذیفہ کے سوا قریبًا سب کے سب ابن سبا کے پیرو تھے۔ ابن سبا کے بے پناہ نشریہ نے اچھے اچھے اکابرِ ملت کو ڈگمگا دیا تھا۔ لیکن محمد بن ابی بکر اور محمد بن ابو حذیفہ کو جو دونوں قُرشی تھے، اس اثر پذیری کے علاوہ امیر المومنین رضؓ سے ذاتی عناد بھی تھا۔ اس وجہ سے ابن سبا کو اپنی تحریکِ اغوا میں ان دونوں کے مخالفانہ رویہ سے بڑی مدد ملی۔

محمد بن ابی بکر کی والدہ اسماء بنت عُمیس رضی اللہ عنہا جناب علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی حضرت جعفر طیار رضؓ کی زوجہ محترمہ تھیں۔ جب حضرت جعفرؓ جنگِ مُوتہ میں شہید ہوگئے، تو ہادی انام صلی اللہ علیہ وسلم نے محترمہ اسماء

بنت عُمیس رضؓ کو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی زوجیت میں دے دیا۔ ان سے ۱۰ھ میں محمد بن ابی بکر پیدا ہوئے۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضؓ نے ان کا نام محمد اور کنیت ابوالقاسم تجویز فرمائی تھی۔ لیکن ابھی پانچ ہی سال کے تھے کہ حضرت صدیق اکبر رضؓ روضۂ رضوان کو عزیمت فرما ہوئے اور جناب علی مرتضیٰ رضؓ نے حضرت اسماء رضؓ سے نکاح کر لیا۔ اس کے بعد محمد بن ابوبکر حضرت علی رضؓ کے آغوشِ تربیت میں پرورش پانے لگے اور انہی کے زیر سایہ شباب کو پہونچے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے خویش واقارب کی بجائے حضرت علی رضؓ اور ان کے خاندان سے زیادہ مانوس تھے۔ جنگِ جمل اور جنگِ صفین میں حضرت علی رضؓ کی طرف سے شریکِ معرکہ ہوئے۔

جب امیر المومنین حضرت عثمان ذوالنورین رضؓ نے محرم ۲۴ھ میں مسندِ خلافت کو زینت بخشی تو اس وقت محمد بن ابی بکر کی عمر پندرہ سال سے متجاوز تھی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد محمد بن ابوبکر نے بارگاہِ خلافت میں التجا کی کہ انہیں کسی جگہ کی حکومت عطا فرمائی جائے لیکن امیر المومنین عثمان رضؓ نے ایک کم عمر ناتجربہ کار کی درخواست کو شرفِ قبول نہ بخشا۔ ابن ابی بکر بجائے اس کے کہ کسی آیندہ موقع اور اپنی پختگی عمر کا انتظار کرتے اُسی دن سے امیر المومنین رضؓ کے دشمن ہو گئے اور بدگوئی اور طعن و تشنیع کو اپنا شعار بنا لیا۔

مشہور تابعی جناب سالم بن عبداللہ رحؒ سے پوچھا گیا کہ امیر المومنین عثمانؓ کی عداوت میں محمد بن ابی بکر سب سے پیش پیش کیوں تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ غضب اور طمع دو چیزوں نے انہیں مخالفت پر آمادہ کیا تھا۔ پہلے

امیر المومنین ابوبکر صدیق رضہ کی یادگار ہونے کی وجہ سے مکرم و محترم مانے جاتے تھے اور ہر مسلمان ان کی عزت کرتا تھا لیکن جب وہ سبائی جماعت کے ہتھے چڑھے اور طمع دامن گیر ہوئی تو محمد سے مذمم بن گئے۔ (ابن اثیر)

معلوم ہوتا ہے کہ ابن سبا کی جماعت نے ان کو کوئی سبز باغ دکھایا ہوگا اور ان کی مالی امداد کی ہوگی۔ وہ معاند تو پہلے ہی تھے، اب دو آتشہ ہو کر کریلا اور نیم چڑھا کا مصداق بن گئے۔ اس طرح انہوں نے اپنے نیک نام کو ہمیشہ کے لیے رسوا کر لیا۔ محمد بن ابی بکر چھوٹی چھوٹی اولاد چھوڑ کر طعمۂ اجل ہو گئے تھے۔ اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضہ نے اُن کی کفالت فرمائی تھی۔ ان کے بیٹے جناب قاسم بن محمد رحمہ اللہ جو آئندہ چل کر مقتدائے ملت اور جلیل القدر تابعین میں شمار کیے گئے، اس صغیر السن اولاد میں داخل تھے۔ جب وہ بڑے ہو کر صاحب علم و فضل ہوئے تو اپنے باپ کی ان حرکتوں کو یاد کر کے سخت ملول و محزون ہو جایا کرتے تھے اور سر بسجود ہو کر بارگاہ رب العزت میں دعا کیا کرتے تھے کہ خدایا! امیر المومنین عثمان رضہ کے معاملے میں میرے والد کے گناہ بخش دے۔

(ابن خلکان)

محمد بن ابی بکر کے ہم مشرب اور رفیق کار محمد بن ابی حذیفہ امیر معاویہ رضہ کے حقیقی ماموں حضرت ابو حذیفہ صحابی رضہ (ابن عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس) کے فرزند تھے۔ جب ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جنگ یمامہ میں جو حضرت ابوبکر صدیق رضہ کے عہد خلافت میں مسیلمہ کذاب کے خلاف ہوئی تھی،

جرعۂ شہادت نوش فرمایا تو حضرت ذو النورین رضؓ نے ان کے بیٹے کو اپنی کفالت میں لے لیا اور بہت اچھی طرح تربیت کی۔ جب محمد بن ابی حذیفہ بڑے ہوئے تو حضرت عثمان رضؓ سے درخواست کی کہ انہیں کسی جگہ کی حکومت عطا فرمائی جائے۔ امیر المومنین رضؓ نے فرمایا کہ اگر تم اس کے اہل ہوتے تو میں تم سے کبھی دریغ نہ کرتا اور ضرور کسی جگہ کا والی بنا دیتا۔ اس انکار پر ابن ابی حذیفہ بھی امیر المومنین رضؓ کے دشمن ہو گئے۔ چند روز کے بعد انہوں نے آپ سے مصر جانے کی اجازت مانگی۔ حضرت عثمان رضؓ نے اس کی اجازت دی اور سامانِ سفر درست کرا کر مالی امداد کی۔ یہ مصر پہونچ کر عبادت و ریاضت میں مصروف ہو گئے۔ وہاں کے لوگ ان کی کثرتِ عبادت کو دیکھ کر ان کے بڑے گرویدہ ہو گئے۔

جب ۳۱ھ میں قیصر روم پانسو جنگی جہازوں کا عظیم الشان بیڑا لے کر اسلامی ساحلوں پر حملہ آور ہوا اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح حاکمِ مصر اسلامی بیڑا لے کر مقابلہ کو نکلے تو محمد بن ابی بکر اور محمد بن ابی حذیفہ بھی ساتھ ہو لیے۔ لیکن بجائے اس کے کہ نصاریٰ کے مقابلے میں لشکرِ اسلام کے حامی و ناصر ہوتے، الٹا امیر المومنین رضؓ اور ان کے عاملِ مصر کے خلاف دریدہ دہنی کرنے لگے۔ انہوں نے حتی الامکان اپنے امیر البحر عبداللہ بن سعد کی ایذا رسانی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ ان دونوں کی یہ حالت تھی کہ نمازوں میں بے موقع باآوازِ بلند تکبیریں کہہ کر نمازیوں میں تشویش اور برہمی پیدا کرتے۔ امیر البحر عبداللہ کی علی الاعلان توہین کرنے کے علاوہ نمازیوں سے کہتے کہ تم لوگ نصاریٰ کے مقابلے میں تو جہاد کرنے چلے ہو حالانکہ اسلام خود مدینہ طیبہ میں تمہیں جہاد

فی سبیل اللہ کی دعوت دے رہا ہے۔ لوگ حیرت زدہ ہو کر پوچھتے کہ مدینہ میں کس سے جہاد کرنا ہے تو وہ امیر المومنین عثمان رضؓ کا نام لے کر کہتے کہ اس ظالم حکمران کا عزل اسلام کی سب سے بڑی خدمت اور مقدم ترین ضرورت ہے کیونکہ اس نے سنتِ شیخین رضؓ کے خلاف اپنے اعزہ واقارب کو نظامِ حکومت میں سیاہ وسپید کا مالک بنا رکھا ہے۔

جب اسلامی جہازوں نے عیسائی بیڑے کے مقابلے کے لیے لنگر اٹھائے تو یہ دونوں کشتی میں سوار ہو کر اسلامی بیڑے کے پیچھے پیچھے گئے اور اسلامی بیڑا جہاں جہاں لنگر انداز ہوا، وہاں یہ اپنی کشتی کو نزدیک لے جا کر مجاہدین اسلام کو ورغلاتے اور اپنے مفسدانہ خیالات کا نشر یہ کرتے۔ آخر جب اسلامی مجاہدین نے قیصری بیڑے کو ہزیمت دے کر مراجعت کی تو بعض محبانِ اسلام نے ان کو ترکِ جہاد پر ملامت کی۔ ان دونوں نے جواب دیا کہ ہم ایسے جہاد کو جہاد ہی نہیں سمجھتے کیونکہ اس کی تیاری عثمان رضؓ کے حکم سے ہوئی اور اس کا سردار عبداللہ بن ابی سرح ہے۔ یہ کہہ کر امیر المومنین رضؓ کے خلاف بہت کچھ دریدہ دہنی شروع کر دی۔ (ابن اثیر)

عبداللہ بن سعد چاہتے تھے کہ ان دونوں کو اچھی طرح گوش مال اور سرکوب کریں لیکن امیر المومنین رضؓ کی ناراضی سے ڈرتے تھے۔ آخر جب دیکھا کہ یہ کسی طرح مفسدہ انگیزی سے باز نہیں آتے اور ان کی زہر چکانی روبہ ترقی ہے، تو تمام واقعات قلم بند کر کے امیر المومنین رضؓ سے ان کی شکایت کی اور لکھا کہ

محمد بن ابو بکر تو خیر خلاف سہی لیکن محمد بن ابی حذیفہ بھی آپ کے جانی دشمن ہو رہے ہیں حالانکہ آپ نے انہیں ان کی حالت یتیمی میں اولاد کی طرح پالا تھا۔" حضرت خلافت مآب رض نے اس کے جواب میں لکھا کہ محمد بن ابی بکر سے تو اُس کے والدِ مرحوم اور اس کی خواہر محترمہ ام المومنین عائشہ رض کی خاطر درگزر کرو اور ابن ابی حذیفہ میرا اور میرے مرحوم بھائی کا فرزند ہے۔ وہ میرا پرورش یافتہ اور قریش کا چوزہ ہے، اس لیے وہ بھی قابل عفو ہے۔" عبداللہ بن سعد نے اس کے جواب میں لکھا کہ اس چوزے نے اب بال و پر نکالے ہیں اور آپ کی مخالفت میں پوری قوت سے پرواز کر رہا ہے۔

امیر المومنین نے یہ خیال کر کے کہ شاید ابن ابی حذیفہ آوارۂ دشتِ ادبار ہو کر مالی مشکلات میں مبتلا ہو گا، ازراہِ ترحم ان کی امداد کے لیے اپنے ذاتی سرمایہ سے تیس ہزار درہم کی رقمِ خطیر اور ایک اونٹ جس پر مختلف قسم کے کپڑے بار تھے، اُس کے پاس روانہ فرمایا۔ ابن ابی حذیفہ کو چاہیے تھا کہ اس بیش قرار امداد کے شکر گزار ہوتے مگر ممنونِ احسان ہونے کے بجائے انہوں نے امیر المومنین کے خلاف نشر یہ کرنے اور غلط فہمیاں پھیلانے کا ایک نیا حیلہ تراش لیا۔ زرِ نقد اور کپڑوں کو مسجد میں پھیلا دیا، اور نمازیوں سے کہا اے معشر المسلمین! دیکھو عثمان مجھے ایک رقمِ خطیر اور کپڑوں کا ایک اونٹ بھیج کر میرے دین کے بارے میں مجھے فریب دینا چاہتے ہیں تاکہ یہ رشوت مجھے حق گوئی اور صدق کوشی سے روک دے۔" یہ سُن کر ان کے مصری دام افتادوں میں ان کی عزت بڑھ گئی۔ یہ گم کردۂ راہ

بھی امیر المومنین رضؓ پر طعن و تشنیع کرنے میں ان کے ہمنوا ہو گئے اور اسی دن ابن ابی حذیفہ کو اپنا امیر بنا کر ان سے بیعت کر لی۔

جب امیر المومنین رضؓ کو ان حالات کی اطلاع ہوئی تو آپ نے ابن ابی حذیفہ کو لکھ بھیجا کہ میں نے اولاد کی طرح تمہاری پرورش کی تھی اور اپنی طرف سے تمہاری امداد و کفالت کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا لیکن اطلاع ملی ہے کہ تم ہی میری مخالفت میں سب سے پیش پیش ہو۔" لیکن انہوں نے اس چٹھی پر کچھ بھی حیا و ندامت محسوس نہ کی اور اپنے مربی و ولیٔ نعمت کی مخالفت میں بیش از بیش سرگرمیاں دکھانے لگے۔ چنانچہ اس کے بعد امیر المومنین رضؓ کی محصوری کے ایام میں جونہی عبداللہ بن ابی سرح بذاتِ خود عازمِ مدینہ منورہ ہوئے، ابن ابی حذیفہ نے ان کے پیچھے موقع پا کر مصر پر عمل دخل کر لیا۔ لیکن زمانے نے بھی ان کا زیادہ ساتھ نہ دیا۔ دستِ اجل نے تھوڑے ہی دنوں میں ان کا ٹینٹوا دبا کر قعرِ عدم میں سلا دیا۔ (ابنِ اثیر)

قارئین کرام نے پڑھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ابن ابی حذیفہ کی امداد کے لیے ایک گراں قدر رقم روانہ فرمائی تھی۔ لیکن ان کے رفیق کار محمد بن ابی بکر کو کچھ نہ بھیجا۔ اگر حسبِ بیان ابن ابی حذیفہ یہ زرِ نقد معاذاللہ بطور رشوت بھیجا گیا تھا تو ظاہر ہے کہ امیر المومنین رضؓ اپنے دوسرے دشمن محمد بن ابی بکر کو بھی بھیجتے حالانکہ آپ نے ان کو ایک حبہ بھی نہ بھیجا۔ آپ نے ان کی امداد کے خیال سے بھی ان کی طرف دستِ اعانت دراز

نہ کیا۔ اس کی وجہ شاید یہ ہوگی کہ محمد بن ابی بکر کے سوتیلے باپ حضرت علی مرتضیٰ رضؓ اور ان کی سوتیلی بہن ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کی طرف سے ان کو مالی امداد پہونچتی ہوگی۔

مگر جائے افسوس ہے کہ محمد بن ابی حذیفہ نے ایک صحابی زادہ ہونے کے باوجود احسان فراموشی بلکہ محسن کشی کی جو گھناؤنی مثال پیش کی، وہ تاریخ اسلام میں بمشکل کسی دوسری جگہ مل سکے گی۔

بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ امیر المومنین حضرت عثمان رضؓ کی محصوری کے ایام میں محمد بن ابی بکر اور محمد بن ابی حذیفہ مصر میں لوگوں کو امیر المومنین کے برخلاف ابھار رہے تھے۔ جب ماہ رجب میں بلوائیانِ مصر نے باظہار حج بیت اللہ، بقصد خلع خلافت یا قتل حضرت عثمان رضؓ بسر گروہی عبدالرحمٰن بن عدیس خروج کیا تو محمد بن ابی بکر بھی ان لوگوں کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ ان کی روانگی کے بعد ہی عبداللہ بن سعد عاملِ مصر نے ایک قاصد بلوائیوں کی روانگی کی خبر دے کر مدینہ منورہ روانہ کر دیا اور محمد بن ابی حذیفہ مصر ہی میں ٹھیرے رہے۔ اس کے بعد عبداللہ بن سعد نے بھی مدینہ منورہ کا قصد کیا۔ جب عبداللہ بن سعد رملہ میں پہونچے تو یہ خبر گوش زد ہوئی کہ مصریوں نے مدینہ منورہ پہونچ کر امیر المومنین کا محاصرہ کر لیا ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوا کہ محمد بن ابی حذیفہ نے مصر پر تسلط کر لیا ہے۔ یہ سن کر عبداللہ بن سعد نے رملہ سے بقصدِ فلسطین مراجعت کی اور فلسطین جا کر قیام کیا۔ اتنے

میں حضرت عثمان رضہ شہید کر دیے گئے۔ (ابن خلدون)

فصل ۶۶

کوفہ کے سبائی مفسدین کا شام بھیجا جانا

بے تکلفی اور ہنسی مذاق کی عادت افرادِ رعایا کے لیے عموماً اور حکام کے لیے خصوصاً بہت مذموم ہے کیونکہ یہ خصلت وقار اور رعب وداب کے حق میں سمِ قاتل ہے۔ اس لیے اولوالامر کو بالخصوص اس سے سخت احتراز و احتیاط لازم ہے۔ ولید بن عقبہ کی معزولی کے بعد سعید بن عاص کوفہ کے عامل مقرر کیے گئے تھے۔ سعید نے کوفہ پہونچ کر رؤساء شہر اور اہلِ قادسیہ سے بے حد مراسم بڑھائے۔ مالک بن کعب، اسود بن یزید، علقمہ بن قیس نخعی، ثابت بن قیس ہمدانی، جندب بن زہیر غامدی، جندب بن کعب ازدی، عروہ بن جعد، عمرو بن حمق خزاعی، صعصعہ اور زید پسران صوحان، ابن الکواء، کمیل بن زیاد، عمیر بن ضنابی، طلیحہ بن خویلد وغیرہم سعید کی مجلس میں آتے۔ عرب کے انساب اور اسلام کے ایام و اخبار کے تذکرے اور باہم ہنسی مذاق کرتے تھے۔ اکثر ہنسی مذاق ہوتے ہوتے طعن و تشنیع اور سخت کلامی تک نوبت پہونچ

جاتی تھی۔

اتفاق سے ایک دن سعید بن عاص نے اثنار گفتگو میں کہا ہذا السواد بستان قریش (یہ سرزمین تو قریش کا باغ ہے) رئیس الاشرار اشتر نے کہا کہ جس سواد کو ہماری تلواروں نے فتح کیا، تم اس کو اپنا اور اپنی قوم (قریش) کا بستان خیال کرتے ہو۔ اشتر کے اس جواب پر دوسرے حاضرین مجلس نے بھی کچھ کچھ کہنا شروع کیا اور شور و غل بڑھ گیا۔ سعید بن عاص کے پولیس افسر عبدالرحمٰن اسدی نے لوگوں کو شور و غل مچانے اور لاحاصل تقریر کرنے سے منع کیا۔ لوگ اس پر ٹوٹ پڑے اور اس جرم ناآشنا کو اس قدر مارا کہ وہ بے ہوش ہو گیا۔ اس واقعہ کے بعد سعید نے لوگوں کی آمد و رفت بند کر کے دربان مقرر کر دیے اور راتوں کو قصہ و حکایات کی صحبت برخاست کر دی۔

یہ لوگ دربان مقرر کرنے اور صحبتِ مذاق برخاست کرنے پر ناراض ہوئے اور اس کو اپنی توہین خیال کیا۔ آخر جہاں کہیں دو چار آدمی جمع ہوتے جلے دل کے پھپھولے پھوڑنے کے لیے امیر المومنین حضرت عثمان رضہ اور سعید بن عاص کی من گھڑت برائیاں اور عیب بیان کرتے۔ رفتہ رفتہ اس فتنہ نے وسعت اختیار کی۔ دو دو چار چار سبائی مل کر بازاروں میں نکل جاتے اور سعید بن عاص اور حضرت امیر المومنین رضہ کے خلاف زبانِ طعن دراز کرتے۔ ان کے ارد گرد بڑا مجمع ہو جاتا اور بازاری لوگ اس سے متاثر ہو کر امیر المومنین اور ان کے عامل کے خلاف دریدہ دہنی

کرنے لگتے۔ چونکہ امیر المومنین نے اپنے عاملوں کو تشدد اور سخت گیری کی قطعی ممانعت کر رکھی تھی، اس لیے عمالِ عثمانی حضرت خلافت مآبؓ سے منظوری لیے بغیر کسی شورش پسند کے خلاف کوئی تشدد آمیز اقدام نہ کر سکتے تھے۔ اس مجبوری کے باعث سعید بن عاص حاکم کوفہ کو از خود شوریدہ سروں کے خلاف کسی تادیبی کارروائی کی ہمت نہیں پڑتی تھی۔ آخر جب پانی سر سے گزر گیا اور ان کی شر انگیزیاں کسی طرح رو بانحطاط نہ ہوئیں تو سعید بن عاص اور اکثر اشراف کوفہ نے امیر المومنین رضؓ سے التجا کی کہ خدا کے لیے کوفہ کو ان فتنہ جو افراد سے نجات دلائیے۔ اس کے جواب میں امیر المومنین نے سعید بن عاص کو حکم دیا کہ اشتر نخعی اور اس جماعت کے دوسرے سرغنوں کو معاویہ رضؓ کے پاس شام بھیج دو۔ اور دوسری طرف امیر معاویہ رضؓ کو لکھا کہ کوفہ کے کچھ شوریدہ سر جو فتنہ و فساد کے لیے مخلوق ہوئے ہیں تمہارے پاس بھیجے جاتے ہیں، کوشش کرو کہ وہ راہ راست پر آجائیں۔ اگر وہ اصلاح پذیر ہو جائیں تو بہتر ہے ورنہ ان کو میرے پاس بھیج دینا۔" (ابن اثیر و ابن خلدون)

غرض سعید بن عاص نے ۳۳ھ میں مندرجۂ ذیل دس مفسدہ پردازوں کو کوفہ سے شام بھیجا۔ رئیس الاشرار اشتر نخعی، ثابت بن قیس ہمدانی، کمیل بن زیاد، زیاد بن صوحان اور اس کا بھائی صعصعہ بن صوحان، جندب بن زہیر غامدی، جندب بن کعب ازدی، عروہ بن جعد، عمرو بن حمق اور ابن الکواء۔ (ابن اثیر) امیر معاویہ رضؓ کے پاس ان کے بھیجنے میں یہ

مصلحت تھی کہ حضرت معاویہ رضؓ مسلّم طور پر عاقل، معاملہ فہم، حلیم الطبع اور بُردبار تھے اور حضرت خلیفۃ المسلمین کو امید تھی کہ ان کے مواعظِ حسنہ اور نصائح دل پذیر اُن کی شوریدہ سری کو مائل باعتدال کر دیں گے مگر یہ لوگ ابن سبا کی سان پر چڑھ چکے تھے، اس لیے اُن سے جو امید وابستہ کی گئی تھی وہ سراسر موہوم ثابت ہوئی۔

مفسدین کوفہ دمشق میں

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب یہ لوگ دمشق پہونچے تو امیر معاویہ رضؓ نے ان کی بڑی آؤ بھگت کی۔ ان کو ہر روز اپنے ساتھ بٹھا کر پر تکلف کھانے کھلاتے اور ہر طرح سے محبت و شفقت کا برتاؤ کرتے رہے یہاں تک کہ ان سب کا روزینہ بھی مقرر کر دیا۔ آخر کئی دن کی خاطر مدارات کے بعد ایک دن ان کو سمجھانے لگے کہ تم لوگ عرب کی ایک ممتاز قوم ہو۔ تم نے اسلام سے شرف پا کر اقوام و اُمم پر غلبہ پایا اور چاہِ پستی سے نکل کر بامِ عروج پر پہونچے۔ بڑے بڑے گردن کشوں پر غالب آئے۔ مگر میں نے سُنا ہے کہ تم قریش سے کینہ رکھتے ہو۔ حالانکہ اگر قریش نہ ہوتے تو تم کو جاہ و عزت کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوتا اور یہ تمہارے ائمہ یعنی حُکام تمہارے لیے سپر (ڈھال) ہیں۔ پس اپنی سپر کے توڑنے کی فکر نہ کرو۔ تمہارے حاکم تمہاری خاطر ہر قسم کی مشکلات سہتے اور سختیاں برداشت کرتے ہیں لیکن معلوم ہوا ہے کہ تم ان کی مخالفت کرتے ہو۔ تم پر لازم ہے کہ مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق کو درہم برہم نہ کرو ورنہ منتقمِ حقیقی،

تم پر کوئی ایسا حاکم مسلط کر دے گا جو تمہیں ہر طرح سے ذلیل کریگا۔
(ابن اثیر)

غرض بہت کچھ نشیب و فراز سمجھایا لیکن پتھر کو جونک نہیں لگ سکتی ان سنگ دلوں پر ان نصائح کا کچھ اثر نہ ہوا۔ بلکہ ان میں سے ایک شخص صعصعہ نام نے کج بحثی شروع کر دی اور بولا اے امیر! تو نے جو قریش کا ذکر کیا ہے تو وہ کسی زمانے میں باعتبار تعداد نفوس ہم سے فائق نہ تھے اور نہ جاہلیت میں ان کا کوئی قابلِ لحاظ رعب و داب تھا جس سے تم ہم کو ڈراتے ہو۔ اور یہ جو تم نے کہا ہے کہ وہ تمہاری سپر ہیں، سو یاد رکھو کہ جب سپر ٹوٹ جائے گی تو ہم خود سینہ سپر ہو جائیں گے۔"

امیر معاویہ رض نے کہا صعصعہ! تو ان کا خطیب و پیشوا ہے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ نہ تجھ میں اسلام کی محبت کا کچھ اثر ہے اور نہ عقل و خرد ہی سے کچھ حصہ ملا ہے۔ ذرا یہ تو بتلا کہ تیری قوم کی شان پر کس نے چار چاند لگائے؟ شاید تجھے معلوم نہ ہو، اس لیے میں تجھے بتلاتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے قریش کو اسلام اور جاہلیت دونوں زمانوں میں عزت بخشی ان کو بامروت، صحیح النسب اور ذی شعور پیدا کیا۔ ان کو اپنے گھر کا مجاور اور اپنے حرم کا محافظ بنایا۔ کیا تمہارے ملک اور قوم میں بھی کوئی عربی، عجمی، سیاہ، سرخ ایسا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے یہ فضیلتیں کرامت فرمائی ہوں؟ جب کائناتِ ہستی میں ہر طرف کفر و الحاد کا،

تسلط ہوا تو رب قدیر نے قریش میں سے ایک نبی مبعوث کیا جس نے کفر و
ثنیت کی تاریکی دور کر کے دنیا کو توحید اور حق پرستی کے نور سے منور فرمایا۔
خدائے برتر نے اس پاک و مقدس نبی کے لیے جو اصحاب کبار منتخب فرمائے
وہ بھی خاندان قریش ہی کے چشم و چراغ ہیں۔ ان سے اسلام کی بنیادیں
مضبوط ہوئیں۔ اس کے بعد جب آفتاب رسالت شفق الہی میں مستور
ہوا تو انہی صحابہ کبار میں سے بعض سر برآوردہ حضرات منصب
خلافت سے سرفراز ہوئے اور بلاشبہ وہ اس کے اہل تھے۔ معاویہؓ
یہ کہہ کر خاموش ہوئے تو صعصعہ اپنے رفقاء سمیت اٹھ کر چلا آیا اور آمد و رفت
بند کر دی (ابن خلدون)

چند دنوں کے بعد معاویہؓ نے ان کو پھر بلوایا اور از سر نو نہایت نرمی
سے ان کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی اور بہت طویل ناصحانہ تقریر
کے بعد فرمایا بھائیو! سنو! مناسب ہے کہ تم لوگ بھلائی کی طرف رجوع
کرو اور ٹھنڈے دل سے اس طریق عمل پر غور کرو جو تمہیں اور تمہارے اہل
و عیال کو نفع دے اور ملت موحدین کو منفعت بخشے۔" صعصعہ بولا
معاویہ! تم اس پند و موعظت کے اہل نہیں ہو۔ اگر معصیت الہی میں
تمہاری پیروی کی جائے تو اس میں تمہاری کوئی بزرگی نہیں۔ امیر معاویہؓ
نے کہا کیا میں نے شروع ہی میں تم کو تقوی اللہ اور متابعت رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم نہیں دیا تھا اور کیا تم سے یہ درخواست نہیں کی تھی
کہ حبل اللہ کو سب مل کر مضبوطی سے پکڑ لو اور متفرق و پراگندہ نہ ہو۔ کوفیوں

نے کہا نہیں بلکہ تم نے فرقت کی ترغیب دی اور تعلیماتِ نبویہ کے سراسر خلاف حکم دیا۔" حضرت معاویہ رضؓ نے فرمایا" اچھا اگر پہلے حکم نہیں دیا تھا تو اب تم کو تقویٰ اور اطاعتِ خداوندی اور اتباع نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور لزومِ جماعت کا حکم دیتا ہوں اور یہ بھی تلقین کرتا ہوں کہ اپنے حکام کی عزت کرو۔

صعصعہ بولا معاویہ! ہم تمہیں حکم دیتے ہیں کہ تم اپنی حکومت سے دست بردار ہو جاؤ۔ مسلمانوں میں ایک ایسی ہستی موجود ہے جو تم سے زیادہ فرماں روائی کی مستحق ہے۔ وہ خود اور اُس کا باپ تم سے اور تمہارے باپ سے زیادہ قدیم الاسلام ہیں اور اس کا اور اس کے باپ کا اسلام تمہارے اور تمہارے باپ کے اسلام سے بہتر ہے۔" امیر معاویہؓ نے کہا میں بھی قدیم الاسلام ہوں اور یہ ممکن ہے کہ کوئی دوسرا شخص مجھ سے زیادہ قدیم الاسلام ہو لیکن میرے زمانے میں کوئی ایسا شخص موجود نہیں جو مجھ سے زیادہ حکومت و امارت کا اہل ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے میری اسی صلاحیت و استعداد کے پیش نظر مجھے شام کے ایک حصہ کی حکومت بخشی تھی۔ اور اگر حضرت عمرؓ کی نظر میں کوئی اور شخص مجھ سے زیادہ قابل ہوتا تو وہ عنانِ حکومت اس کی بجائے میرے سپرد نہ فرماتے۔ اور میں نے کوئی ایسا جرم و عصیان بھی نہیں کیا، جس کے باعث میرے لیے حکومت سے دست بردار ہو جانا مناسب ہو۔ بایں ہمہ اگر امیر المومنین عثمان رضؓ میری علیحدگی پسند کریں تو مجھے حکومت شام سے دست بردار ہونے میں کوئی عذر نہیں ہے۔ اور مجھے خدا کی قسم ہے

کہ اگر امورِ سلطنت کا انصرام تمہاری مرضی اور خواہش سے وابستہ ہو تو کسی مسلمان کا ایک دن یا ایک رات بھی خوش گوار نہ رہے۔"

کوفیوں نے جو سبائی نشریہ کے طوفان میں اپنا دماغی توازن کھو بیٹھے تھے مغلوب الغضب ہو کر سخت بے باکی کے ساتھ امیر معاویہ رض کی داڑھی پکڑ لی۔ کوئی اور فرماں روا ہوتا تو اسی وقت ان کی گردن مار دیتا لیکن امیر معاویہ رض جو انتہا درجے کے حلیم الطبع حکمران تھے کہنے لگے میری داڑھی چھوڑ دو اور انہیں سمجھایا کہ یہ کوفہ کی سرزمین نہیں ہے۔ اگر اہل شام تمہاری اس حرکت کو دیکھ لیں تو وہ تمہارے بارے میں میری بھی اس وقت تک کوئی بات نہ سنیں گے جب تک تمہیں موت کے گھاٹ نہ اُتار دیں گے۔"

اس کے بعد امیر معاویہ رض ان کے پاس سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور ان کے بارے میں امیر المومنین کو لکھ بھیجا کہ یہ ایسی جماعت ہے جسے عقل و فہم اور دین و ملت سے کوئی حصہ نہیں ملا۔ یہ لوگ فتنہ و فساد کی طرف مائل ہیں، اس لیے کوئی ایسی بات ان کے منہ سے نہیں نکلتی جس میں حق و صدق اور دلیل و برہان کی کوئی روشنی ہو۔" امیر المومنین نے اس کے جواب میں حکم دیا کہ ان لوگوں کو کوفہ واپس بھیج دو۔ چنانچہ وہ کوفہ واپس آئے۔ یہاں پہونچ کر وہ پہلے سے بھی زیادہ گستاخ اور بے باک ہو گئے۔ رات دن بدگوئی اور تبرا بازی کے سوا کوئی مشغلہ نہ تھا۔ سعید بن عاص حاکم کوفہ نے پھر شکایتی مکتوب دار الخلافہ روانہ کیا۔ امیر المومنین نے لکھا کہ اب ان کو عبد الرحمٰن بن خالد کے پاس حمص بھیج دو۔ (ابن اثیر)

کوفی اشرار حمص میں

عبدالرحمٰن جو سیف اللہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے صاحب زادہ تھے، شام میں امیر معاویہ رض کی طرف سے حاکم تھے۔ عبدالرحمٰن ان کی کج روی اور کوتہ اندیشی کے واقعات بالتفصیل سن چکے تھے اور اس بات کو حق الیقین جان چکے تھے کہ جن لوگوں کو امیر معاویہ رض کی آشتی اور مہمان نوازی اطاعت شعار نہیں بنا سکی، اُن کا علاج بے رخی اور بے التفاتی کے سوا کچھ نہیں۔

جب یہ لوگ حمص پہونچے تو عبدالرحمٰن ان سے کہنے لگے کہ اے آلاتِ شیطان! تم کو مرحبا نہ ہو۔ اگر میں تم لوگوں کو سیدھا نہ کر دوں تو خدا مجھے برباد کرے۔ دیکھو مجھ سے کہیں ایسی باتیں نہ کرنا جو تم معاویہ سے کر چکے ہو۔ یاد رکھو میں عبدالرحمٰن ہوں۔ خالد بن ولید کا بیٹا۔ وہ خالد جس نے کفر کو پامال کیا تھا۔ اے صعصعہ! اگر مجھے یہ اطلاع ملے کہ میرے آدمیوں میں سے کسی نے تیری ناک توڑ دی ہے اور تجھے اچھی طرح ذلیل کیا ہے تو میں اس پر بہت خوش ہوں گا۔ (ابن اثیر)

اس بیان سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ کوفی اشرار حمص پہونچتے ہی امیر عبدالرحمٰن کے سامنے پیش کیے گئے تھے۔ لیکن صاحب روضۃ الصفا لکھتے ہیں کہ عبدالرحمٰن نے ان کو نہ صرف یہ کہ ایک مہینہ تک باریاب نہ کیا بلکہ ان سے کوئی شفقت آمیز گفتگو بھی نہ کی اور امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا کہ جہاں داغنے کی ضرورت ہو وہاں آپ مرہم سے کام نکالنا چاہیں گے تو سود مند نہ ہوگا۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں ان نابکاروں سے ذرا

سلوک کروں جس کے یہ مستحق ہیں۔" امیر المومنین نے جواب دیا کہ جس طرح قرینِ مصلحت ہو اس طرح کرو۔"

امیر عبدالرحمٰن نے ان کو مہینہ بھر کے سخت انتظار کے بعد بلا بھیجا لیکن نہ تو کسی کو بیٹھنے کی اجازت دی اور نہ ہم کلام ہوئے۔ یہ لوگ ہر روز بلا کر باہر کھڑے کر دیے جاتے۔ اس کے بعد جب کھڑے کھڑے سخت تھک جاتے تو ان کو واپس بھیج دیا جاتا۔ (روضۃ الصفا)

یہی وہ انتہائی تشدد اور بطش و مواخذہ تھا جو ان شوریدہ پشتوں کے خلاف استعمال کیا گیا۔ حضرات! یہ تھی خلافت راشدہ کی رواداری اور شانِ رحمت و معدلت گستری کہ حکم شریعت سے باہر ہو کر ذرا بھی سختی روا نہیں رکھی گئی۔ اس مسالمت کا مقابلہ ذرا دنیاوی حکومتوں کے جور و استبداد سے کیجیے تو دینی اور دنیاوی حکومتوں کا فرق صاف نظر آجائے گا۔

فصل ۶۷

سعید بن عاص عاملِ کوفہ کی معزولی

دس کوفی شہریوں کے دمشق اور حمص بھیجے جانے کے بعد بھی کوفہ کی فضا پُر سکون نہ ہوئی تھی کیونکہ پیروان ابن سبا شہر میں موجود تھے اور

انہوں نے اپنے گمراہ کنندہ کے حکم کے بموجب حاکم کوفہ اور امیر المومنین رضؓ کے خلاف سخت اُدھم مچا رکھا تھا۔ چونکہ کوفہ میں شب و روز امیر المومنین رضؓ کے خلاف اور سبائی تحریک کے حق میں نشر یہ ہو رہا تھا، اس بنا پر شہر کے اکثر اوباش بھی اس تحریک میں شامل ہو گئے۔ یہ پُر آشوب حالات دیکھ کر اشعث بن قیس، سعید بن قیس، صائب بن اقرع، مالک بن حبیب، حکیم بن سلامت، جریر بن عبد اللہ، سلمان بن ربیعہ وغیرہ رؤسائے شہر جو صاحبِ اثر اور خلافتِ اسلامیہ کے وفادار تھے عارضی طور پر کوفہ سے نکل کر دوسرے مقامات کو چلے گئے۔

ایک سبائی مفسد کا کوفہ میں خروج

جب سعید بن عاص نے دیکھا کہ فتنہ انگیزوں نے علانیہ طعن و تشنیع کا بازار گرم کر رکھا ہے اور ان سے غدر و بغاوت کی علامتیں ظاہر ہو رہی ہیں تو ۳۴ھ میں اس خیال سے مدینہ منورہ جانے کا قصد کیا کہ خود زبانی تمام حالات سے خلیفۃ المسلمین کو مطلع کریں۔ روانگی سے پہلے ولایتِ کوفہ کا یہ انتظام کیا کہ اشعث بن قیس کو آذربیجان کا، سعید بن قیس کو رَے کا، نسیر عجلی کو ہمدان کا، سائب بن اقرع کو اصفہان کا، مالک بن حبیب کو ماہ کا، حکیم بن سلامہ کو موصل کا، جریر بن عبد اللہ کو قرقیسا کا، سلمان بن ربیعہ کو باب کا اور عُتیبہ بن نہاش کو حلوان کا والی مقرر کیا اور محکمہ جنگ قعقاع بن عمرو کے سپرد کیا۔ اس انتظام کے بعد یہ عامل تو اپنے اپنے صوبہ کی طرف روانہ ہوئے اور سعید بن عاص نے کوفہ میں عمرو بن حریث کو اپنا نائب مقرر

کر کے مدینہ منورہ کا راستہ لیا۔

ان کی روانگی کے بعد پیروان ابن سبا کی زبانیں اور بھی زیادہ بے لگام ہو گئیں۔ یہ لوگ علانیہ امیر المومنین اور ان کے عمال کو برا بھلا کہتے اور سب و شتم کی غلاظت اچھال رہے تھے۔

اس ہنگامہ نے یہاں تک ترقی کی کہ ایک مشہور زباں دراز سبائی یزید بن قیس نامی کوفی پیروان ابن سبا کو جمع کر کے اس ارادہ سے نکلا کہ مدینہ منورہ پہنچ کر امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کو خلع خلافت پر مجبور کرے۔ یہ دیکھ کر محکمۂ حرب کے افسر اعلیٰ قعقاع بن عمرو نے عمرو بن حریث کے مشورہ سے حامیانِ خلافت کی ایک جمعیت فراہم کر کے سبائیوں کا تعاقب کیا اور یزید بن قیس کو گرفتار کر کے اس اٹھتے ہوئے طوفان کو فرو کیا۔ یزید قعقاع کی منت سماجت کرنے لگا کہ ہمیں امیر المومنین سے کوئی پرخاش نہیں۔ ہم تو صرف سعید بن عاص کو امارت کوفہ سے برطرف کرانا چاہتے ہیں حالانکہ یہ محض فریب تھا۔ یہ لوگ سعید بن عاص سے کہیں زیادہ امیر المومنین، عثمان رضہ کے خون کے پیاسے تھے۔ قعقاع بن عمرو نے یزید کی باتوں میں آ کر اسے رہا کر دیا۔ تمام سبائی اپنے اپنے گھروں کو واپس آئے اور فضا بظاہر پرسکون ہو گئی (ابن اثیر و ابن خلدون)

دس کوفی شہریوں کی حمص سے مراجعت

سعید بن عاص جب مدینہ منورہ کو روانہ ہوئے تھے تو اسی وقت یزید بن قیس نے ان دس کوفیوں کو جو حمص میں

عبدالرحمٰن بن خالد کے زیرِ عتاب تھے لکھ بھیجا تھا کہ اس وقت میدان خالی ہے جہاں تک جلد ممکن ہو کوفہ پہونچو۔ جب یہ پیغام حمص پہونچا تو یہ لوگ اپنی گزشتہ حرکتوں پہ دبی زبان میں اور وہ بھی منافقانہ اظہارِ ندامت کرتے ہوئے امیر عبدالرحمٰن بن خالد سے مراجعتِ کوفہ کی التجائیں کرنے لگے۔ امیر عبدالرحمٰن نے دربارِ خلافت کو لکھ بھیجا کہ ان کے رویہ میں بظاہر تبدیلی پیدا ہو چکی ہے اور یہ لوگ کوفہ جانے کی اجازت چاہتے ہیں۔ وہاں سے مراجعت کا حکم آگیا اور یہ لوگ کوفہ واپس آئے۔ (روضۃ الصفا)

ان کی آمد پر سبائی انقلاب پسندوں میں ایک تازہ قوت اور نیا ولولہ پیدا ہوا۔ اشتر نخعی جو کوفہ کا ایک مشہور غنڈہ تھا، علانیہ لوگوں کو یزید بن قیس کی جمعیت میں داخل ہونے کی ترغیب دینے لگا بلکہ خود بھی اس میں شامل ہو گیا۔ جمعہ کے دن اشتر نے جامع مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر سعید کے خلاف تقریر کی۔ نمازیوں میں سے جو افراد ذی ہوش اور صاحب الرائے تھے۔ انہوں نے اشتر کو تقریر سے منع کیا لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ یزید نے مسجد سے باہر نکل کر بآوازِ بلند کہا کہ جس کا جی چاہے سعید کے خلاف احتجاج کرنے کے لیے مجھ سے اتفاق کرے۔" یہ سن کر تمام پیروانِ ابن سبا نے یزید کی رفاقت اختیار کی۔ سردارانِ کوفہ اور اہل الرائے حضرات نے ہر چند سمجھایا مگر کسی نے توجہ نہ کی۔ سب کے سب یزید کے ہمراہ نکل کھڑے ہوئے۔ عمرو بن حریث نے منبر پر چڑھ کر حمد و نعت کے بعد لوگوں کو لوٹنے اور امیر المومنین کے اطاعت شعار رہنے کی ہدایت کی

لیکن قعقاع نے کہا کہ جوش اور ولولہ کی حالت میں سیلاب کا روکنا مشکل ہے۔ ابھی صبر کرو اور دیکھو کہ مستقبل کیا رنگ دکھاتا ہے۔ اغلب ہے کہ یہ لوگ فساد سے باز نہ آئیں گے۔" یہ سن کر عمرو بن حریث منبر سے اتر آئے۔ اور جامع مسجد حاضرین سے معاً خالی ہو گئی۔ شرفاء و رؤسار کوفہ کے سوا اور کوئی شخص عمرو بن حریث کے پاس نہ رہ گیا۔

یزید بن قیس رئیس الاشرار اشتر نخعی اور دوسرے سبائی رفقاء کے ہمراہ کوفہ سے روانہ ہو کر بمقام جرعہ جو قادسیہ کے قریب ہے سعید کو روکنے کی غرض سے آٹھیرا۔ اس کے بعد سعید بھی اپنے چند رفقار بمعیت مدینہ منورہ سے رخصت ہو کر کوفہ واپس جاتے ہوئے جرعہ آپہنچے۔ یزید اور دوسرے پیروان ابن سبا ان کو دیکھ کر کہنے لگے لوٹ جاؤ ہمیں تمہاری حاجت نہیں ہے۔" سعید نے کہا اس تلخ کلامی کی ضرورت نہ تھی۔ مناسب یہ تھا کہ کسی کو امیرالمومنین کی خدمت میں اور میرے پاس اسی پیغام کے ساتھ بھیج دیتے۔" سعید کا غلام بول اٹھا کہ یہ ہرگز مدینہ واپس نہیں جائیں گے۔" رئیس الاشرار اشتر نے غلام کا پاؤں پکڑ کر اونٹ پر سے کھینچ لیا اور تلوار کے ایک وار سے اس کو بے جان کر کے کہا جاؤ عثمان سے کہہ دو کہ ابو موسیٰ کو بھیج دیں۔" سعید الٹے پاؤں مدینہ منورہ پہونچے اور حضرت عثمانؓ کو واقعہ کی اطلاع دی۔ امیرالمومنین نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو جو ۲۹ھ میں بصرہ کی حکومت سے معزول ہوئے تھے کوفہ کا والی مقرر کر کے روانہ فرما دیا اور اہل کوفہ کو لکھا کہ تم لوگ جس کو چاہتے تھے۔ میں نے

اسی کو تمہارا امیر مقرر کیا ہے۔ ابو موسیٰ تمہارے پاس آتے ہیں۔ میری خواہش ہے کہ تمہاری زیادتیوں کو برداشت کرتا ہوا تمہاری اصلاح کی بھی پوری طرح کوشش کروں گا۔" (ابن خلدون)

حضرت ابو موسیٰؓ کوفہ میں

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضؓ نے کوفہ پہونچ کر جمعہ کے دن خطبہ دیا جس میں جماعت المسلمین کے تفرقے مٹانے کی اہمیت ظاہر فرمائی اور لوگوں کو امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے اطاعت شعار رہنے کی تاکید کی۔ اس تقریر سے کوفہ میں بہت بڑی حد تک سکون پیدا ہوا اور کم از کم وہ لوگ جن کے دماغ سبائی فتنے سے ماؤف نہ تھے مطمئن ہو گئے۔ اور وہ امرا بھی واپس آئے جو قرب و جوار میں چلے گئے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب تمام دنیائے اسلام پُر آشوب تھی اور ابن سبا نے ہر طرف سازشوں اور فتنہ پردازیوں کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ حضرت ابو موسیٰ رضؓ کو مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی یاد تھی۔ اس لیے ان کو یقین تھا کہ عالم اسلام میں عن قریب ہولناک خانہ جنگیوں کا سلسلہ شروع ہونے والا ہے۔ وہ عموماً اپنے مواعظ میں اہل کوفہ کو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی سناتے اور آنے والے فتنوں سے کنارہ کش رہنے کی ہدایت فرماتے تھے (ابن اثیر وغیرہ)

فصل ۶۸

عامر تمیمی کا ورود مدینہ اور خلافت مآب رض کی شان میں گستاخی

جب امیر المومنین رض کے کوفی معاندین نے دیکھا کہ حضرت ابو موسیٰ رض کی آمد پر کوفہ پر سکون ہو گیا ہے اور لوگ اُن کی حکومت پر مطمئن ہیں تو انہوں نے سیدنا عثمان رض کے دیگر عمال اور کوفہ کے ارد گرد کے دوسرے حکام کی شکایتیں شروع کر دیں اور خط و کتابت کر کے اہل مدینہ کو بھی بدگمان کرنے کی کوشش کی۔

جب مسلمانان مدینہ کے پاس عاملوں کی شکایت میں چٹھیاں پہونچتیں تو وہ بے چین ہوتے اور بسا اوقات امیر المومنین سے مل کر انہیں عمال کی معزولی کا مشورہ دیتے لیکن چونکہ امیر المومنین اپنے مقرر کردہ حاکموں کو بے قصور پاتے اس لیے ان کی معزولی میں پس و پیش کرتے۔ آخر متواتر شکایتی خطوط کی آمد پر مدینۃ الرسول میں بھی سرگوشیاں ہونے لگیں۔ تاہم صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم لوگوں کو فتنے سے بچنے رہنے اور اطاعتِ خلیفہ کی برابر تاکید کرتے رہے۔ یہ وہ وقت تھا جب کہ عبداللہ بن سبا کے گماشتے ممالکِ محروسہ کے اکثر شہروں اور قصبوں میں پہونچ چکے تھے اور اس

کے پیرو بھی قریب قریب ہر جگہ موجود ہو چکے تھے کیونکہ دنیا میں کوئی بد سے بدتر تحریک بھی ایسی نہیں جس کا نشر یہ کسی بڑی یا چھوٹی جماعت کے قیام سے قاصر رہا ہو۔

چونکہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی تشریف آوری پر پیروان ابن سبا کے ہاتھ میں کوفہ کے اندر غلط فہمیاں پھیلانے کا کوئی کامیاب حربہ باقی نہ رہ گیا تھا، انہوں نے ازراہِ شقاوت ارادہ کیا کہ خاص دارالخلافہ مدینہ منورہ میں فتنہ و فساد کی مزید بارود بچھائی جائے۔ چنانچہ ان لوگوں نے بالاتفاق عامر بن عبداللہ تمیمی عنبری نام ایک چالاک و لسان سبائی کو اس غرض سے مدینۃ الرسول بھیجا کہ وہاں پہونچ کر عمالِ عثمانی کے من گھڑت معائب و مظالم بیان کرے۔ اس شخص نے مدینہ منورہ پہونچ کر سب سے پہلے مسجد نبوی میں شر انگیزی شروع کی۔ جب حضرت خلافت مآب رضی اللہ عنہ نماز پڑھا کر فارغ ہوئے تو معاً کھڑا ہو گیا اور سخت رندانہ جسارت اور مارقانہ دیدہ دلیری سے بولا اے عثمان! تم نے بڑے بڑے ناروا کام کیے ہیں اس لیے لوگوں نے ہر جگہ تمہارے افعال پر حرف گیری شروع کر رکھی ہے۔ پس تم کو چاہیے کہ اللہ سے ڈرو اور توبہ کرو۔" امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے حاضرین سے خطاب کر کے فرمایا تم لوگ اس شخص کی غیر مہذب باتیں سنتے ہو؟ یہ مجھ سے بالمواجہ ایسی نا ملائم باتیں کہہ رہا ہے۔ اگر اس کو خوف خدا ہوتا اور اللہ تعالیٰ کو پہچانتا تو ایسی دریدہ دہنی نہ کرتا۔" عامر بولا میں اللہ کو پہچانتا ہوں۔ مگر تم ظالم ہو اور بے شک اللہ ظالموں پر قابو پانے والا ہے۔

کوئی دنیاوی حکمراں ہوتا تو اس کو اس زبان درازی کا اچھی طرح مزا چکھاتا۔ لیکن امیر المومنین اپنی معتاد حلم شعاری کے اقتضاء سے صبر کا گھونٹ پی کر خاموش ہو گئے۔ (ابن خلدون وغیرہ)

فصل ۶۹

ابن سبا کا شام اور مدینہ منورہ سے اخراج!

ابن سبا کوفہ سے نکل کر دوبارہ عازم شام ہوا۔ شام کے دارالامارت دمشق پہونچ کر اس نے از سر نو سازشوں کے جال پھیلانے شروع کیے اور کوشش کی کہ بصرہ اور کوفہ کی طرح یہاں بھی امیر المومنین اور ان کے عمال کے خلاف بے پناہ نشر یہ کرے۔ لیکن یہاں امیر معاویہ رض جیسے فرزانہ روزگار فرماں روا کی حکومت تھی۔ اس لیے یہاں فتنہ کی بارود چھانی ہی شروع کی تھی کہ حکم اخراج آپہونچا اور اس کو سرزمین شام سے نکل جانا پڑا۔

اس نے شام سے مدینہ منورہ کو مراجعت کی لیکن یہاں بھی پیہم بدسگالی اور حضرت خلیفۃ المسلمین رضی اللہ عنہ کی عیب جوئی کو اپنا شعار بنائے رکھا۔ جب امیر المومنین رض کو ان شرانگیزیوں کی اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ یہ شخص بہت دنوں سے فتنہ انگیزی کر رہا ہے اور ہم اس کو برداشت

کرتے جا رہے ہیں مگر تا کجے؟ آخر مدینہ منورہ سے اس کے اخراج کا حکم دیا۔

(روضۃ الصفا)

امیر المومنین رضؓ کے نزدیک حکمِ اخراج میں شاید یہ مصلحت مضمر تھی کہ اتنے مقامات سے خارج البلد ہونے کے بعد اب اسے کافی عبرت اور تنبیہ ہو جائے گی اور نادم ہو کر اپنے کرتوت سے باز آجائے گا مگر جس شخص کا مقصدِ حیات ہی فتنہ انگیزی ہو وہ اپنی حرکتوں سے کیوں کر باز رہ سکتا تھا۔ ابن سبا بصرہ، کوفہ، دمشق اور مدینہ منورہ چار مقامات سے خارج کیا گیا لیکن افسوس ہے کہ اس عدوے دین کو اسلام کی بیخ کنی اور شیرازۂ ملّی کی پراگندگی کے لیے کھلا چھوڑ دیا گیا اور کسی نے اس کو موت کے گھاٹ اتار کر فتنوں کا سدِّ باب نہ کر دیا حالانکہ اگر مثلاً امیر معاویہ رضؓ شروع ہی میں جب کہ اس نے دمشق میں حضرت ابوذر غفاری، حضرت ابو دردا، اور حضرت عُبادہ بن صامت رضی اللہ عنہم کو ورغلانا شروع کیا تھا، اس کی گردن مار دیتے یا زندانِ بلا میں ڈال کر کال کوٹھڑی میں بند کر رکھتے تو چمنِ اسلام کو اس کے ہاتھوں یوں پامالِ خزاں نہ ہونا پڑتا۔ مگر تقدیر کے لکھے کو کون مٹا سکتا ہے؟ شیعہ اور خارجی فرقوں کا حدوث، امیر المومنین عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا قتل اور مسلمانوں کا باہمی تصادم روزِ ازل سے مقدر تھا، اس لیے امیر المومنین یا اُن کے کشتی والی کو اس جانب التفات نہ ہوا کہ بانئ فتنہ کا قلع قمع کر کے فتنوں کا سدِّ باب کر دینا کس درجہ اہم ہے۔ ابن سبا کی یہ مطلق العنانی

امیر المومنین ہی کے غیر معمولی حلم و رفق کا نتیجہ تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ کسی نے امیر المومنین حضرت عثمان رضہ کو جب یہ مشورہ دیا کہ اس یہودی نے ہر طرف آفت مچا رکھی ہے، اس لیے اس کو زندگی کی رسوائی سے نجات بخشنا نہایت ضروری ہے تو امیر المومنین نے جواب دیا کہ یہ شخص حلقۂ اسلام میں داخل ہوا تھا۔ اس کے بعد جب تک علانیہ دائرۂ دین سے خارج نہ ہو جائے، میں اس کو قتل نہیں کر سکتا۔ الغرض فتنہ سامانیوں کے لیے اس کی رسی برابر دراز رہی۔

فصل ۷۰

ابن سبا کا ورود مصر

مدینۃ الرسول سے خارج ہو کر ابن سبا مصر پہونچا۔ یہاں اس نے اپنے سابقہ تجربوں سے فائدہ اٹھا کر اعلان و شہود کی بجائے نہایت خاموشی اور رازداری کے ساتھ کام شروع کیا اور حسبِ معمول حُبِ اہل بیت اور حمایتِ علی رضہ کو خاص ذریعۂ کامیابی بنایا۔

سرورِ عالم ؐ کی آمدِ ثانی کا عقیدہ

مصر پہونچنے کے بعد اس کی تعلیمات میں یہ عقیدہ بھی داخل ہو گیا کہ حضرت مسیح (علیہ السلام) کی طرح محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے۔ وہ کہتا تھا کہ مجھے ان لوگوں پر تعجب ہے کہ عیسیٰ بن مریم کی آمدِ ثانی کے تو قائل ہیں لیکن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے رجوع کو تسلیم نہیں کرتے حالانکہ خاتم الانبیاء (صلی اللہ علیہ وسلم) عیسےٰ علیہ السلام سے بھی زیادہ افضل ہیں اس لیے وہ رجوع کے زیادہ مستحق ہیں۔ (ابن جریر طبری وابن اثیر)

مگر یہ انتہا درجہ کی لغو بیانی تھی کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت آپؐ کی آمدِ ثانی کو مستلزم ہے۔ جس متنفس پر ایک دفعہ موت طاری ہو گئی اور وہ دوسرے انسانوں کی طرح قبر میں دفن کر دیا گیا، قیامت سے پہلے اُس کا دوبارہ دنیا میں آنا بالکل ناممکن ہے خواہ وہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ہی کیوں نہ ہوں۔

حضرتِ مسیحؑ کی آمدِ ثانی

حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزہ سے جو دو تین مُردوں میں زندگی کی روح دوڑ گئی تھی تو وہ چند ساعتوں کے بعد پھر آغوشِ لحد میں جا سوئے تھے۔ پس ان کی ہنگامی اور عارضی زیست، دنیا میں دوبارہ آنے کا مصداق نہیں ٹھیر سکتی۔ البتہ خود مسیح علیہ السلام اس سرائے فانی میں ضرور تشریف لائیں گے کیونکہ آپ نے ہنوز اپنی زندگی کا دور ختم نہیں کیا۔

جب آپ بھی اپنی مدتِ حیات پوری کر کے سپردِ گور ہو جائیں گے تو پھر قیامت سے پہلے آپ کا بھی دنیا میں تشریف لانا ناممکن ہو گا علمائے یہود نے پولیس کی بہت بڑی جمعیت لا کر حضرت مسیح علیہ السلام کا مسکن گھیر لیا تھا اور آپ کے نکلنے کا بھی کوئی راستہ نہ چھوڑا تھا۔ اس لیے جبریل علیہ السلام نے بحکم ربِ جلیل آپ کی حفاظت کے لیے مکان کی چھت پھاڑ دی اور آپ آسمان پر زندہ اٹھا لیے گئے۔ اس اعجوبہ سے خدائے قادر و توانا کو اپنی قدرتِ قہرمان کا اظہار مقصود تھا۔ مسیح علیہ السلام قربِ قیامت کو منصبِ نبوت پر بحال رہنے کے باوجود مجددِ اسلام کی حیثیت سے زمین پر نازل ہوں گے اور دینِ اسلام کی تائید و نصرت فرماتے ہوئے موجودہ نصرانیت کا ابطال فرمائیں گے۔

نزولِ مسیح کے بعد ساری دنیا کا دین، اسلام ہو گا

گو حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم زیرِ زمین آرام فرما ہیں مگر آپؐ کی رفعتِ شان کا یہ عالم ہے کہ ایک اولو العزم رسول جو آسمان کا مکین اور ملائکۃ الرحمٰن کا جلیس ہے، آپؐ کے دین کی نصرت و تائید کے لیے زمین پر آئے گا اور اپنے نام نہاد نصرانی پیرووں کو متنبہ کرے گا کہ دینِ حق صرف اسلام ہے۔ پس وہ معاً دینِ اسلام میں داخل ہو جائیں گے اور ساری دنیا اسی ایک دین کے جھنڈے تلے آ جائے گی۔ چنانچہ حضور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

يُهْلِكُ اللّٰهُ فِي زَمَانِ الْمَسِيْحِ بْنِ مَرْيَمَ الْمِلَلَ كُلَّهَا إِلَّا الْإِسْلَامَ

(رواہ احمد ابوداؤد وقال الشیخ ابن حجر فی الفتح حدیث صحیح)

حق تعالیٰ مسیح بن مریمؑ کے زمانے میں اسلام کے سوا تمام ملتوں کو معدوم کر دے گا۔

جس طرح اصحابِ کہف دنیا کے کسی مقام پر صدہا سال اکل وشرب کے بغیر زندہ رہے، اسی طرح ممکن تھا کہ مسیح علیہ السلام بھی آسمان پر چڑھائے جانے کی بجائے دنیا کے کسی مخفی مقام پر رکھے جاتے۔ پھر قربِ قیامت کو ظاہر ہو کر دینِ اسلام کی تائید فرماتے لیکن چونکہ آپ کلمۃ اللہ تھے اور کلمات اللہ بحکم اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ آسمان کی طرف چڑھتے ہیں، اس مناسبت سے آپ نے عالمِ بالا کو صعود فرمایا، اور آسمان آپ کا ہجرت گاہ قرار پایا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے ہزارہا سالہ قیامِ سماوی کے بعد دنیا میں بطور خادمِ اسلام اور حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی کی حیثیت سے تشریف لانے میں ایک تو نبیٔ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت اور دینِ اسلام کی صداقت کا اظہار منظور ہے۔ دوسرے خدائے حکیم وبرتر یہ چاہتا ہے کہ قیامِ قیامت سے پہلے کم از کم ایک مرتبہ ساری مخلوق صبغۃ اللہ (اللہ کے رنگ) میں رنگی جائے۔

⁂ ⁂ ⁂

حضرت مسیح کا علیٰ رؤس الاشہاد آسمان سے اترنا

اور ظاہر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا پردہ زمین کے کسی مخفی مقام سے ظاہر ہو کر یہ بیان کرنا کہ میں مسیح بن مریم ہوں، اس قدر مفید یقین نہیں ہو سکتا جس قدر کہ آپ کا آسمان سے نازل ہونا لوگوں کے لیے مشعلِ ہدایت ثابت ہوگا۔ کیونکہ صحیح مسلم کی حدیث کے موافق آپ دن دہاڑے دو فرشتوں کے سہارے آسمان سے دمشق کے سفید شرقی مینار پر اتریں گے اور پھر لوگوں کے دیکھتے دیکھتے زمین پر تشریف لائیں گے۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوسرے براہینِ صدق کی طرح یہ بھی آپ کا ایک معجزہ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ جب اور پوٹر اور دوسری خبر رساں ایجنسیوں کے مغربی نمائندے حضرت مسیح علیہ السلام کو آسمان سے اُترتے دیکھ کر دنیا کے کونے کونے میں بے برقی گھوڑے دوڑا دیں گے کہ دمشق میں ہزارہا انسانوں نے مسیح علیہ السلام کو بچشمِ خود آسمان سے اترتے دیکھا تو اُس وقت یورپ اور امریکہ کے لاکھوں مثلثین جو مسیح علیہ السلام کو خدا بنائے بیٹھے ہیں، آپ کے شرفِ دید کے لیے اٹھ دوڑیں گے اور خود "اپنے خداوند" کی زبانِ مبارک سے یہ سن کر کہ اسلام ہی دنیا کا سچا دین ہے، نہ صرف یورپ اور امریکہ بلکہ دنیا کی ہر قوم اور ہر ملک کا ہر باشندہ مشرف بایمان ہو کر امتِ محمدی میں داخل ہو جائے گا۔ ور اگر آپ آسمان سے نازل ہونے کی بجائے زمین ہی کے کسی مخفی مقام سے برآمد ہوں تو یہ ظہور بہت کم لوگوں کے لیے مفید یقین ہو سکتا ہے۔

آیتِ قرآنی سے غلط استدلال

ابن سبا نے اپنے دامِ افتادوں کو بتایا کہ خدائے عز وعلا نے اپنے حبیب رسولؐ سے کلام پاک کی اس آیت میں مراجعتِ محمدی کا وعدہ فرما رکھا ہے :-

إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلَىٰ مَعَادٍ

(۲۸ : ۸۵)

(ابن اثیر و روضۃ الصفا)

اے رسول ! جس خدا نے آپ پر قرآن (کی تعلیمات پر عمل اور اس کی تبلیغ) فرض کی ہے وہ آپ کو آپ کے اصل وطن (مکہ معظمہ) میں پھر بھی پہونچائے گا ۔

حالانکہ یہ آیت اُس وقت نازل ہوئی تھی جب آپؐ وطن مالوف سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ کو جا رہے تھے ۔ رب العالمین عز اسمہٗ نے اس آیتِ پاک میں آپؐ کو تسلّی دی کہ آپ ترکِ وطن کے بعد پھر بھی مکہ آئیں گے ۔ چنانچہ اس پیشین گوئی کے مطابق آپؐ اس کے بعد تین مرتبہ قدوم فرمائے مکہ معظمہ ہوئے ۔ ایک تو معاہدۂ حُدَیبیہ کے مطابق عُمرہ کرنے کے لیے اور دوسری مرتبہ فتح مکہ کے دن ۔ اور تیسری مرتبہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر ۔

ابن سبا نے اپنے گم کردگانِ راہ پیرووں کو یہ بھی بتایا کہ محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے پہلے ہزار نبی ہو گزرے ہیں اور ہر نبی کا وصی ہوا ہے اور علی رض محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وصی ہیں ۔ اس کا قول تھا کہ محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) خاتم الانبیاء تھے اور علی خاتم الاوصیاء ہیں ۔ اور کہتا تھا کہ اُس

شخص سے زیادہ ظالم کوئی نہیں جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت جاری نہ ہونے دی اور اس کو پس پشت ڈال کر ابوبکر کو خلیفہ بنا دیا۔ (ابن جریر طبری)

حضرت علی رضی کا بیعت لینے سے انکار

مگر ابن سبا کا یہ قول، محض دروغ بافی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت مرتضوی کی وصیت فرمائی تھی۔ اسی طرح اس کا یہ بیان بھی سراپا کذب و افترا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کو پس پشت ڈال دیا تھا۔ اگر خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لیے خلافت کی وصیت کی ہوتی تو حضرت علی رض رحلت نبوی کے بعد بیعت لینے سے کبھی انکار نہ کرتے۔ وصال نبوی کے بعد حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ اور ابوسفیان بن حرب نے باہم مشورہ کر کے یہ طے کیا تھا کہ خلافت عبد مناف کے خاندان سے باہر نہ جانے پائے، اس لیے دونوں نے حضرت علی رض کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا قصد کیا۔ حضرت علی رض نے بیعت لینے سے انکار کیا اور فرمایا:۔

اَیُّهَا النَّاسُ شُقُّوْا اَمْوَاجَ الْفِتَنِ بِسُفُنِ النَّجَاتِ وَعَرِّجُوْا عَنْ طَرِيْقِ الْمُنَافَرَةِ وَضَعُوْا تِيْجَانَ الْمُفَاخَرَةِ	لوگو! فتنوں کی موجوں کو نجات کی کشتیوں سے طے کرو اور منافرت کے راستہ سے ہٹ جاؤ۔ فخر و تعلی کا تاج سر سے اتار دو اُس نے نجات پائی جو قوتِ بازو سے اٹھا۔

اَفْلَحَ مَنْ نَهَضَ بِجَنَاحٍ اَوِ اسْتَسْلَمَ فَاَرَاحَ مَاءٌ اٰجِنٌ وَلُقْمَةٌ يَغَصُّ بِهَا اٰكِلُهَا وَمُجْتَنِي الثَّمَرَةِ بِغَيْرِ وَقْتِ اِيْنَاعِهَا كَالزَّارِعِ بِغَيْرِ اَرْضِهٖ	یا صلح کرکے آرام پہونچایا۔ یہ ایک تلخ لقمہ ہے جو کھانے والے کا گلا پکڑ لیتا ہے پختگی سے پہلے میوہ کا توڑنے والا اُس شخص کی مانند ہے جو دوسرے کی زمین میں زراعت کرے۔

(نہج البلاغت مطبوعہ مصر قسم اول ص۳۹)

دیکھو حضرت علی رضؓ نے کس طرح صاف لفظوں میں بیعت لینے سے انکار کیا اور اپنے بیعت لینے کو قبل از وقت قرار دیا۔ اگر آپ خلیفہ منصوص ہوتے یعنی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ کی خلافت کی وصیت فرمائی ہوتی تو یہ انکار قطعًا بے محل اور سخت ناجائز بلکہ معصیت تھا۔

اخذ بیعت سے دوبارہ اعراض

حضور سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر متفق تھے اس لیے خوفِ فتنہ حضرت علی رضؓ کو اخذ بیعت سے مانع رہا مگر سوال یہ ہے کہ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حادثۂ شہادت کے بعد جب کہ ہنوز کسی کی خلافت قائم نہ ہوئی تھی، حضرت علی رضؓ نے بیعت لینے سے کیوں انکار کیا؟ حضرت علی رضؓ نے اس موقعہ پر ایک خطبہ دیا جس میں فرمایا:-

دَعُوْنِیْ وَالْتَمِسُوْا غَیْرِیْ	مجھے چھوڑ دو اور میری بجائے کسی اور سے

فَاِنَّا مُسْتَقْبِلُوْنَ اَمْرًا لَهٗ وُجُوْهٌ وَّاَلْوَانٌ لَا تَقُوْمُ لَهُ الْقُلُوْبُ وَلَا تَثْبُتُ عَلَيْهِ الْعُقُوْلُ وَاِنَّ الْاٰفَاقَ قَدْ اَغَامَتْ وَالْمَحَجَّةَ قَدْ تَنَكَّرَتْ وَاعْلَمُوْا اَنِّيْ اِنْ اَجَبْتُكُمْ رَكِبْتُ بِكُمْ مَا اَعْلَمُ وَلَمْ اُصْغِ اِلٰى قَوْلِ الْقَائِلِ وَعَتْبِ الْعَاتِبِ وَاِنْ تَرَكْتُمُوْنِيْ فَاَنَا كَاَحَدِكُمْ وَلَعَلِّيْ اَسْمَعُكُمْ وَاَطْوَعُكُمْ لِمَنْ وَلَّيْتُمُوْهُ اَمْرَكُمْ وَاَنَا لَكُمْ وَزِيْرًا خَيْرٌ لَّكُمْ اَمِيْرًا

بیعت لینے کی درخواست کرو۔ ہم پر ایک ایسا حال پیش آنے والا ہے جس کی مختلف صورتیں اور مختلف رنگ ہوں گے۔ نہ دل اس پر قائم رہیں گے اور نہ عقلیں برقرار رہیں گی۔ آسمان کے کنارے غبار آلود ہو رہے ہیں اور راہ کی پہچان جاتی رہی ہے۔ یاد رکھو کہ اگر میں تمہاری درخواست قبول کر لوں تو تمہارے ساتھ اپنے علم و فہم کے موافق سلوک کروں گا اور کسی کے قول اور کسی عاتب کے عتاب کی طرف توجہ نہ کروں گا۔ اور اگر تم مجھے چھوڑ دو تو میں تم میں سے ایک شخص کی حیثیت سے رہوں گا اور امید ہے کہ میں تم سے زیادہ اس شخص کی اطاعت کروں گا جس کو تم اپنا والی بناؤ گے اور یاد رکھو کہ تمہارے لیے میرا وزیر رہنا میرے خلیفہ ہونے کی نسبت زیادہ بہتر رہے گا۔

نہج البلاغت مطبوعہ مصر
قسم اول
ص ۱۹۸

حضرت علیؓ کا ایک اور خطبہ ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں:-

وَاللّٰهِ مَا كَانَتْ لِيْ فِي الْخِلَافَةِ رَغْبَةٌ

واللہ نہ تو مجھے خلافت کی کچھ رغبت

رَغْبَۃٌ وَّلَا فِی الْوِلَایَۃِ اَرْبَۃٌ وَّلٰکِنَّکُمْ دَعَوْتُمُوْنِیْ اِلَیْہَا وَحَمَلْتُمُوْنِیْ عَلَیْہَا فَلَمَّا اَفْضَتْ اِلَیَّ نَظَرْتُ اِلٰی کِتَابِ اللّٰہِ وَمَا وَضَعَ لَنَا وَاَمَرَنَا بِالْحُکْمِ بِہٖ فَاتَّبَعْتُہٗ وَمَا اسْتَسَنَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ

تھی اور نہ حکومت و فرماں روائی کی کچھ حاجت۔ لیکن تم لوگوں نے مجھے اس کی طرف بلایا اور اس کے قبول کرنے پر آمادہ کیا۔ پس جب میں خلیفہ ہو گیا تو میں نے کتاب اللہ پر نظر کی اور جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے مقرر کیا اس کے ساتھ حکم کرنے کو فرمایا اور میں نے سنتِ نبوی کا اقتدار کیا۔

(ایضاً۔ ص ۴۴۵)

اِس خطبہ سے بھی ثابت ہوا کہ حضرت علیؓ کی خلافت پر کوئی نص نہ تھی، ورنہ خلافت کی خواہش نہ ہونے کے کیا معنیٰ؟ نص اُس کلام کو کہتے ہیں جو کسی غرضِ خاص کے حصول سے وابستہ ہو اور اصل مطلوبِ گفتگو ہو۔ اس خطبہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے ماتحت نہیں بلکہ لوگوں کے اصرار سے خلافت قبول کی تھی۔ اور یہ امر بھی پایۂ ثبوت کو پہونچا کہ کتاب و سنت کے سوا اور کوئی چیز واجب الاطاعت نہیں اور نہ کتاب و سنت کے سوا کوئی چیز حضرت علیؓ کے پاس تھی۔

خلافتِ نبوی کے متعلق حضرت علیؓ کی تصریحات | سبائی فرقہ کا بیان ہے کہ

حضرت علی رض کی خلافت منصوص تھی اور ہادئ انام صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے وصیت فرمائی تھی۔ لیکن اس موضوع پر یہاں حضرت علی رض کا اپنا بیان درج کیا جاتا ہے جس سے معلوم ہوگا کہ شیعی افسانہ کہاں تک درخورِ التفات ہے۔

ابن عساکر نے حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت کی کہ جب امیر المومنین علی رض بصرہ تشریف لے گئے تو ابن الکواء اور قیس بن عبادہ نے حاضرِ خدمت ہو کر التماس کی کہ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی خلافت کے لیے وصیت فرمائی تھی۔ اس بارے میں آپ سے بڑھ کر اور کون ثقہ ہوگا جس سے ہم دریافت کریں۔ حضرت علی رض نے فرمایا کہ یہ تو غلط ہے کہ آں حضرتؐ نے اس معاملے میں کوئی وصیت فرمائی تھی۔ جب میں نے سب سے پہلے آپؐ کی تصدیق کی تو آپؐ پر سب سے پہلے جھوٹ کیوں تراشوں؟ اگر پیغمبر علیہ السلام نے فی الحقیقت کوئی وصیت فرمائی ہوتی تو میں ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر کیوں کھڑا ہونے دیتا بلکہ میں ان کو اپنے ہاتھ سے نہ قتل کر دیتا خواہ ایک متنفس بھی میرا ساتھ نہ دیتا۔

اس کے بعد حضرت علی رض نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات دفعۃً نہیں ہوئی تھی بلکہ آپؐ کئی دن علیل رہے۔ ہر نماز کے وقت مؤذن حاضر ہو کر آپؐ کو نماز کی اطلاع دیتا تھا تو آپؐ حکم دیتے تھے کہ ابوبکر رض نماز پڑھائیں حالانکہ حضور انور میرے رتبہ اور مقام سے واقف تھے۔ امہات المومنین رض

ہم سے ایک نے آپؐ کو اس حکم سے کہ ابوبکرؓ نماز پڑھائیں، باز رکھنا چاہا تو آپؐ ناراض ہوئے اور فرمایا کہ تم تو یوسف علیہ السلام کے زمانے کی سی عورتیں ہو۔ ابوبکر ہی نماز پڑھائیں گے" جب آپؐ اپنے رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے تو ہم نے اُس شخص (حضرت ابوبکر صدیق رضؓ) کو اپنی دنیا کے لیے بھی قبول کر لیا جس کو اللہ کے برگزیدہ رسولؐ نے ہمارے دین کے لیے منتخب فرمایا تھا کیونکہ نماز اصلِ دین ہے اور آپؐ دین کے امیر اور اس کے قائم کرنے والے تھے۔ ہم نے ابوبکرؓ سے بیعت کر لی جس کے وہ اہل تھے اس بیعت میں کسی نے اختلاف نہ کیا اور نہ ان کے دورِ خلافت میں ان سے کوئی شکایت پیدا ہوئی۔ اسی بنا پر میں نے ان کا حق ادا کیا اور ان کی اطاعت کی اور ان کے لشکر میں شامل ہو کر اعدائے دین سے لڑتا رہا جو کچھ مجھے دیتے تھے لے لیتا تھا۔ جہاں کہیں رزم خواہ ہونے کا حکم دیتے تھے وہاں جا کر لڑتا تھا اور جب کبھی حدودِ شرعیہ کے لیے فرماتے تھے میں ان کے روبرو مجرموں کو تازیانے لگاتا تھا۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ابوبکرؓ اپنی رحلت کے وقت عمرؓ کو اپنا جانشین بنا گئے پس ہم نے حضرت عمرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی اور ہم میں سے کسی ایک نے بھی ان کی بیعت میں اختلاف نہ کیا۔ میں نے ان کے ساتھ بھی اطاعت و فرماں برداری کا وہی سلوک کیا جو حضرت ابوبکرؓ سے کرتا رہا تھا۔ میں حضرت عمرؓ کے لشکر میں شامل ہو کر غزا کرتا رہا۔ وہ جو کچھ مجھے دیتے تھے لے لیتا تھا۔ اور جب حدِ شرعی کے لیے حکم دیتے تو میں اس کی تعمیل میں مجرموں کو تازیانے لگاتا تھا۔

حضرت علی رضہ کا بیان ہے کہ جب حضرت عمر رضہ پر قاتلانہ حملہ ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی قرابت، سبقتِ اسلام اور اسلامی خدمات کے پیشِ نظر مجھے خیال ہوا کہ حضرت عمر رضہ مجھے خلیفہ بنا جانے سے اعراض و تخلف نہ فرمائیں گے لیکن انہوں نے کسی کے لیے وصیت نہ کی کیونکہ انہیں یہ خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں وہ ایسے شخص کو خلیفہ نہ منتخب کر جائیں جس کی خلافت ناکام ہو اور اس کا وبال ان کی گردن پہ رہے۔ اسی خیال سے انہوں نے میری طرح اپنی اولاد کو بھی خلافت سے محروم کر دیا۔ اگر حضرت عمر رضہ بخشش و عطا کے عام اصول پہ چلتے تو ان کے اپنے فرزند عبداللہ بن عمر رضہ سے بڑھ کر مستحق خلافت کوئی نہ تھا لیکن وہ اس مسئلہ کو اربابِ حل و عقد کی مرضی پر چھوڑ کر واصل بحق ہو گئے۔

حضرت علی رضہ فرماتے ہیں کہ اب انتخابِ خلیفہ کا کام قریش کے ہاتھ میں آیا جس میں میں بھی داخل تھا۔ جب سب لوگ انتخاب کے لیے جمع ہوئے تو میں نے خیال کیا کہ اب یہ لوگ مجھ سے اعراض و تجاوز نہ کریں گے۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضہ نے ہم سے وعدہ لے لیا کہ جو کوئی خلیفہ مقرر کیا جائے ہم اس کی خلافت کو تسلیم کریں گے اور اس کے اطاعت شعار رہیں گے۔ اس کے بعد انہوں نے عثمان رضہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اب مجھے معلوم ہوا کہ مجھ سے جو وعدہ لیا گیا تھا وہ عثمان رضہ کی اطاعت کے لیے تھا۔ الغرض میں نے عثمان رضہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور ان سے بھی اسی طرح پیش آیا جس طرح اس سے پہلے حضرات شیخین کے ساتھ پیش آتا رہا۔ جب حضرت عثمان رضہ شہید کیے گئے

تو میں نے خیال کیا کہ وہ لوگ بھی رخصت ہو چکے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارا امام بنایا تھا اور وہ صاحب بھی عازم فردوس ہوئے جن کی اطاعت کا مجھ سے وعدہ لیا گیا تھا اس لیے انجام کار میں لوگوں کی استدعا پر خود بیعت لینے پر آمادہ ہو گیا۔ (تاریخ الخلفاء)

فصل ۱۷

سبائی داعیوں کے طریق ہائے کار

عبداللہ بن سبا اپنی مغویانہ تعلیمات سے لوگوں کو درپردہ راہِ حق سے برابر پھیرتا رہا تا آنکہ عالم اسلام میں اس کا ایک مستقل مذہب قائم ہو گیا جو آج بھی شیعہ یا امامیہ یا اثنا عشریہ کے نام سے اسلامی دنیا کے اکثر حصوں میں موجود ہے۔ ابن سبا کی آمد سے پہلے اسلام متحد تھا۔ اہل سنت کے سوا جو حضور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے پیرو ہیں یا دوسرے لفظوں میں اہل بیت اطہار اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طریقے پر چلتے ہیں، دنیا کسی دوسرے اسلامی فرقہ کے نام سے آشنا نہ تھی لیکن ابن سبا کی نامبارک کوششوں سے شیعیت بھی من حیث الجماعت اہل سنت کے مقابلے میں کھڑے ہو کر چشم نمائی کرنے لگی۔ یہ جماعت شیعانِ

ابن سبا کی جگہ شیعانِ علی رض کے نام سے اس لیے مشہور ہوئی کہ ابن سبا لوگوں کو اپنی پیروی کی دعوت نہ دیتا تھا بلکہ اپنے آپ کو حتی الامکان مخفی رکھ کر لوگوں کو حضرت علی اور اہلِ بیتِ نبوت کی طرف بلاتا تھا۔ کیونکہ اس تحریک سے تخریبِ اسلام کے سوا اس کو کوئی ذاتی غرض یا شہرت مطلوب نہ تھی۔

کچھ دنوں کے بعد ابن سبا نے مصر کو اپنا تبلیغی مرکز بنا لیا۔ یہیں سے ہر طرف اس کے احکام جاری ہوتے تھے۔ وہ دوسرے اہم مقامات کی طرح مصر سے کیوں خارج نہ کیا گیا؟ اس کی دو وجہیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ مصر کا ایک جمِ غفیر محمد بن ابی بکر اور محمد بن ابی حذیفہ کی مثال کی پیروی کر کے امیر المومنین کی مخالفت میں متحد ہو گیا تھا۔ محمد بن ابی بکر اور محمد بن ابی حذیفہ عقائد میں ابن سبا سے اختلاف رکھنے کے باوجود اس کے حامی و مؤید تھے۔ دوسرے خود ابن سبا کے پیروؤں کی تعداد اب اتنی بڑھ گئی تھی کہ عبداللہ بن سعد والیٔ مصر کو بھڑوں کے اس چھتے کو چھیڑنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

ان ایام میں یہ الفاظ ہر وقت ابن سبا کی زبان پر تھے کہ عثمان رض نے خلافتِ اسلامیہ پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے۔ اس نے امر معروف اور نہی منکر کے الفاظ کو اپنی ڈھال بنا رکھا تھا اور کہا کرتا تھا کہ اگر میں عمالِ عثمانی کو ان کے عمل سے معزول نہیں کر سکتا مگر امر معروف اور نہی عن المنکر تو کر سکتا ہوں۔

مثل زنند کہ گمراہ را یکے بہ رسید
کہ تو چہ نامی و گمراہ گفت من رہبر

مصری دام افتادوں کو ہر وقت اس کی یہ تلقین تھی کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرائض اسلامی میں داخل ہے، اس لیے تمہارا اسلامی فریضہ ہے کہ عثمان رضہ کی معزولی اور برطرفی کے لیے عامۃ المسلمین میں ذہنی خلفشار پیدا کردو۔ اس کے زعم میں حصولِ مقصد کی آسان صورت یہ تھی کہ عثمانی والیانِ حکومت کے خلاف طعن و تشنیع کا بازار گرم کیا جائے۔ اس کے بعد خود عثمان رضہ کے خلاف ہر طرف جذبہ نفرت پھیلایا جائے۔ (ابن اثیر)

اِن تعلیمات کے ساتھ ساتھ ابن سبا اپنے کوفی اور بصری فریب خوردوں سے خط و کتابت کرکے ان کو سازشوں اور ریشہ دوانیوں کے طریقے بتلا رہا تھا۔ چنانچہ اس کے مقررہ و مجوزہ نظام کے ماتحت مصر، کوفہ اور بصرہ سے وہاں کے عاملوں کی شکایت میں اہل مدینہ کے پاس پیہم خطوط آتے رہے۔ اسی کے ساتھ بصریوں کے پاس کوفہ اور مصر سے اور کوفیوں اور مصریوں کے پاس بصریوں کے خطوط پہونچتے تھے کہ یہاں کے حکام نے ظلم پر کمر باندھ رکھی ہے اور رعایا پر عرصہ حیات تنگ ہے۔ چونکہ والیوں اور عاملوں کے ہاتھ سے کسی جگہ بھی رعایا پر ظلم نہ ہوتا تھا، اس وجہ سے ہر جگہ کے لوگ یہ سمجھے تھے کہ دوسرے صوبوں کے باشندوں پر مظالم ڈھائے جارہے ہیں لیکن حضرت عثمان رضہ اپنے عاملوں کو برطرف نہیں کرتے۔ تمام دارالحکومتوں سے

اسی قسم کے خطوط مدینہ منورہ میں بھی برابر پہونچتے رہے۔ اس لیے مدینۃ الرسول میں ہر طرف تشویش کی لہر دوڑ رہی تھی۔ (ابن اثیر)

ابن سبا کی جماعتیں اب تک صرف بصرہ، کوفہ اور مصر میں قائم ہوئی تھیں اور اہل سنت وجماعت کے مقابلے میں اس کے پیروؤں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر بھی نہ تھی۔ اس لیے اب ابن سبا نے یہ کوشش شروع کی کہ اُن قبائل وافراد کو بھی حضرت عثمان رض کی مخالفت پر متحد کر دے جو مذہبی عقائد میں اس سے مختلف ہیں۔ اس غرض کے لیے اس نے ممالکِ اسلامیہ کے تمام حصوں میں اپنے داعی پھیلا دیے۔ ان دعاۃ نے اُن مقامات پر بھی فتنہ کی آگ بھڑکا کر بد امنی پیدا کرنی شروع کی جو اب تک خاموش اور پُر امن تھے۔ ابن سبا نے حصولِ مقصد کے لیے داعیوں کو ان طریقوں پر عمل کرنے کی تعلیم دی تھی:۔ اولاً متقی اور پرہیزگار بن کر لوگوں کو مواعظِ حسنہ سے اپنا معتقد بنانا اور لوگوں پر اپنے عقائد بتدریج ظاہر کرنا۔ ثانیاً عمال کو دق اور پریشان کرنا اور ہر ممکن طریقے سے انہیں بدنام کرنے کی کوشش کرنا۔ ثالثاً حضرت عثمان رض کی ناانصافی اور قبیلہ پروری کی داستانیں مشتہر کرنا۔

چنانچہ ان طریقوں پر نہایت ہوشیاری اور مستعدی کے ساتھ عمل کیا گیا۔ اس سلسلے میں ولید بن عقبہ سابق عامل کوفہ پر جو امیر المومنین حضرت عثمان رض کے اخیافی بھائی تھے، مے خواری کا الزام قائم کیا گیا اور کوفی سبائیوں نے جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے جھوٹی شہادتیں دے کر اس جرم نا آشنا پر حد

جاری کرادی حالانکہ یہ اقدام ایک گہری سازش کا نتیجہ تھا۔ اسی طرح حضرت ابوموسیٰ اشعری رضہ سابق والیٔ بصرہ کی معزولی بھی سبائی ریشہ دوانیوں کا نتیجہ تھی۔

فصل ۷۲

حضرت عمار رضہ سے غلامان خلافت کا سوءِ ادب

مکہ کے ایک رئیس ابوحذیفہ بن مغیرہ مخزومی نے اپنی لونڈی سمیہ کو یاسر یمنی کی زوجیت میں دے دیا تھا جس سے حضرت عمار پیدا ہوئے۔ ابوحذیفہ نے عمار کو بچپن ہی میں آزاد کر دیا۔ حضرت عمار اور ان کے والدین اور بھائی عبداللہ چاروں آغاز دعوت ہی میں مشرف باسلام ہو چکے تھے۔ چونکہ بے یار و مددگار تھے۔ دنیاوی وجاہت حاصل نہ تھی اور ان کی والدہ سمیہ رضہ اس وقت تک بنو مخزوم کی لونڈی تھیں، اس لیے مشرکینِ مکہ نے مدت تک حضرت عمار اور ان کے والدین کو مجبور و بےبس دیکھ کر بری طرح مشقِ ستم بنائے رکھا۔ آخر ابوجہل نے سمیہ رضہ کو نیزہ مار کر روضۂ رضوان میں پہونچادیا اور ان کے والد یاسر رضہ اور بھائی عبداللہ بھی انتہائی مظلومی کے عالم میں جاں بحق ہو گئے۔ خود حضرت عمار رضہ نے مشرکوں کے ہاتھوں جو اذیتیں برداشت

کیں، راقم الحروف ان کی دردناک تفصیل کتاب سیرت کبریٰ میں سپردِ قرطاس کر چکا ہے۔

کئی سال کے زہرہ گداز مصائب برداشت کرنے کے بعد جب حضرت عمار رضؓ نے ہجرت کا قصد کیا تو کفار نے ان کو پھر مشقِ ستم بنانا شروع کیا۔ ان ایام میں ضعفِ بدن اور بے طاقتی اُن پر اس درجہ مسلط تھی کہ زدوکوب کا تحمل نہ کر سکے اور ظالموں سے جان بچانے کے لیے کلمہ کفر زبان پر لائے۔ لوگوں نے کہا عمار کافر ہو گئے لیکن مقتدائے امت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو فرمایا کہ عمار تو سرتاپا نورِ ایمان سے منوّر ہیں اور اسلام ان کے گوشت و پوست میں سرایت کیے ہوئے ہے۔ اس کے بعد وہ روتے ہوئے بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے اپنے دستِ مبارک سے آنسو پونچھ کر فرمایا کہ دل میں ایمان راسخ ہے تو ان کلمات کا کوئی مضایقہ نہیں۔ خدائے جلیل نے ان کی تسکینِ خاطر کے لیے یہ آیت نازل فرمائی:۔

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ (۱۶: ۱۰۶)	جو شخص ایمان لائے پیچھے (کفر پر) مجبور کیا جائے مگر اس کا دل ایمان پر برقرار رہے تو اس پر کچھ مواخذہ نہیں۔

جنگِ بدر سے لے کر غزوۂ تبوک تک جس قدر معرکے ہوئے، حضرت عمار رضؓ نے اُن سب میں شرکت کی۔ خلیفۂ دوم حضرت فاروق اعظم رضؓ نے ۲۰ھ میں انہیں کوفہ کی حکومت پر سرفراز فرمایا لیکن کوفی رؤساء سے

ایک معاملے میں اختلاف ہوگیا اور وفدِ کوفہ نے مدینہ آکر اور ان کی شکایتیں کر کے امیر المومنین کو یقین دلایا کہ عمار حکومت کے اہل نہیں۔ اس لیے حضرت عمرؓ نے انہیں معزول کر دیا۔ (طبقات ابن سعد، اصابہ، مدارک۔)

خلافتِ عثمانی کے اواخر میں جب سبائی فتنوں نے ملک کی فضا مکدر کر رکھی تھی تو ایک دن حضرت سعد بن ابی وقاص اور عمار بن یاسر (رضی اللہ عنہما) مسجد مقدس میں آئے اور کسی کو خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ ہم مسجد میں آئے ہیں۔ آپ کو چاہیے کہ مسجد میں آئیں تاکہ بعض اُن امور کے متعلق جو آپ سے صادر ہوئے ہیں اور عوام کی شکایت کا موجب ہو رہے ہیں آپ سے گفتگو کی جائے۔ امیر المومنین نے اپنے غلام کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ آج مجھے بہت سی مصروفیتیں درپیش ہیں۔ اس وقت تو مجھے معاف فرمائیے۔ اس کے بعد فلاں وقت تشریف لائیے اور جو کہنا ہے کہیے۔ یہ سن کر حضرت سعدؓ تو اٹھ کر چلے گئے اور عمار کو بھی چاہیے تھا کہ سرِ دست چلے جاتے لیکن معلوم نہیں کہ اس وقت وہ کس خیال میں تھے کہ امیر المومنینؓ کا عذر قبول نہ کیا اور دوبارہ کہلا بھیجا کہ نہیں ابھی آئیے۔ مجھے ابھی بات کرنی ہے حالانکہ اس وقت مناسب یہی تھا کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عذر کو قبول فرماتے ہوئے صبر کرتے۔

حضرت عثمانؓ نے دوبارہ معذرت کہلا بھیجی کہ میں اس وقت سخت عدیم الفرصت ہوں۔ جو وقت بتا چکا ہوں اُس وقت ان شاء اللہ ضرور

پہونچوں گا، آپ بھی اسی وقت قدم رنجہ فرمائیں۔ اُس وقت پورے اطمینان سے گفتگو ہو سکے گی۔ عمار رض نے پھر بھی عذر قبول نہ کیا اور تیسری مرتبہ آدمی بھیج دیا کہ نہیں ابھی آئیے۔ مجھے ابھی بات کرنی ہے۔ امیر المومنین نے پھر تیسری مرتبہ کہلا بھیجا کہ میں اس وقت آنے سے واقعی معذور ہوں۔ میری معذرت داری قبول فرمائیے اور فلاں وقت آنے کی تکلیف گوارا فرمائیے۔

حضرت خلافت مآبؓ نے تو تیسری مرتبہ بھی بہت کچھ حلم و تواضع ہی سے کام لیا تھا لیکن خلیفۃ المسلمین کے بعض غیور و ذی حس نمک پروردہ اس بے جا اصرار کی تاب نہ لا سکے اور امیر المومنین سے اجازت لیے بغیر مسجد میں پہونچے اور عمار کو دھکے دے کر مسجد سے باہر نکال دیا اور کہا استیذان شرع میں تین مرتبہ ہے۔ تم نے حد شرعی سے تجاوز کیا ہے اس لیے تمہاری تعزیر واجب ہے۔" لیکن افسوس ہے کہ وہ حضرت عمار رض کی قدر و منزلت نہیں جانتے تھے اور انہیں احساس نہ تھا کہ اتنی عظیم شخصیت کی توہین کبھی بے ثمر خیر نہیں ہو سکتی۔

جب یہ خبر حضرت عثمان رض کے سمع مبارک میں پہونچی تو تمام مصروفیتوں سے دست بردار ہو کر دوڑتے ہوئے مسجد میں پہونچے اور لوگوں کو حاضر کر کے عمار رض کو بلایا اور قسم کھا کر کہا کہ یہ امر صریح میرے علم یا میرے کہنے سے نہیں ہوا اور اُس غلام کو جو اس حرکت کا مرتکب ہوا تھا نہایت سختی سے زجر و توبیخ فرمائی اور کہا یہ میرا ہاتھ عمار کے لیے ہے۔ اگر وہ چاہیں تو اس سے قصاص لے سکتے ہیں۔" حضرت عمار رض نے امیر المومنین کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور راضی ہو گئے۔

فصل ۷۳

رات کے وقت تنہا قبرستان میں جانے کا امتناع

خلیفۂ راشد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ دو شخص رات کے وقت اپنی اپنی قبر سے ایسی حالت میں نکلے کہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے اور کچھ آواز دے کر اپنی اپنی قبروں میں چلے گئے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اس واقعہ کی اطلاع دی گئی۔ اس پر انہوں نے یہ حکم دیا کہ کوئی شخص رات کو تنہا قبرستان میں نہ جائے۔ اس واقعہ کو امام ابن قیم رحمہ اللہ نے سندِ صحیح کے ساتھ عُروہ بن زبیرؓ سے نقل کیا ہے۔

اصل یہ ہے کہ ملائکہ اور جنات بلکہ بہائم بھی بہت سے ایسے غیبی امور برأی العین دیکھتے اور سنتے ہیں جن کو انسان کی ظاہری آنکھ دارِ دنیا میں نہیں دیکھ سکتی۔ لیکن خدائے حکیم و برتر کبھی کبھی اہلِ ایمان کے ازدیادِ یقین اور تقویتِ ایمان کے لیے انسان کو بھی بعض غیبی امور کے مشاہدے کرا دیا کرتا ہے۔ عہدِ عثمانی کا جو واقعہ اوپر درج ہوا، وہ عذابِ قبر کی مثال ہے۔ قارئین کرام کی بصیرت کے لیے چند مزید برزخی انکشافات یہاں درج کیے جاتے ہیں:-

حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دن حضرت مخبرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم خچر پر سوار ہو کر حدیقہ بنی نجار کے پاس سے ہو کر نکلے۔ ہم لوگ حضورِ انور کے ہمراہ رکاب تھے۔ یک بیک آپؐ کا خچر ایسا بدکا کہ ہمیں آپؐ کے گرنے کا خوف لاحق ہوا۔ پھر معاً ہماری نگاہ اُن پانچ قبروں پر جا پڑی جو وہاں پاس ہی تھیں۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ کوئی شخص ان اصحابِ قبور کو جانتا ہے؟ ہمارا ایک رفیق عرض پیرا ہوا۔ یا رسول اللہ! میں جانتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا یہ کس زمانے کی قبریں ہیں۔ اُس نے عرض کی یہ لوگ عہدِ جاہلیت میں حالتِ شرک میں مرے تھے۔ آپؐ نے فرمایا یہ قبروں والے عذاب میں گرفتار ہیں۔ اگر مجھے یہ خدشہ نہ ہوتا کہ تم لوگ خوف زدہ ہو کر تدفینِ میت سے دست بردار ہو جاؤ گے تو میں حق تعالیٰ سے دعا کرکے تمہیں بھی وہ عذاب معلوم کراتا جو میں سن رہا ہوں۔ (رواہ مسلم)

ابن ابی الدنیا محدثؒ نے کتاب القبور میں شعبی سے روایت کی کہ ایک صحابی نے جناب سید انام صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا کہ میں بدر کے پاس سے گزرا وہاں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص قبر میں سے نکلتا ہے اور دوسرا شخص جو باہر کھڑا ہے معاً اسے ایک کوڑہ مار دیتا ہے۔ وہ مار کھا کر قبر میں چھپ جاتا ہے۔ پھر نکلتا ہے اور وہ شخص پھر اس سے یہی سلوک کرتا ہے۔ جناب مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ ابوجہل بن ہشام ہے جو قیامت تک اسی طرح معذب رہے گا۔

ابن ابی الدنیا نے ہشام بن عروہ سے روایت کی کہ عبداللہ نام ایک صالح شخص مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف سوار جا رہے تھے۔ سرِ راہ ایک قبرستان میں دیکھا کہ ایک شخص قبر سے باہر زنجیروں میں جکڑا ہے اور اُس پر آگ کے شعلے مسلط ہیں۔ وہ شخص کہنے لگا دیکھو عبداللہ! میرے اوپر تھوڑا سا پانی چھڑک دو۔ وہ منت سماجت کرتے ہوئے بار بار یہی درخواست کر رہا تھا۔ عبداللہ کو اس پر سخت حیرت ہوئی کہ اس کو میرا نام کیوں کر معلوم ہوا؟ اتنے میں دوسری قبر سے آواز آئی کہ عبداللہ اس شخص پر ہرگز پانی نہ چھڑکنا۔ پھر زنجیریں کھینچ لی گئیں اور گرفتارِ بلا قبر میں داخل ہو گیا۔ عبداللہ اس واقعہ کی ہیبت سے ایسے خوف زدہ ہوئے کہ سواری سے نیچے گر گئے لوگوں نے انہیں اٹھا کر گھر پہونچایا۔ صبح کے وقت عبداللہ کی یہ حالت تھی کہ سر اور داڑھی کے تمام بال سفید ہو گئے تھے۔

محمد بن رزین حرانی کا بیان ہے کہ میں عصر کے بعد گھر سے اپنے باغ کی طرف گیا اور غروبِ آفتاب سے تھوڑا پہلے وہاں سے مراجعت کی جب قبرستان کے قریب پہونچا تو ایک قبر میں سے آگ کے شعلے بلند ہوتے دکھائی دیے۔ میں وہاں سے واپس آیا اور علی الصباح تفتیش کرنے لگا کہ وہ قبر کس کی ہے۔ آخر معلوم ہوا کہ وہ ایک سود خوار تھا جو حال ہی میں مرا تھا (کتاب الروح امام ابن قیم)

اسی طرح مولوی قمرالدین مرحوم وزیرآبادی نے آج سے ۴۲ سال پیشتر (سنہ ۱۹۱۰ء میں) راقم السطور سے بیان کیا کہ میں نے نماز صبح پڑھ کر وزیرآباد سے

سوہدرہ جانے کا قصد کیا۔ راستے میں قبرستان پڑتا تھا۔ میں نے دُور سے دیکھا کہ ایک قبر سے آگ کا شعلہ اُٹھ رہا ہے مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ قبرستان میں یہ آگ کیسی؟ میں جُوں جُوں اس کے قریب ہوتا گیا، شعلہ پست ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ جب قبر سے تھوڑے فاصلہ پر پہنچا تو شعلہ بالکل موقوف ہو گیا۔ میں آگ کا راز معلوم کرنے کے لئے قبر پر پہنچا تو اسے تنور کی طرح سخت گرم پایا۔ قبر بالکل نئی تھی۔ میں نے سوہدرہ سے واپس آکر دریافت کیا تو مجھے بتایا گیا کہ فلاں بیاجے کی قبر ہے جو کل مرا تھا۔

بیاجا پنجابی زبان میں سُود خوار کو کہتے ہیں ———

			پیسے	روپے
شبّیری بہشتی زیور	جلد اوّل	ہدیہ	..	۳۰
شبّیری بہشتی زیور	جلد دوم	"	..	۳۰
شبّیری بہشتی گوہر	مکمل و مدلل	"	..	۱۵
احوال الصادقین	———	"	..	۱۵
تبلیغی نصاب	———	"	..	۳۶
موت کا منظر	———	"	..	۱۵

ملنے کا پتہ

کُتب خانہ صدّیقیہ مُلتان

ضروری تصحیح

واضح رہے کہ "ذی النورین" جلد اول میں تہتر فصلیں ہیں جیسا کہ فہرست مضامین میں بالترتیب تحریر ہے — لیکن کتاب میں غلطی سے فصل ۴۸ کے بعد فصل ۵۲ طبع ہو گیا ہے حالانکہ ۴۸ کے بعد ۴۹ ہونا چاہیئے تھا۔ یہ غلطی آخر کتاب تک چلی گئی ہے۔ لہذا ناظرین کرام خود تصحیح فرمالیں!

	غلط	صحیح
صفحہ نمبر ۲۷۳	فصل نمبر ۵۲	فصل نمبر ۴۹
" ۲۷۹	فصل نمبر ۵۳	فصل نمبر ۵۰
" ۲۸۳	فصل نمبر ۵۴	فصل نمبر ۵۱

اسی طرح آخر تک تصحیح فرمالیں

ناظم کتب خانہ صدیقیہ ملتان